سنہرے حروف

رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدین، سلف صالحین، نامور سلاطین
اور تاریخِ اسلام کے تابندہ ستاروں کے سبق آموز واقعات

عبدالمالک مجاہد



ⓒ مكتبة دار السلام، ١٤٢٧هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
مجاهد، عبدالمالك
الحروف الذهبية باللغة الاردية. / عبدالمالك مجاهد - الرياض ١٤٢٧هـ
ص: ٤٠٠ مقاس: ١٤×٢١ سم
ردمك: ٥-٥-٩٧٠٦-٩٩٦٠
١- الصحابة والتابعون ٢- السيرة النبوية أ-العنوان
ديوي ٢٣٩,٩ ١٤٢٧/٣٤٧٤
رقم الإيداع: ١٤٢٧/٢٤٧٤
ردمك: ٥-٥-٩٧٠٦-٩٩٦٠

پوسٹ بکس: 22743 الرياض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com
Website: www.dar-us-salam.com
● طریق مکہ۔ العلیا۔ الریاض فون: 4614483 فیکس: 4644945 ● الملز۔ الریاض فون: 4735220 فیکس: 4735221
● سویلم فون: 2860422 1 00966

دارالسلام	فون	فیکس
جدہ	00966 2 6879254	6336270
مدینہ منورہ	00966 503417155	8151121
خمیس مشیط	00966 7 2207055	0500710328
الخبر	00966 3 8692900	8691551
شارجہ	00971 6 5632623	5632624
لاہور، پاکستان	0092 42 7240024	7354072
اسلام آباد، پاکستان	0092-051-2500237	2500237
کراچی، پاکستان	0092-21-4393936	4393937
لندن	0044 208 539 4885	208 5394889
نیویارک، امریکہ	001 718 6255925	6251511
ہوسٹن، امریکہ	001 713 7220419	7220431
ملائیشیا	00603-77109750	77100749



وذكر فان الذكرى تنفع المومنين

سنہرے حروف

رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدین، سلف صالحین، نامور سلاطین
اور تاریخِ اسلام کے تابندہ ستاروں کے سبق آموز واقعات

تالیف
عبدالمالک مجاہد



دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
اسلام آباد • کراچی • لندن • هیوسٹن • نیو یارک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔

فہرست



خلفا وسلاطین، صلحائے امت ، سپہ سالارانِ اسلام اور مجاہدین صف شکن کی سیرت اور کردار مسلمانانِ عالم کے لیے مشعل راہ ہیں۔ اس لیے امتِ مسلمہ کی نوخیز نسلوں کو اس مشعل سے اپنی زندگی کے راستوں کو منور کرنا از حد ضروری ہے۔ چنانچہ ہم نے اپنے سنہرے سلسلے کی اس چوتھی کڑی میں رسول اللہ ﷺ ، خلفائے راشدین، سلف صالحین، نامور خلفا وسلاطین اور تاریخ اسلام کے دیگر درخشندہ ستاروں کے دلچسپ اور سبق آموز واقعات دلکش پیرائے میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہماری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ زبان سہل ، رواں اور عام فہم ہو؛ تاکہ عام اردو داں طبقہ بھی ان واقعات سے محظوظ ہو سکے اور اپنی سیرت وکردار کو اپنے اسلاف کی داستانِ عزیمت سے جلا بخش سکے۔

اس کتاب میں زیادہ تر واقعات عربی مصادر سے لیے گئے اور مستند ہیں۔ اسلاف کے تفقہ، رسوخ فی العلم، ذہانت وفطانت، معاملہ فہمی، حلم، تواضع، ایثار اور اعلائے کلمۃ الحق کے یہ واقعات ہر مسلمان مرد وعورت کے لیے گرانقدر رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

''سنہرے حروف'' کی تیاری، مسودوں کی ترتیب اور عربی عبارات کے اردو ترجمہ کے مراحل میں دار السلام ریاض کے شعبۂ تحقیق وتالیف کے ممبر جناب رضوان اللہ ریاضی کا تعاون میرے شاملِ حال رہا ہے۔ اور کتاب کی تحقیق وتصحیح اور پروف پڑھنے کا کام دارالسلام لاہور کے محقق اور علم تاریخ کے شناور محسن فارانی نے انجام دیا ہے اور جناب طارق جاوید عارفی نے عربی متن اور حوالوں کی تحقیق میں ان کی معاونت کی ہے۔ انھوں نے واقعات کے آخر میں شخصیات کا مختصر

عرضِ مؤلف

حروف، قلم اور علم کے مابین رشتہ بہت گہرا ہے۔ حرف اور لفظ زبان سے ادا ہوتے ہیں اور قلم حروف، الفاظ اور کتاب لکھتا ہے اور یوں علم کو فروغ ملتا ہے۔

دار السلام کتاب و سنت کے علوم کی اشاعت کا عالمی ادارہ ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمودات کی پیروی میں علم بالخصوص علمِ دین کا فروغ اس کا مقصود و منتہا ہے۔ دار السلام کی طرف سے عربی، انگریزی اور اُردو کے علاوہ دنیا کی بارہ زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم وحواشی کا کام بہت مقبول ہوا ہے۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ

دار السلام کا اشاعتی سلسلہ تین براعظموں پر پھیلا ہوا ہے اور اس کے معاملات کی نگرانی کے لیے مجھے اکثر مختلف مقامات کے مابین سفر کرنا پڑتا ہے اور اس سفر و حضر کے دوران میں مطالعے کا شغل میرے معمولات میں سرِ فہرست ہے۔ فراغت کے ان لمحات میں اپنے مطالعے کا نچوڑ میں صفحات قرطاسِ پر منتقل کرتا رہتا ہوں۔ میرے سفر و حضر کے اس مطالعے کا حاصل اس سے پہلے شائع ہونے والی تین تالیفات ''سنہرے اوراق''، ''سنہری کرنیں'' اور ''سنہرے فیصلے'' ہیں جنھیں مطالعے کا عمدہ ذوق رکھنے والے قارئین نے بہت پذیرائی بخشی ہے۔ اور اب سنہرے سلسلے کی چوتھی تالیف ''سنہرے حروف'' کے نام سے آپ کے سامنے ہے۔

چونکہ اسلامی معاشرت کی تعمیر اور کردار سازی میں نبیٔ اکرم ﷺ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین، ائمۂ عظام، فقہائے کرام، سلف صالحین، نیک طینت



تعارف بھی شامل کر دیا ہے جس سے کتاب کی افادیت میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا ہے۔ آخری پروف دیکھنے کی ذمہ داری عبداللہ ناصر صاحب نے نبھائی جبکہ دارالسلام ریاض کے آرٹسٹ نجم الجید اور لاہور برانچ کے محمد رمضان شاد اور حفیظ الرحمٰن ٌحمس نے ڈیزائننگ اور کمپوزنگ کا فریضہ انجام دیا ہے۔ عزیزم محمد طارق شاہد بھی میرے شکریے کے بجا طور پر مستحق ہیں جن کی نگرانی و اہتمام میں ''سنہرے حروف'' کی کمپوزنگ اور درستی اور تحقیق وتخریج کا کام انجام پایا۔

آخر میں دارالسلام ریاض کے مرکز علمی کے انچارج جناب محمد اقبال عبدالعزیز نے پوری کتاب کا دقتِ نظر سے مراجعہ کیا اور کئی مقامات پر علمی اور لغوی اعتبار سے حسبِ ضرورت حذف واضافہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام ساتھیوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ ظاہری ومعنوی حسن سے مزین اس کتاب کو پسند فرمائیں تو ارحم الراحمین سے ہمارے حق میں قبولیت ومغفرت کی دعا ضرور فرمائیں۔

اِن شاءاللہ سنہری کتب کا یہ مفید سلسلہ جاری وساری رہے گا!

عبدالمالک مجاہد

ریاض، سعودی عرب، جولائی 2006ء

سنہرے حروف مٹتے نہیں!

آفتابِ رسالت کو طلوع ہوئے چھ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ سردارانِ مکہ کا ظلم واستبداد ان ہی کی زبانی صادق وامین کا لقب پانے والے محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے متبعین کے خلاف اپنی حدیں چھو رہا تھا۔ اسلام کی طاقتور آواز کو دبانے کے لیے قریش نے اپنے ظلم کے ترکش کے کسی بھی تیر کو آزمانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا؛ بلکہ ظلم وجور کی تاریخ میں اس کی مثال پیدا کرنا قریش کی یکتائی کی تحقیر تھی۔ اسلام کے روشن مستقبل کا اندازہ کر کے مشرکین کے حقد وحسد کا شعلہ تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔ حالات کی رفتار بدل رہی تھی۔ گرد وپیش کے ماحول میں فرق آ چکا تھا۔ اب مشرکین علانیہ رسول اکرم ﷺ کے قتل کا فیصلہ کر چکے تھے۔ ان کے اسی فیصلے کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے:

﴿أَمْ أَبْرَمُوٓا۟ أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ﴾

''اگر ان کافروں نے ایک بات (میرے پیغمبر کے قتل) کا تہیہ کر رکھا ہے تو ہم بھی (انھیں بچانے کا) تہیہ کیے ہوئے ہیں''۔ [الزخرف:79]

ابوطالب مشرکین کے ناروا سلوک پر غور کرتے تو انھیں ایک ایسے سنگین خطرے کی بو محسوس ہوتی جس سے ان کا دل کانپ اٹھتا۔ انھوں نے جب دیکھا کہ قریش ہر جانب سے ان کے بھتیجے کی مخالفت پر تُل گئے ہیں تو انھوں نے اپنے جدِّ اعلیٰ عبدمناف کے دو صاحبزادوں ہاشم اور مطلب کی اولاد پر مشتمل خاندانوں کو اکٹھا کیا اور یہ تجویز رکھی کہ اب تک وہ اپنے بھتیجے کی حمایت وحفاظت کا جو کام تنہا انجام دیتے رہے ہیں اب اسے سب مل کر انجام دیں۔ ابوطالب کی یہ تجویز عربی حمیت

کے پیشِ نظر بنو ہاشم اور بنو مطلب کے سارے مسلم اور کافر افراد نے قبول کی۔ البتہ ابو طالب کا بھائی ابولہب تنہا ایسا فرد تھا جس نے اسے منظور نہ کیا اور سارے خاندان سے الگ ہو کر مشرکینِ قریش سے جا ملا اور انہی کا ساتھ دینے لگا۔ اب اس کے بعد کے حالات شیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری کے الفاظ میں ان کی مایہ ناز تصنیف ''الرحیق المختوم'' کے حوالے سے پڑھتے ہیں:

''صرف چار ہفتے یا اس سے بھی کم مدت میں مشرکین کو چار بڑے بڑے دھچکے لگ چکے تھے۔ یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے، پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیش کش یا سودے بازی مسترد کی، پھر قبیلۂ بنی ہاشم و بنی مطلب کے سارے ہی مسلم و کافر افراد نے ایک ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا عہد و پیمان کیا۔ اس سے مشرکین چکرا گئے اور انھیں چکرانا ہی چاہیے تھا۔ کیونکہ ان کی سمجھ میں آ گیا کہ اگر انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا اقدام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں مکہ کی وادی مشرکین کے خون سے لالہ زار ہو جائے گی۔ بلکہ ممکن ہے ان کا مکمل صفایا ہی ہو جائے۔ اس لیے انھوں نے قتل کا منصوبہ چھوڑ کر ظلم کی ایک اور راہ تجویز کی جو اُن کی اب تک کی تمام ظالمانہ کارروائیوں سے زیادہ سنگین تھی۔

اس تجویز کے مطابق مشرکین وادیٔ محصّب میں خَیف بنی کنانہ کے اندر جمع ہوئے اور آپس میں بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف یہ عہد و پیمان کیا کہ نہ ان سے شادی بیاہ کریں گے، نہ خرید و فروخت کریں گے، نہ ان کے ساتھ اٹھیں بیٹھیں گے، نہ ان سے میل جول رکھیں گے، نہ ان کے گھروں میں جائیں گے، نہ ان سے بات چیت کریں گے جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے ان کے حوالے نہ کر دیں۔ مشرکین نے اس بائیکاٹ کی دستاویز کے طور پر ایک صحیفہ لکھا جس میں اس

بات کا عہد و پیمان کیا گیا تھا کہ وہ بنی ہاشم کی طرف سے کبھی بھی کسی صلح کی پیش کش قبول نہ کریں گے، نہ ان کے ساتھ کسی طرح کی مروّت برتیں گے جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے مشرکین کے حوالے نہ کر دیں۔

ابن قیم کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ یہ صحیفہ منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم نے لکھا تھا اور بعض کے نزدیک نضر بن حارث نے لکھا تھا، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ لکھنے والا بغیض بن عامر بن ہاشم تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر بد دعا کی اور اس کا ہاتھ شل ہو گیا (1)۔

بہر حال یہ عہد و پیمان طے پا گیا اور صحیفہ خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں ابولہب کے سوا بنی ہاشم اور بنی مطلب کے سارے افراد خواہ مسلمان رہے ہوں یا کافر سمٹ سمٹا کر شعبِ ابی طالب میں محبوس ہو گئے۔ یہ نبی ﷺ کی بعثت کے ساتویں سال محرم کی چاندرات کا واقعہ ہے۔

اس بائیکاٹ کے نتیجے میں حالات نہایت سنگین ہو گئے۔ غلّے اور سامانِ خورد ونوش کی آمد بند ہو گئی۔ کیونکہ مکے میں جو غلہ یا فروختنی سامان آتا تھا اسے مشرکین لپک کر خرید لیتے تھے۔ اس لیے محصورین کی حالت نہایت پتلی ہو گئی۔ انھیں پتے اور چمڑے کھانے پڑے۔ فاقہ کشی کا حال یہ تھا کہ بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں اور عورتوں کی آوازیں گھاٹی کے باہر سنائی پڑتی تھیں۔ ان کے پاس بمشکل ہی کوئی چیز پہنچ پاتی تھی، وہ بھی پسِ پردہ۔ وہ لوگ حرمت والے مہینوں کے علاوہ باقی ایام میں اشیائے ضرورت کی خرید کے لیے گھاٹی سے باہر نکلتے بھی نہ تھے۔ وہ اگرچہ قافلوں سے سامان خرید سکتے تھے جو باہر سے مکہ آتے تھے لیکن ان کے سامان کے دام بھی مکے والے اس قدر بڑھا کر خریدنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے کہ محصورین کے لیے

کچھ خریدنا مشکل ہو جاتا تھا۔

حکیم بن حزام جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا تھا کبھی کبھی اپنی پھوپھی کے لیے گیہوں بھجوا دیتا تھا۔ ایک بار ابوجہل سے سابقہ پڑ گیا۔ وہ غلہ روکنے پر اڑ گیا۔ لیکن ابوالبختری نے مداخلت کی اور اسے اپنی پھوپھی کے پاس گیہوں بھجوانے دیا۔

ادھر ابوطالب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں برابر خطرہ لگا رہتا تھا، اس لیے جب لوگ اپنے اپنے بستروں پر جاتے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ تم اپنے بستر پر سو رہو۔ مقصد یہ ہوتا کہ اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی نیت رکھتا ہو تو دیکھ لے کہ آپ کہاں سو رہے ہیں۔ پھر جب لوگ سو جاتے تو ابوطالب آپ کی جگہ بدل دیتے۔ یعنی اپنے بیٹوں، بھائیوں یا بھتیجوں میں سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سلا دیتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ تم اس کے بستر پر چلے جاؤ۔

اس محصوری کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمان حج کے ایام میں باہر نکلتے تھے اور حج کے لیے آنے والوں سے مل کر انھیں اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ ان حالات پر پورے تین سال گزر گئے۔ اس کے بعد محرم 10 نبوت میں صحیفہ چاک کیے جانے اور اس ظالمانہ عہد و پیمان کو ختم کیے جانے کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شروع ہی سے قریش کے کچھ لوگ اگر اس عہد و پیمان سے راضی تھے تو کچھ ناراض بھی تھے اور ان ہی ناراض لوگوں نے اس صحیفے کو چاک کرنے کی تگ و دو کی۔

اس کا اصل محرک قبیلہ بنو عامر بن لؤی کا ہشام بن عمرو نامی ایک شخص تھا۔ یہ رات کی تاریکی میں چپکے چپکے شعب ابی طالب کے اندر غلہ بھیج کر بنو ہاشم کی مدد بھی کیا کرتا تھا۔ یہ زُہیر بن ابی امیہ مخزومی کے پاس پہنچا۔ (زہیر کی ماں عاتکہ،

عبدالمطلب کی صاحبزادی یعنی ابوطالب کی بہن تھیں) اور اس سے کہا: زہیر! کیا تمھیں یہ گوارا ہے کہ تم تو مزے سے کھاؤ پیو اور تمھارے ماموں کا وہ حال ہے جسے تم جانتے ہو؟ زہیر نے کہا: افسوس! میں تن تنہا کیا کر سکتا ہوں؟ ہاں اگر میرے ساتھ کوئی اور آدمی ہوتا تو میں اس صحیفے کو پھاڑنے کے لیے یقیناً اٹھ پڑتا۔ اس نے کہا: اچھا تو ایک آدمی اور موجود ہے۔ پوچھا: کون ہے؟ کہا: میں ہوں۔ زہیر نے کہا: اچھا تو اب تیسرا آدمی تلاش کرو۔

اس پر ہشام، مطعم بن عدی کے پاس گیا اور بنو ہاشم اور بنو مطلب سے جو کہ عبدمناف کی اولاد تھے، مطعم کے قریبی نسبی تعلق کا ذکر کر کے اسے ملامت کی کہ اس نے اس ظلم پر قریش کی ہمنوائی کیونکر کی؟ یاد رہے کہ مطعم بھی عبدمناف ہی کی نسل سے تھا۔ مطعم نے کہا: افسوس! میں تن تنہا کیا کر سکتا ہوں؟! ہشام نے کہا: ایک آدمی اور موجود ہے۔ مطعم نے پوچھا: کون ہے؟ ہشام نے کہا: میں۔ مطعم نے کہا: ایک تیسرا آدمی تلاش کرو۔ ہشام نے کہا: یہ بھی کر چکا ہوں۔ پوچھا: وہ کون ہے؟ کہا: زہیر بن ابی امیہ۔ مطعم نے کہا: اچھا تو اب چوتھا آدمی تلاش کرو۔ اس پر ہشام بن عمرو، ابوالبختری بن ہشام کے پاس گیا اور اس سے بھی اسی طرح کی گفتگو کی جیسی مطعم سے کی تھی۔ اس نے کہا: بھلا کوئی اس کی تائید بھی کرنے والا ہے؟ ہشام نے کہا: ہاں۔ پوچھا: کون؟ کہا: زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی اور میں۔ اس نے کہا: اچھا تو اب پانچواں آدمی ڈھونڈو۔ اس کے لیے ہشام، زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد کے پاس گیا اور اس سے گفتگو کرتے ہوئے بنو ہاشم کی قرابت اور ان کے حقوق یاد دلائے۔ اس نے کہا: بھلا جس کام کے لیے مجھے بلا رہے ہو اس سے کوئی اور بھی متفق ہے؟ ہشام نے اثبات میں جواب دیا اور سب کے نام بتلائے۔ اس کے بعد

ان لوگوں نے حجون کے پاس جمع ہو کر آپس میں یہ عہد و پیمان کیا کہ صحیفہ چاک کرنا ہے۔ زہیر نے کہا: میں ابتدا کروں گا یعنی سب سے پہلے میں ہی زبان کھولوں گا۔

صبح ہوئی تو سب لوگ حسب معمول اپنی اپنی محفلوں میں پہنچے۔ زہیر بھی ایک جوڑا زیب تن کیے ہوئے پہنچا۔ پہلے بیت اللہ کے سات چکر لگائے، پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر بولا: مکے والو! کیا ہم کھانا کھائیں، کپڑے پہنیں اور بنو ہاشم تباہ و برباد ہوں، نہ ان کے ہاتھ بیچا جائے نہ ان سے کچھ خریدا جائے۔ خدا کی قسم! میں بیٹھ نہیں سکتا یہاں تک کہ اس ظالمانہ اور قرابت شکن صحیفے کو چاک کر دیا جائے!!

ابوجہل جو مسجد حرام کے ایک گوشے میں موجود تھا، بولا: تم غلط کہتے ہو، خدا کی قسم! اسے پھاڑا نہیں جا سکتا۔

اس پر زمعہ بن اسود نے کہا: بخدا! تم زیادہ غلط کہتے ہو۔ جب یہ صحیفہ لکھا گیا تھا تب بھی ہم اس سے راضی نہ تھے۔

اس پر ابوالبختری نے گرہ لگائی: زمعہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے نہ ہم راضی ہیں نہ اسے ماننے کو تیار ہیں۔ اس کے بعد مطعم بن عدی نے کہا: تم دونوں ٹھیک کہتے ہو اور جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے۔ ہم اس صحیفہ سے اور اس میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اس سے اللہ کے حضور براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ پھر ہشام بن عمرو نے بھی اسی طرح کی بات کہی۔

یہ ماجرا دیکھ کر ابوجہل نے کہا: ہونہہ! یہ بات رات میں طے کی گئی ہے اور اس کا مشورہ یہاں کے بجائے کہیں اور کیا گیا ہے۔ اس دوران ابوطالب بھی حرم پاک کے ایک گوشے میں موجود تھے۔ ان کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس صحیفے کے بارے میں یہ خبر دی تھی کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے کیڑے

بھیج دیے ہیں جنھوں نے ظلم وستم اور قرابت شکنی کی ساری باتیں چٹ کر دی ہیں اور صرف اللہ عز وجل کا ذکر باقی چھوڑا ہے۔ پھر نبی ﷺ نے اپنے چچا کو یہ بات بتائی تو وہ قریش کو یہ کہنے آئے تھے کہ ان کے بھتیجے نے انھیں یہ اور یہ خبر دی ہے اگر وہ جھوٹا ثابت ہوا تو ہم تمھارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیں گے اور تمھارا جو جی چاہے کرنا۔ لیکن اگر وہ سچا ثابت ہوا تو تمھیں ہمارے بائیکاٹ اور ظلم سے باز آنا ہوگا۔ جب قریش کو یہ بتایا گیا تو انھوں نے کہا: آپ انصاف کی بات کہہ رہے ہیں۔

ادھر ابوجہل اور باقی لوگوں کی نوک جھونک ختم ہوئی تو مطعم بن عدی صحیفہ چاک کرنے کے لیے اٹھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ واقعی کیڑوں نے اس کا صفایا کر دیا ہے۔ صرف 'باسمک اللھم' باقی رہ گیا ہے اور جہاں جہاں اللہ کا نام تھا وہ بچا ہے یا کیڑوں نے اسے نہیں کھایا تھا۔

اس کے بعد صحیفہ چاک ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ اور بقیہ تمام حضرات نے شعب ابی طالب سے نکل آئے اور مشرکین نے آپ ﷺ کی نبوت کی ایک عظیم الشان نشانی دیکھی۔ لیکن ان کا رویہ وہی رہا جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

﴿وَإِن يَرَوْا ءَايَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾

''اگر یہ مشرکین کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو رخ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو چلتا پھرتا جادو ہے''۔ [القمر:2] (2)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ابن ہشام کے حوالے سے خانۂ کعبہ پر لٹکائے گئے بائیکاٹ کے صحیفے سے سنہرے حروف یعنی اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کے نہ مٹنے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کو خبر دیتے ہوئے فرمایا:

«يَا عَمِّ إِنَّ اللهَ قَدْ سَلَّطَ الأَرَضَةَ عَلَى صَحِيفَةِ قُرَيْشٍ، فَلَمْ تَدَعْ فِيهَا اسْمًا هُوَ لِلّٰهِ إِلَّا أَثْبَتَتْهُ فِيهَا وَنَفَتْ مِنْهَا الظُّلْمَ وَالقَطِيعَةَ وَالبُهْتَانَ».

''چچا جان! اللہ تعالیٰ نے (خانہ کعبہ پر لٹکائے گئے) قریش کے صحیفے پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے جو اللہ کے اسمائے گرامی کو چھوڑ کر ظلم و قطع تعلقی اور بہتان پر مشتمل سارے الفاظ کو چٹ کر گیا ہے''۔

ابوطالب نے پوچھا:

«أَرَبُّكَ أَخْبَرَكَ بِهٰذَا؟».

''کیا تمھارے رب نے تمھیں اس بات کی خبر دی ہے؟''۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔

ابوطالب نے کہا:

«فَوَاللهِ! مَا يَدْخُلُ عَلَيْكَ أَحَدٌ».

''پھر اللہ کی قسم! تم تک کوئی نہیں پہنچ سکتا''۔

اس کے بعد ابوطالب شعب ابی طالب سے نکل کر قریش کے پاس آئے اور ان سے یوں مخاطب ہوئے:

«يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! إِنَّ ابْنَ أَخِي أَخْبَرَنِي بِكَذَا وَكَذَا ، فَهَلُمَّ صَحِيفَتَكُمْ، فَإِنْ كَانَتْ كَمَا قَالَ، فَانْتَهُوا عَنْ قَطِيعَتِنَا وَانْزِلُوا عَنْهَا ، وَإِنْ كَانَ كَاذِبًا دَفَعْتُ إِلَيْكُمُ ابْنَ أَخِي».

''قریشیو! میرے بھائی کے بیٹے (محمد) نے مجھے یہ یہ بات بتائی ہے (کہ اللہ کے نام کے سوا ظلم و عدوان اور قطع تعلقی اور بہتان پر مشتمل سارے الفاظ دیمک چٹ کر گیا ہے)۔ لہٰذا تم اپنے صحیفے کے پاس چلو (اور اسے اتار کر دیکھو)، اگر بات

وہی ہے جیسا کہ اس نے مجھے بتائی ہے تو تم ہمارے ساتھ قطع تعلقی سے باز آ جاؤ اور صحیفہ میں مکتوب باتیں واپس لے لو، اور اگر وہ (میرا بھتیجا اپنی بات میں) جھوٹا ہے تو پھر میں اسے تمھارے سپرد کر دوں گا''۔

قریش نے کہا: بات معقول سی ہے، ہم اس بات سے راضی ہیں۔

چنانچہ صحیفہ دیکھا گیا تو سنہرے حروف یعنی اللہ عزوجل کے اسمائے گرامی جوں کا توں باقی تھے۔اس کے برخلاف ظلم وعدوان اور بہتان وقطع تعلقی پر مشتمل الفاظ دیمک کی نذر ہو گئے تھے(3)۔

اس واقعے سے یہ سبق ملتا ہے کہ تاریخ اسلامی کے سنہرے حروف اور ان کے انمٹ نقوش تا قیامِ قیامت باقی رہیں گے اور ان کا متبع ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا جس کی پیشین گوئی رسول اکرم ﷺ کی زبانی بخاری ومسلم میں کی گئی ہے۔

(1) زادالمعاد (46/2)۔

(2) صاحب الرحیق المختوم نے بائیکاٹ کی یہ تفصیل بخاری (216/1)، زادالمعاد (46/2)، ابن ہشام (350/1)، رحمۃ للعالمین (70/1) مختصر السیرۃ (106) وغیرہ کتب سے لی ہے اور اختلاف کے موقع پر قرائن کی روشنی میں راجح پہلو درج کیا ہے۔

(3) دیکھیے: البدایۃ والنہایۃ (238/4)، تحقیق ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی۔ سیرۃ ابن ہشام (377/1)۔

آل یاسر! صبر کرو

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بنومخزوم کے غلام تھے۔ یہ اپنے والدین کے ساتھ اسلام کی نعمت سے مشرف ہوئے تھے۔ مشرکین مکہ انہیں طرح طرح کی دردناک سزائیں دیا کرتے۔ چلچلاتی دھوپ میں گرم اور پتھریلی زمین پر ان تینوں کو لٹا دیا جاتا اور انہیں گھسیٹ گھسیٹ کر مارا جاتا۔ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں اس سلسلے میں لکھا ہے:

«كَانَ الْمُشْرِكُونَ وَعَلَى رَأْسِهِمْ أَبُو جَهْلٍ يُخْرِجُونَهُمْ إِلَى الأَبْطَحِ إِذَا حَمِيَتِ الرَّمْضَاءُ فَيُعَذِّبُونَهُمْ بِحَرِّهَا».

''مشرکینِ مکہ جن کے پیش پیش ابوجہل ہوتا، ان تینوں (عمار، ان کے والد یاسر اور ان کی والدہ سمیہ) کو چلچلاتی دھوپ میں جبکہ شدتِ تپش سے زمین گرم ہو جاتی بطحائے مکہ میں نکالتے اور وہاں کی گرم زمین پر لٹا کر انہیں سزائیں دیا کرتے تھے''۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ان کے پاس سے ہوتا اور آپ انہیں اسلام کی خاطر یہ سخت ایذائیں برداشت کرتے ہوئے دیکھتے تو فرماتے:

«صَبْرًا آلَ يَاسِرٍ، فَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْجَنَّةُ»

''آل یاسر! صبر سے کام لو، یقیناً تمہارے وعدے کی جگہ جنت ہے''۔ (1)

اس دردناک عذاب کی تاب نہ لا کر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے اور ابوجہل نے ان کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو نیزہ مار کر شہید کر ڈالا۔ اسلام میں خلعتِ شہادت سے سرفراز ہونے کی سعادت سب سے پہلے اسی خاتون کے نصیب میں آئی۔ پھر اس کے بعد کفارِ مکہ نے حضرت

عمار رضی اللہ عنہ کو طرح طرح کے عذاب دینا شروع کیا؛ چنانچہ کبھی تو انہیں گرم پتھریلی زمین پر لٹا کر، کبھی ان کے سینے پر گرم چٹان رکھ کر اور کبھی پانی میں ڈبکیاں دے کر انہیں اذیت سے دو چار کرتے اور کہتے:

«لَا نَتْرُكُكَ حَتَّى تَسُبَّ مُحَمَّدًا وَتَذْكُرَ آلِهَتَنَا بِخَيْرٍ».

''جب تک کہ تو محمد کے لیے نامناسب الفاظ نہیں کہے گا اور ہمارے معبودوں کو اچھے الفاظ سے یاد نہیں کرے گا، ہم تجھے نہیں چھوڑیں گے''۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن جریر رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ مشرکین مکہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو جب سخت سے سخت سزائیں دینے لگے تو انہوں نے مشرکوں کے مطالبہ پر چند نامناسب باتیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہہ دیں۔ پھر انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کا شکوہ کیا کہ مشرکین جب مجھے مارتے ہیں اور سخت ترین عذاب میں مبتلا کرتے ہیں تو اس وقت میں ان کے مطالبہ پر آپ کی شانِ اقدس میں چند گستاخانہ کلمات کہہ دیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

«كَيْفَ تَجِدُ قَلْبَكَ؟».

''اس وقت تم اپنے دل کو کیسا پاتے ہو؟''۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا:

«مُطْمَئِنًّا بِالْإِيمَانِ».

''میرا دل دولتِ ایمان سے سرشار ہوتا ہے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«فَإِنْ عَادُوا فَعُدْ».

''اگر وہ پھر مجبور کریں تو تمھیں اجازت ہے''۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی:

﴿مَن كَفَرَ بِٱللَّهِ مِنۢ بَعۡدِ إِيمَٰنِهِۦٓ إِلَّا مَنۡ أُكۡرِهَ وَقَلۡبُهُۥ مُطۡمَئِنُّۢ بِٱلۡإِيمَٰنِ وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ بِٱلۡكُفۡرِ صَدۡرٗا فَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٞ مِّنَ ٱللَّهِ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيمٞ﴾.

''جو شخص ایمان لانے کے بعد جان بوجھ کر اللہ سے کفر کرے، اس پر تو اللہ کا غضب ہے اور وہ عذابِ عظیم کا مستحق ہے۔ مگر جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل حالتِ ایمان پر مطمئن ہو (تو اس پر کوئی گناہ نہیں)''۔ [النحل:106]

بلاذری نے محمد بن کعب سے بیان کیا ہے:

«كَانَ عَمَّارٌ يُعَذَّبُ حَتَّى لَا يَدْرِي مَا يَقُولُ».

''عمار رضی اللہ عنہ کو اتنا سخت عذاب دیا جاتا کہ (وہ حواس کھو بیٹھتے اور) انہیں معلوم نہ ہوتا کہ ان کی زبان سے کیا کچھ نکل رہا ہے''۔

ابن سعد نے محمد بن کعب ہی کے حوالے سے لکھا ہے:

«أَخْبَرَنِي مَنْ رَأَى عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ مُتَجَرِّدًا فِي سَرَاوِيلَ».

''مجھے اس آدمی نے بتایا ہے جس نے عمار رضی اللہ عنہ کو صرف پاجامہ پہنے ہوئے دیکھا''۔

اس آدمی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی پشت پر زخم کے آثار دیکھ کر پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا:

«هَذَا مَا كَانَتْ قُرَيْشٌ تُعَذِّبُنِي فِي رَمْضَاءِ مَكَّةَ».

''مکہ کی گرم زمین پر لٹا کر قریش مجھے جو سزائیں دیتے تھے یہ اسی کے آثار

ہیں''۔

قارئین کرام! آپ کے سامنے مکہ کی سرزمین پر ظلم کا پہاڑ توڑنے والے مشرکین مکہ اور ان کی بہیمانہ کارروائیوں کا شکار ہونے والے ایک ہی خاندانِ مظلوماں کا یہ عکس پیش کیا گیا جبکہ حقیقت اس سے کہیں زیادہ دل دہلا دینے والے واقعات سے عبارت ہے!!

مردانگی و بہادری، خودداری و جوانمردی، حوصلہ مندی و روشن ضمیری اور کرامتِ انسانیت کا سر اس وقت شرم سے جھک جاتا ہے جب کوئی سنتا ہے کہ "فرعونُ هذه الأمة" کے لقب سے ملقب ظالم و جابر بد بخت ابوجہل عمرو بن ہشام نے ایک مظلوم و مسکین، غریب و نادار اور لاچار لونڈی کو زیرِ ناف نیزہ مار کر صرف اس لیے موت کے گھاٹ اتار دیا کہ وہ کہتی تھی:

«رَبِّي اللهُ» .

''میرا رب اللہ ہے''۔

اگر اس امت کے فرعون نے یہ حرکت پس پردہ بھی کی ہوتی تب بھی وہ قابلِ سرزنش و قابلِ ملامت ہوتا اور انسانیت اسے بخشنے کو تیار نہ ہوتی!! پھر ایسی صورت میں اس کا جرم کس قدر قابلِ نفرت اور گھناؤنا ہو جاتا ہے کہ اس نے یہ سب کچھ قریش کی آنکھوں کے سامنے کیا؟!! (2)

(1) مستدرک حاکم (383/3)۔

(2) یہ واقعہ سیرت و تاریخ کی کتابوں کے علاوہ حدیث کی متعدد کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ دیکھئے: السيرة الشامية (481/2)، مسند امام احمد، مستدرک حاکم وغیرہ۔

مجھے اللہ سے شرم آ رہی ہے!

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا بھائی خلیفہ ہشام بن عبدالملک بن مروان [1] بیت اللہ شریف کے حج کو آیا۔طواف کے دوران میں اس کی نگاہ زاہد و متقی اور عالم ربانی سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر پڑی جو اپنا جوتا ہاتھ میں اٹھائے ہوئے خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ان کے اوپر ایک کپڑا اور ایک عمامہ تھا جس کی قیمت تیرہ درہم سے زیادہ نہیں تھی۔

خلیفہ ہشام نے کہا:

«سَلْنِي حَاجَةً»

''کوئی حاجت ہو تو فرمایئے''۔

سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

«إِنِّيْ لَأَسْتَحْيِي مِنَ اللهِ أَنْ أَسْأَلَ فِي بَيْتِهِ غَيْرَهُ»

''مجھے اللہ سے شرم آ رہی ہے کہ میں اس کے گھر میں ہوتے ہوئے کسی اور کے سامنے دستِ سوال دراز کروں''۔

یہ سننا تھا کہ خلیفہ کے چہرے کا رنگ سرخ ہونے لگا۔اس نے سالم بن عبداللہ کے جواب میں اپنی سبکی محسوس کی۔جب سالم بن عبداللہ حرم شریف سے باہر نکلے تو وہ بھی ان کے پیچھے ہی حرم سے نکل پڑا اور راستے میں ان کے سامنے آ کر کہنے لگا:

«الآنَ قَدْ خَرَجْتَ مِنْ بَيْتِ اللهِ، فَسَلْنِي حَاجَةً»

''اب تو آپ بیت اللہ شریف سے باہر نکل چکے ہیں،کوئی حاجت ہو تو فرمائیں (بندہ حاضر ہے)''۔

سالم بن عبداللہ گویا ہوئے:

«مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا، أَمْ مِنْ حَوَائِجِ الآخِرَةِ؟!»

''آپ کی مراد دنیاوی حاجت سے ہے یا اُخروی حاجت سے؟!''۔

خلیفہ ہشام: اخروی حاجت کو پورا کرنا تو میرے بس میں نہیں؛ البتہ دنیاوی ضرورت پوری کر سکتا ہوں، فرمائیں۔

سالم بن عبداللہ کہنے لگے:

«مَا سَأَلْتُ الدُّنْيَا مَنْ يَمْلِكُهَا، فَكَيْفَ أَسْأَلُهَا مَنْ لاَ يَمْلِكُهَا؟!»

''میں نے دنیا تو اس سے بھی نہیں مانگی ہے جس کی یہ ملکیت ہے۔ پھر بھلا میں اس شخص سے دنیا کیوں کر طلب کر سکتا ہوں جس کا وہ خود مالک نہیں؟!''۔(2)

یہ کہہ کر اپنے گھر کی طرف چل دیے اور ہشام بن عبدالملک اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

---

(1) ہشام خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بیٹوں میں سے چوتھا بیٹا تھا جو یزید بن عبدالملک کے بعد منصب خلافت پر فائز ہوا۔ اس کے عہد میں ترکوں نے بار بار بغاوتیں کیں۔ ہشام نے نصر بن سیار کو خراسان کا گورنر مقرر کیا تو اس نے نومسلموں سے جزیہ لینا موقوف کیا جس کے نتیجے میں ترکوں میں اسلام بڑی سرعت سے پھیلنے لگا۔ ہشام کے جرنیل سعید حریشی نے خزر اور آذربائیجان کے ترکوں کو بار بار شکستیں دیں۔ رومیوں کے خلاف بھی کئی فتوحات حاصل ہوئیں۔ ہشام کے عہد میں زید بن علی زین العابدین نے کوفہ میں خروج کیا مگر جب موقع آیا تو اہل کوفہ ساتھ چھوڑ گئے، چنانچہ زید بن علی نے انھیں ''رافضی'' کا خطاب دیا۔ آخری معرکے میں زید پیشانی میں تیر لگنے سے انتقال کر گئے۔ ہشام نے ساڑھے انیس برس خلافت کرنے کے بعد 125ھ/742ء میں وفات پائی۔

(تاریخ اسلام، از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، ج:1، ص:788-802)

(2) البداية والنهاية: (235/9)

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا خطبہ

سلیمان بن عبدالملک (1) کا جب کفن دفن ہو گیا تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (2) نے مسجد کا رخ کیا۔ آپ کے ہمراہ لوگ بھی ہو لیے۔ مسجد پہنچ کر منبر کی زینت بنے اور لوگوں کا مجمع ہو گیا۔ پھر یہ تقریر فرمائی:

''لوگو! خلافت کے عہدے میں میری آزمائش ہوئی ہے جبکہ نہ تو میری یہ چاہت ہے نہ کوئی طلب، اور نہ ہی مسلمانوں کی طرف سے کوئی مشورہ ہے۔ تمھاری گردنوں پر جو میری بیعت کا بوجھ ہے، میں اسے اتارتا ہوں۔ تم لوگ اپنے لیے کوئی مناسب خلیفہ منتخب کرلو۔''

یہ سن کر لوگوں کا ہجوم یک زبان ہو کر چیخ اٹھا: ''ہم نے آپ کو چن لیا ہے اے امیر المؤمنین! اور ہم آپ کی خلافت پہ راضی ہیں۔''

جب آوازیں کم ہوئیں تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا اور تقریر کی:

''میں تمھیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ اللہ کے تقویٰ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ اور اپنی آخرت سنوارنے کے لیے اعمالِ صالحہ کرو کیونکہ جو آخرت کا متلاشی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دنیاوی امور کے لیے کفایت کر جاتا ہے۔ اپنے اندرونی معاملات کو درست کرلو، اللہ تعالیٰ تمھارے ظاہری معاملات کی اصلاح فرما دے گا۔ تم میں سے جو کوئی اپنے آباء واجداد میں سے کسی پر فخر کرے گا وہ زندگی ہی میں موت کے شکنجے میں گرفتار ہوگا۔ یہ امت اپنے پروردگار کے معاملے میں کبھی اختلاف کا شکار رہی، نہ اپنے نبی کے بارے میں، اور نہ ہی اپنی کتاب

(قرآن کریم) کے بارے میں۔ بلکہ اس امت کا اختلاف درہم ودینار میں ہوا۔

اللہ کی قسم! میں کسی کو ناجائز طریقے سے نہیں دوں گا اور نہ ہی کسی کا حق ماروں گا۔ اور میں کوئی خازن نہیں ہوں، بلکہ میں وہیں صرف کروں گا جہاں کرنے کا مجھے حق حاصل ہے۔

لوگو! مجھ سے پہلے ایسے خلفا بھی گزرے ہیں جن کے ظلم وطغیانی سے بچنے کے لیے تم ان کی خدمت میں ناپائیدار محبت و الفت کا گلدستہ بطور نذرانہ پیش کرتے تھے۔ (لیکن میری بات سن لو اور) آگاہ ہو جاؤ! اللہ کی معصیت و نافرمانی میں کسی مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔ جو کوئی اللہ کی اطاعت و بندگی بجا لاتا ہے اس کی اطاعت تو لازم ہے لیکن اللہ کی نافرمانی کرنے والے کی اطاعت تو کجا' اس کی حیثیت پر کاہ سے بھی زیادہ نہیں، اس لیے اس کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔ میں تمھارے معاملے میں جب تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجا لاؤں تم میری اطاعت کرنا لیکن جب میں اللہ کی اطاعت چھوڑ دوں تو تم پر میری کسی بھی اطاعت کا حق نہیں۔ میں نے جو کچھ مناسب سمجھا، کہا اور عظیم و برتر اللہ سے اپنے اور تمھارے لیے مغفرت و بخشش کی دعا کرتا ہوں۔"

خطبے سے فارغ ہوئے تو آپ نے زمین کے دھمکنے کی آواز سنی۔

چنانچہ انھوں نے پوچھا:

یہ کیا ہے؟

لوگوں نے جواب دیا:

اے امیر المؤمنین! یہ خلافت کی سواریاں آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے لائی گئی ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا:

مجھے ان سواریوں کی کیا ضرورت ہے۔ میرا خچر لاؤ وہ میری سواری کے لیے کافی ہے۔

---

(1) خلیفہ ولید بن عبدالملک کی وفات پر جمادی الاخریٰ 96ھ میں سلیمان کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی۔ جہادِ قسطنطنیہ کے لیے فوج روانہ کرنے کے بعد سلیمان نے وابق متصل قنسرین میں جہاد کے نتیجے کا انتظار کرتے ہوئے صفر 99ھ میں وفات پائی۔ اس سے پہلے وہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو اپنا جانشین نامزد کر گیا تھا۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں، ج:1، ص:756 تا 763)
امام ابن سیرین کہتے ہیں: ''اللہ سلیمان پر رحم کرے، انھوں نے اپنی خلافت کا آغاز احیائے نماز سے کیا اور اختتام عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ نامزد کرنے پر ہوا۔''
(سیر اعلام النبلاء، ج:5، ص:112)

(2) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بھتیجے اور داماد تھے۔ ان کی والدہ ام عاصم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں۔ ان کے والد عبدالعزیز 21 سال مصر کے گورنر رہے۔ ولید نے عمر بن عبدالعزیز کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔ 99ھ میں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی وفات پر اس کی وصیت کے مطابق عمر رحمہ اللہ نے منصبِ خلافت سنبھالا۔ انھوں نے لوگوں کے غصب شدہ اموال اصل حقداروں کو لوٹا دیے۔ بیت المال کے مصارف کی اصلاح کی اور فدک کا علاقہ اسی طرح بیت المال کے نام کر دیا جس طرح وہ خلفائے راشدین کے عہد میں تھا۔
آپ کی وفات 101 ہجری میں سل کے مرض سے ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کے غلام کو بعض لوگوں نے ہزار دینار دے کر اس کے ہاتھوں آپ کو زہر دلوا دیا۔ آپ جب زہر کے اثر سے بیمار ہوئے تو غلام کو بلا کر پوچھا۔ اس نے زہر پلانے کا اعتراف کیا اور ہزار دینار کی وصولی کے بارے میں بتلایا۔ آپ نے وہ رقم اس سے لے کر بیت المال میں جمع کروا دی اور اس سے کہا: لوگوں کو خبر ہونے سے پہلے پہلے بھاگ جاؤ۔ ورنہ وہ تجھے قتل کر دیں گے۔
(دیکھیے البدایہ والنھایۃ ترجمہ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز: 720-694/12)

تکبر و غرور سے دور رہو!!

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (1) کہتے ہیں: ذکر اذکار کی مجلسوں میں میرے ہاتھ پر ایک لاکھ سے بھی زائد افراد نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور دو سو سے زائد لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ نیز میرے وعظ و نصیحت سے کتنی پتھر نما آنکھوں نے آنسوؤں کے سمندر بہائے جن کا کبھی رونا محال تھا۔

جس آدمی کو یہ انعام و اکرام حاصل ہو جائے، پھر وہ اگر خیر کی امید رکھے تو اس کا یہ حق بجا ہے۔ لیکن بسا اوقات میری آنکھوں کے سامنے خوف کے اسباب رونما ہو جاتے ہیں جو میری کوتاہیوں اور لغزشوں کی نشاندہی کرنے میں تھوڑا سا بھی بخل سے کام نہیں لیتے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں بیٹھا ہوا تھا اور میرے اردگرد بہت سارے افراد اکٹھے تھے۔ ان میں سے ہر آدمی کا دل نرم و گداز ہو گیا تھا یا کم از کم ان کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہہ رہے تھے۔ میں نے یہ منظر دیکھ کر دل ہی دل میں کہا: تمھارا کیا ہوگا جب یہ سارے لوگ نجات پا جائیں گے اور تم خود ہلاکت کے بھنور میں پھنس جاؤ گے؟

یہ سوچتے ہی میں عالم تصور میں چیخ اٹھا: یا الٰہی! میرے آقا و مولیٰ! اگر کل کو تو نے میری قسمت میں عذاب لکھ دیا ہے تو میرے عذاب کے متعلق ان لوگوں کو (جو میری مجلس میں بیٹھے ہیں) مت بتلانا، اپنی شان کی حفاظت کے لیے نہ کہ میرے لیے، تاکہ یہ لوگ یہ نہ کہیں: رشد و ہدایت کی راہ بتلانے والا جہنم رسید ہوا!!

الٰہی! تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ عبداللہ بن اُبی منافق کو قتل کر دیں تو آپ نے فرمایا:

«لَا، يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ»

''نہیں،لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔'' (2)

الٰہی! اپنے فضل وکرم سے میرے بارے میں ان کا اچھا گمان برقرار رکھنا اور انھیں میرے عذاب کے متعلق نہ بتلانا۔

لَا تَبْرِ عُودًا أَنْتَ رَيَّشْتَهُ   حَاشَا لِبَانِي الْجُودِ أَنْ يَنْقُضَا

''(الٰہی!) اپنی تراشیدہ لکڑی کو توڑ مت دینا، کہیں ایسا نہ ہو کہ میری سخاوت کی رسی ٹوٹ کر بکھر جائے۔''

لَا تُعْطِشِ الزَّرْعَ الَّذِي نَبَّتَهُ   بِصَوبِ إِنْعَامِكَ قَدْ رَوَّضَا

''جس کھیتی کو تو نے سینچا اور جو تیری نظرِ کرم کے سامنے سرسبز و شاداب ہوئی، اسے خشک نہ کر دینا۔'' (3)

---

(1) ابن جوزی بغداد میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنے مواعظ کی بدولت جن میں ان کی فصاحت و بلاغت اور ان کے علم نے چار چاند لگا دیے تھے، بڑی شہرت پائی۔ 570ھ میں ابن جوزی نے بغداد کے درب دینار میں ایک مدرسے کی بنیاد رکھی اور وہاں درس دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ اسی سال انھوں نے اپنے مواعظ میں قرآن مجید کی تفسیر بھی پوری کر دی۔ عالم اسلام کے وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مجالس وعظ میں پورے قرآن مجید کی تفسیر کی ہو۔ تصنیف و تالیف سے ابن جوزی کو غیر معمولی شغف تھا۔ انھوں نے تین سو سے زائد کتابیں تصنیف کیں جن میں سے بعض کئی جلدوں پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے جو کتابیں آج موجود و معلوم ہیں ان کی تعداد سو کے قریب ہے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:1)

(2) صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله ﴿سواء علیهم استغفرت لهم﴾، حدیث:4905 و صحیح مسلم، البر و الصلة، باب نصر الاخ ظالما او مظلوما، حدیث:2584

(3) صید الخاطر، ص:217

احادیثِ رسول ﷺ کی تعظیم کا بے مثال نمونہ

امام مالک رحمہ اللہ جب حدیث بیان کرنے کا ارادہ کرتے تو وضو کر کے مسجد کے فرش کے اگلے حصہ پر بیٹھتے، پھر داڑھی میں کنگھی کرتے اور پورے وقار کے ساتھ جلوہ افروز ہو کر حدیثِ رسول بیان کرتے۔

ان سے جب اس سلسلے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: میں احادیثِ رسول ﷺ کی تعظیم کا بے حد خواہاں رہتا ہوں اور بغیر طہارت کے حدیث بیان نہیں کرنا چاہتا۔

امام مالک رحمہ اللہ راستے میں یا کھڑے ہو کر یا جلد بازی میں حدیث بیان کرنا ناپسند کرتے تھے اور فرماتے: ''میں رسول اکرم ﷺ کی احادیث اچھی طرح سمجھ کر بیان کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ بوڑھے اور عمر رسیدہ ہونے کے باوجود مدینۃ الرسول میں سوار ہو کر نہیں چلتے تھے اور فرماتے تھے:

«لَا أَرْكَبُ فِي مَدِينَةٍ فِيهَا جُثَّةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ مَدْفُونَةٌ»

''میں اس شہر میں سواری پر نہیں چڑھ سکتا جس میں رسول اللہ ﷺ کا جسدِ اطہر مدفون ہے۔''(1)

(1) وفیات الاعیان لابن خلکان: 135/4، نیز ملاحظہ ہو تذکرۃ السامع والمتکلم، ص: 31

چغل خور سچا نہیں ہو سکتا

سلیمان بن عبدالملک نے ایک مرتبہ ایک آدمی سے کہا:

مجھے اطلاع ملی ہے کہ تو نے میری برائی بیان کی ہے اور فلاں فلاں بات کہی ہے۔

وہ آدمی گویا ہوا:

میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے۔

سلیمان بن عبدالملک:

مجھے اس بات کی خبر ایک سچے آدمی نے دی ہے۔

اس شخص نے کہا:

چغل خور سچا نہیں ہو سکتا۔

سلیمان بن عبدالملک:

تو نے سچ کہا۔ جاؤ کوئی بات نہیں۔ [1]

(1) مختصر منهاج القاصدين لابن قدامة،ص:181

(((شریعت مطہرہ کی بالادستی)))

شیخ الاسلام امام تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ (1) لکھتے ہیں:

''جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام و مکاشفہ سے نوازا جاتا ہے، ان میں کوئی بھی شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (2) کی ہستی سے افضل و بہتر نہیں ہوسکتا کیونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«لَقَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الأُمَمِ مُحَدَّثُونَ فَإِنْ يَكُنْ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُ»

'تم سے پہلی امتوں میں ایسے لوگ ہوتے رہے ہیں جنھیں الہام سے نوازا جاتا رہا ہے، اگر کوئی ایسا شخص میری امت میں ہے، تو پھر وہ عمر بن خطاب ہیں۔' (3)

اور یہ واضح ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو کئی ایک مسائل میں اپنے پروردگار کی موافقت کا بھی شرف حاصل ہوا لیکن باوجود اس شرف کے انھوں نے ہر مسئلے کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی کسوٹی پر پرکھنا اپنا شیوہ و وتیرہ بنایا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انھوں نے پیش آمدہ مسئلے کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیے بغیر بلا چون و چرا قبولیت کا درجہ دے دیا ہو۔ البتہ اس معاملے میں ہمیشہ ان کو یہ فکر دامن گیر ہوتی تھی کہ کسی بھی صورت میں اللہ اور اس کے رسول کے سامنے ان کا کوئی بھی قول یا فعل سبقت قرار نہ پائے۔ بلکہ ان کے استنباطی مسئلے میں جب کبھی کوئی اختلاف کا پہلو غالب ہوتا تو فوراً سنتِ مطہرہ کی طرف رجوع کرتے۔

بسا اوقات کسی مسئلے کی تحقیق میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی دور اندیش نگاہ

چوک جاتی یا کوئی مسئلہ ان سے مخفی رہ جاتا جس کی تہ تک وہ نہ پہنچتے، تو اس کی وضاحت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل علم صحابہ فرمایا کرتے تھے۔ اور آپ صحابہ کرام کی بیان کردہ توضیح و تعلیم کو بسر و چشم قبول فرماتے تھے جیسا کہ حدیبیہ کے موقعے پر اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن اور مانعینِ زکوٰۃ کے بارے میں صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے فتویٰ جہاد کے وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا تھا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی یہی خصوصیت تھی کہ ایک عورت بھی ان کی بات دلیل کی روشنی میں رد کر دیتی تھی اور الٹا ان پر قرآن سے حجت قائم کر دیتی تھی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بات رد کر کے عورت کی بات قبول کر لیتے جیسا کہ عورتوں کے مہر کے متعلق ایک عورت نے قرآن کے لفظ 'قنطاراً' کے ذریعے سے ان پر حجت قائم کر دی اور حضرت عمر اپنے موقف سے رک گئے۔ اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

لہٰذا کوئی بھی اہلِ الہام و مکاشفہ ہو وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے افضل نہیں ہوسکتا۔ ایسی صورت میں اظہر من الشمس ہے کہ کوئی بھی اہلِ الہام و مکاشفہ اتباعِ کتاب و سنت سے مستغنی نہیں ہوسکتا بلکہ اسے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق قرآن و سنت کی تعلیمات کو مضبوطی سے تھامنا ہوگا اور قرآن و سنت ہی کا راستہ اختیار کرنا ہوگا، ایسا نہیں کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کو اپنے تابع بنانے میں ساری تگ و دو کرنے لگے اور شریعتِ محمدی کی تعلیمات کو قابلِ اعتنا نہ گردانے۔ ایسے ہی لوگوں نے (دین کو سمجھنے میں) غلطی کی، گمراہی کی ڈگر پر جا پڑے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع چھوڑ دی اور اپنے اوپر عائد شرعی امور سے استغنا و بے نیازی برتنے لگے اور اس زعم باطل میں مبتلا ہو

گئے کہ وہ علمِ منقول کی پیروی سے چھٹکارا پا چکے ہیں اور انھیں اس علم کی چنداں ضرورت نہیں۔

چنانچہ ان کا یہ جملہ ان کے درمیان زبانِ زدِ عام ہو گیا:

«أَخَذُوا عِلْمَهُمْ مَيِّتًا عَنْ مَيِّتٍ وَ أَخَذْنَا عِلْمَنَا عَنِ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ»

'انھوں نے (محدثین وفقہاء وغیرہ نے) اپنا علم میت در میت سے حاصل کیا ہے (ایسے ذریعے سے یہ علم منقول ہوا ہے کہ وہ بیان کرنے والا مر جاتا ہے) اور ہم نے اپنا علم اس ذات سے حاصل کیا ہے جس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔'

ایسے جاہلوں سے کہا جائے گا کہ ثقات نے پیغمبر علیہ السلام سے جو کچھ بھی نقل کیا ہے، وہ بالکل حق ہے۔ اگر یہ معصوم پیغمبر سے نقل نہ ہوتی تو تم اور تم جیسے جہلا وحمقا یا تو مشرکین کی صف میں ہوتے یا یہود و نصاریٰ کے زمرے میں۔ اور یہ جو تم اپنے علم کے اکتساب کی بات کرتے ہو تو کیسے معلوم ہوا کہ وہ بھی اللہ کی طرف سے وحی ہے؟ اور یہ کیونکر تمھاری سمجھ میں نہ آیا کہ وہ شیطان کی وحی ہے؟ وحی کی بھی تو دو قسمیں ہیں: ایک وحی رحمٰن کی ہے اور ایک وحی شیطان کی بھی ہوتی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تمہاری نظر سے نہیں گزرا:

﴿وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ﴾

'اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے ذہنوں میں شبہے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔' (الانعام: 121/6)

اور فرمایا:

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي

بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾

'اور اسی طرح ہم نے انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین، ہر نبی کے دشمن بنائے، ان میں سے ہر ایک دوسرے کے کان میں چکنی چپڑی باتیں ڈالتا رہتا ہے تا کہ اسے دھوکے میں رکھے۔' (الانعام:112/6)

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۝ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ﴾

'کیا میں تمھیں بتاؤں کس پر شیاطین نازل ہوتے ہیں؟ وہ ہر جھوٹ گھڑنے والے، گناہ گار پر نازل ہوتے ہیں جو (شیطانوں کی طرف) کان لگاتے ہیں اور ان کے اکثر جھوٹے ہیں۔' (الشعراء:221/26-223)

مختار بن ابوعبید ثقفی (4) بھی اسی قسم میں سے تھا، چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ مختار کہتا ہے کہ اس کے پاس وحی آتی ہے تو انھوں نے فرمایا:

﴿ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ﴾

'اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے ذہنوں میں شبہے ڈالتے ہیں تا کہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔' (الانعام:121/6)

اور جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بتایا گیا کہ مختار کہتا ہے کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے تو انھوں نے فرمایا:

﴿هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۝ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ﴾

'کیا میں تمھیں بتاؤں کس پر شیاطین نازل ہوتے ہیں؟ وہ ہر جھوٹ گھڑنے

والے، گناہ گار پر نازل ہوتے ہیں جو (شیطانوں کی طرف) کان لگاتے ہیں اور ان کے اکثر جھوٹے ہیں۔‘‘[5] (الشعراء:223-221/26)

(1) امام ابن تیمیہ ؒ دمشق کے قریب حوران میں ربیع الاول 661ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ نے مغلوں کے ناجائز مطالبات سے بھاگ کر دمشق میں پناہ لی تھی۔ انھوں نے قرآن، فقہ اور مناظرہ واستدلال میں سن بلوغ سے قبل مہارت حاصل کر لی تھی اور علمائے کبار میں شمار ہونے لگے تھے۔ ابن تیمیہ امام احمد بن حنبل ؒ کے پیرو تھے لیکن وہ ان کی کورانہ تقلید نہ کرتے تھے بلکہ وہ مجتہد کی شان رکھتے تھے۔ وہ بدعت کے سخت دشمن تھے۔ انھوں نے اولیاء پرستی اور مزارات کی زیارت کی شدید مذمت کی۔ تحریر اور تقریر دونوں طریقوں سے انھوں نے متعدد گمراہ فرقوں مثلاً خارجی، مرجئی، رافضی، قدری، معتزلی، جہمی، کرامی اور اشعری وغیرہ سے ٹکر لی۔ اعلائے حق کی خاطر کئی بار قید و بند کی مصیبتوں سے دوچار ہوئے۔ آپ نے عمر بھر شادی نہیں کی۔ آپ کے خاندان کے تمام افراد تیمیہ کی طرف منسوب ہیں۔ تیمیہ آپ کے اجداد میں سے ابوالقاسم الخضر کی عالمہ فاضلہ دادی تھی اور تمام خاندان اسی بزرگ خاتون کی طرف منسوب ہو گیا۔ آپ کی وفات 20 ذوالقعدہ 728ھ میں ہوئی۔

(دیکھیے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:1)

(2) خلیفۂ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کے قبیلہ بنو عدی سے تھا۔ ان کا نسب نبی ﷺ کی آٹھویں پشت میں کعب بن لوی پر جا ملتا ہے۔ انھوں نے 6 نبوی میں چھبیس یا ستائیس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ اپنی ممتاز بیٹی ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی نسبت سے ابوحفص کنیت اختیار کی۔ دورِ جاہلیت میں انھوں نے عراق و شام وغیرہ کے بکثرت سفر کیے تھے اور وہاں کے حکمرانوں سے ملاقاتیں کی تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنا جانشین مقرر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے 13ھ تا 23ھ ایسے عمدہ طریقے سے حکومت کی کہ ان کے بعد اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ان کے عہد میں اسلامی لشکروں نے ساسانی اور بازنطینی سلطنتوں کو فتح کیا اور 22 لاکھ مربع میل پر محیط علاقے اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے۔ فارسی نژاد ابولؤلؤ فیروز نے 27 ذی الحجہ کو انھیں مسجد میں زہر میں بُجھے خنجر سے زخمی کر دیا اور یکم محرم 24ھ کو زخموں کی تاب نہ لا کر وہ شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(اٹلس سیرت نبوی، ص:353-354)

(3) صحیح البخاری، فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حدیث:3689

(4) یہ معرکۂ جسر (عراق) میں شہادت پانے والے سپہ سالار ابوعبید بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کا بیٹا تھا۔ اس نے خونِ حسین رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے دعوے سے ربیع الاول 66ھ میں کوفے میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے گورنر عبداللہ بن مطیع کے خلاف خروج کیا۔ کوفے پر قابض ہو کر مختار نے اپنے علمبردار حلوان، آذربائیجان، مدائن اور موصل کی طرف بھیجے۔ اس دوران میں اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک کرسی ایک تابوت کے اندر جامع مسجد کوفہ میں رکھوا دی جسے ہر شخص نماز پڑھنے کے بعد بوسہ دیتا۔ مختار نے اس کو بنی اسرائیل کے تابوت سکینہ کے مماثل قرار دیا۔ ذی الحجہ 66ھ میں مختار ثقفی کے سپہ سالار ابراہیم بن مالک بن اشتر نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کے گورنر موصل عبیداللہ بن زیاد سے جنگ کر کے اسے قتل کر ڈالا۔ اس لڑائی میں ایک اور شامی سردار حصین بن نمیر بھی مارا گیا۔ عبیداللہ بن زیاد کا سر کاٹ کر جسم جلا دیا گیا۔ مختار نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ اس کے پاس جبریل وحی لاتا ہے۔ آخر کار رمضان 67ھ میں مختار ثقفی مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ میں ہلاک ہوا۔ اس کے ہمراہیوں میں عبیداللہ بن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب بھی مقتول ہوئے۔

(تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، ج:1،ص:691 تا 696)

(5) حافظ ابن تیمیہ کا یہ کلام ان کے فتاوی کے متعدد مقامات پر موجود ہے۔ مگر میں نے اسے صالح محمد الزمام کی کتاب ''نوادر من التاریخ'' (25/1) کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(((ان تین باتوں کا علم نبی کے سوا کسی اور کو نہیں)))

امام بخاری رحمہ اللہ [1] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ [2] سے روایت کرتے ہیں کہ یہودیوں کے بڑے عالم عبداللہ بن سلام [3] کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کی خبر پہنچی تو اس وقت وہ اپنے باغ میں پھل چن رہے تھے۔ وہ سیدھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا:

«إِنِّی سَائِلُكَ عَنْ ثَلاَثٍ لاَ يَعْلَمُهُنَّ إِلاَّ نَبِیٌّ: فَمَا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ؟ وَمَا أَوَّلُ طَعَامِ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ وَمَا يَنْزِعُ الْوَلَدُ إِلٰى أَبِيهِ أَوْ إِلٰى أُمِّهِ؟»

”میں آپ سے تین سوالات کروں گا جن کا جواب کوئی نبی ہی دے سکتا ہے:

1- قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے؟

2- جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟

3- بچہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَخْبَرَنِی بِهِنَّ جِبْرِيلُ آنِفًا»

”ابھی ابھی ان سوالوں کا جواب حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے بتایا ہے۔“

عبداللہ بن سلام نے پوچھا: جبریل؟

آپ نے فرمایا: ہاں، جبریل۔

عبداللہ بن سلام نے کہا:

«ذَاكَ عَدُوُّ الْيَهُودِ مِنَ الْمَلاَئِكَةِ»

”وہ تو فرشتوں میں سے یہودیوں کا دشمن ہے۔“

یہ سن کر نبیٔ کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾

”اگر کوئی جبریل کا دشمن ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ جبریل ہی نے اللہ کے حکم سے یہ قرآن آپ (ﷺ) کے قلب پر اتارا ہے۔“ (البقرۃ:2/96)

پھر نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ، وَأَمَّا أَوَّلُ طَعَامٍ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِ الْحُوتِ وَ إِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ نَزَعَ الْوَلَدُ، وَ إِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ نَزَعَتْ»

”قیامت کی پہلی نشانی یہ ہے کہ ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو مشرق سے گھیر کر مغرب کی طرف اکٹھا کرے گی۔ اور جنتیوں کا پہلا کھانا مچھلی کا جگر ہے (جو بڑا لذیذ ہوتا ہے۔) اور جب مرد کی منی عورت کی منی پر غالب آ جائے تو بچہ اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے، لیکن جب عورت کی منی مرد کی منی پر غالب آ جائے تو بچہ اپنی ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔“

یہ سن کر عبداللہ بن سلام نے کلمۂ شہادت پڑھا:

«أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ»

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔“

پھر انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہود بہتان تراش لوگ ہیں۔ اگر

انھیں معلوم ہو گیا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ مجھ پر بہتان تراشی کریں گے، اس لیے آپ ذرا پہلے ہی میرے بارے میں ان سے پوچھ لیں۔

یہودی جب رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ نے ان سے پوچھا:

«أَيُّ رَجُلٍ عَبْدُاللهِ فِيكُمْ؟»

''تم میں عبداللہ کیسا آدمی ہے؟''

یہودیوں نے جواب دیا:

«خَيْرُنَا وَابْنُ خَيْرِنَا، وَسَيِّدُنَا وَابْنُ سَيِّدِنَا»

''وہ ہم میں سب سے بہتر ہیں اور سب سے اچھے کے صاحبزادے ہیں، ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔''

پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ عَبْدُاللهِ بْنُ سَلَامٍ؟»

''تمھاری کیا رائے ہے اگر عبداللہ بن سلام دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں؟ (تو کیا تم بھی اسلام قبول کر لو گے؟)''

یہودی کہنے لگے:

«أَعَاذَهُ اللهُ مِنْ ذٰلِكَ»

''اللہ انھیں اس سے محفوظ رکھے۔''

اتنے میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو اندر چھپے ہوئے تھے) نکلے اور کلمۂ شہادت پڑھا:

«أَشْهَدُ أَنْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ»

یہودیوں نے جب دیکھا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ دائرۂ اسلام میں داخل

ہو چکے ہیں تو فوراً ہی اپنے موقف سے پلٹ گئے اور کہنے لگے:

«شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا»

''ہم میں سب سے برا اور سب سے برے کا بیٹا۔''

اور ایسے ہی اَناپ شَناپ بکنے لگے۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

«فَهٰذَا الَّذِي كُنْتُ أَخَافُ يَا رَسُولَ اللهِ»

''اے اللہ کے رسول! میں اسی بات سے ڈر رہا تھا۔''(4)

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ﴾

''اے نبی! آپ (ان یہودیوں سے یہ) کہہ دیں: کبھی تم نے سوچا بھی کہ اگر یہ (قرآن) اللہ ہی کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کر دیا (تو تمھارا انجام کیا ہوگا؟) اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس جیسی (کتاب اُترنے) کی گواہی دے چکا، پھر وہ ایمان لے آیا اور تم نے تکبر کیا۔'' (الاحقاف:10/46)

---

(1) امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن مغیرہ بن بردزبہ رحمہ اللہ نامور محدث تھے۔ آپ کی پیدائش شوال 194ھ میں ہوئی۔ امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے مشہور تھے۔ بچپن میں امام بخاری کی آنکھیں جاتی رہی تھیں لیکن ماں کی دعا اور گریہ وزاری کی بدولت بصارت پھر لوٹ آئی۔ حافظہ بلا کا پایا تھا اور ذہانت میں ضرب المثل تھے۔ آپ نے ایک ہزار سے زائد اساتذہ وشیوخ سے حدیث لکھی۔ انھیں ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث ازبر تھیں۔ صحیح البخاری آپ کی معروف ومشہور تالیف ہے۔ سولہ برس کی مسلسل محنت کے بعد صحیح بخاری پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ انھوں نے شوال 256ھ میں خرتنگ کے مقام پر وفات پائی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:4)

(2) انس بن مالک رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابیٔ رسول ہیں۔ انھوں نے دس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات ازراہِ مزاح انھیں یاذالاذنین (اے دو کانوں والے) کہہ کر پکارتے تھے۔ ان کی والدہ معروف صحابیہ ام سُلیم رضی اللہ عنہا تھیں۔ وہ خلافت صدیقی و فاروقی میں بحرین کے عامل رہے۔ انھیں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت تھی، چنانچہ جب بھی وہ آپ کا ذکر کرتے، زاروقطار رو پڑتے تھے۔ انھوں نے 90 سال کی عمر میں بصرہ میں وفات پائی۔ ان کی وفات پر مُوَرِّق عِجلی نے کہا: آج دنیا سے آدھا علم رخصت ہوگیا ہے۔

(3) عبداللہ بن سلام بن حارث رضی اللہ عنہ یوسف بن یعقوب علیہما السلام کی اولاد میں سے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں آپ کا نام حصین تھا۔ جب آپ مشرف بہ اسلام ہوئے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ نام رکھا۔ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ ہجرت کر گئے تو عبداللہ بن سلام آپ کو دیکھنے کے لیے نکلے۔ آپ کے سراپے پر نظر پڑتے ہی بے اختیار پکار اٹھے: اللہ کی قسم! یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلے انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا: سلام کو عام کرو، لوگوں کو کھانا کھلاؤ، رشتے داری کو ملاؤ، رات کو جب لوگ آغوش نیند میں ہوں تو نماز پڑھو۔" عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے 34ھ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ، ج:3)

(4) صحیح البخاری، التفسیر، باب من کان عدوا لجبریل، حدیث:4480

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذہانت کا امتحان

شاہِ روم ہرقل نے حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما[1] کو چند سوالات لکھ بھیجے کہ ان کا جوب دو:

1- وہ کون سی شے ہے جس سے ہر شے ہے، اور وہ کون سی شے ہے جو لا شے (کچھ نہیں) ہے؟

2- چار چیزیں ہیں جن میں روح تو ہے لیکن ان چاروں کا وجود ماں کے رحم اور باپ کی پیٹھ میں نہیں تھا؟

3- وہ کون تھے جن کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی؟

4- اس آدمی کا کیا نام ہے جس کی پیدائش بغیر ماں کے ہوئی؟

5- قوس قُزح[2] کیا چیز ہے؟

6- وہ کون سا درخت ہے جو بغیر پانی کے اگتا ہے؟

7- وہ کونسی چیز ہے جو سانس تو لیتی ہے لیکن اس کے اندر روح نہیں ہوتی؟

8- آج، گزشتہ کل، آئندہ کل اور آئندہ کل کے بعد......؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سوالات پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما[3] کا جواب پا کر ہرقل کو لکھا:

1- وہ شے جس سے ہر شے ہے، پانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَىْءٍ حَىٍّ ﴾

''اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی۔'' (الانبیاء:30/21)

اور وہ شے جو لا شے (کچھ بھی نہیں) ہے، وہ دنیا ہے جو ختم ہونے والی اور

زوال پذیر ہے۔

2- وہ چار چیزیں جن میں روح تو ہے لیکن ان کا وجود ماں کے رحم اور باپ کی پیٹھ میں نہیں تھا، یہ ہیں:

ا۔آدم علیہ السلام، ۲۔حوا علیہا السلام، ۳۔صالح علیہ السلام کی اونٹنی، ۴۔اسماعیل علیہ السلام کا مینڈھا

3- حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی۔

4- حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش بغیر ماں کے ہوئی۔

5- قوس قزح اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو غرقاب ہونے سے ''امان'' ہے۔

6- بغیر پانی کے اگنے والا درخت ''یقطین'' ہے جسے اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کے اوپر اگایا تھا۔ (4)

7- وہ چیز جو سانس تو لیتی ہے مگر اس کے اندر روح نہیں ہے، وہ صبح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ﴾

''اور قسم ہے صبح کی جب کہ اس نے سانس لیا۔'' (التکویر: 18/81)

8- جہاں تک آٹھویں سوال کا تعلق ہے تو آج عمل ہے، گزشتہ کل مثال ہے، آئندہ موت ہے، اور آئندہ کل کے بعد مشکل الحصول آرزو اور امید ہے۔

---

(1) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور والدہ کا نام ہند بن عتبہ رضی اللہ عنہا تھا۔ آپ کا شجرۂ نسب پانچویں پشت پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ ان کا خاندان بنوامیہ زمانۂ جاہلیت سے قریش میں معزز و محترم مانا جاتا تھا۔ وہ قبول اسلام کے بعد حنین اور طائف کے غزوات میں شریک رہے اور اسی زمانے میں کتابت وحی کے جلیل القدر منصب پر فائز ہوئے۔ خلافت فاروقی میں وہ دمشق کے حاکم رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تجربہ کاری کے پیش نظر انھیں سارے شام کا والی بنا دیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے مدبر، کامیاب سیاستدان اور لائق منتظم

تھے۔ انھوں نے ملک کے تمام اہم مرکزوں میں قلعے اور چھاؤنیاں قائم کیں۔ ان قلعوں کے علاوہ مستقل شہر آباد کیے گئے۔ انھوں نے اسلامی بیڑے کو ترقی دی اور مصر و شام کے ساحلی علاقوں میں جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے۔ آپ بیس سال مسند خلافت پر متمکن رہے۔ انھوں نے رجب 60ھ میں 78 سال کی عمر میں وفات پائی۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:21۔ اسد الغابہ، ج:5)

(2) ست رنگی کمان جو برسات کے دنوں میں آسمان پر دکھائی دیتی ہے۔ سائنسی ماہرین کہتے ہیں کہ بارش یا آبشار کی پھوار کے قطروں میں سے سورج کی شعاعوں کا انعطاف اس کا سبب ہے۔

(3) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کے چچا زاد اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ وہ شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے تھے۔ نبی ﷺ نے انھیں اپنے لعاب کی گھُٹّی دی۔ اُنھوں نے نبی ﷺ کے پاس جبریل کو دیکھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما مفسر قرآن، راویٔ حدیث، خلفائے ثلاثہ کے فیصلوں کے رمز آشنا، فقیہ، شعر و ادب کے شناور اور حساب و فرائض اور ایام عرب کے عالم تھے۔ اس بنا پر وہ حبر الامّت کہلائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں بصرہ کا گورنر مامور کیا۔ وہ جنگ صفین میں خلیفۂ چہارم کے ہمراہ تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما 68ھ میں طائف میں وفات پا گئے۔

(اسد الغابہ، ج:3، ص:290-294)

(4) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَأَنۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّن يَقْطِينٍ﴾ ''اور ہم نے یونس علیہ السلام پر سایہ کرنے والا ایک بیل دار درخت اگا دیا۔'' (الصافات: 146/37) یَقْطِین ''ہر اس بیل کو کہتے ہیں جو اپنے تنے پر کھڑی نہیں ہوتی جیسے لوکی اور کدو وغیرہ کی بیل۔

سخاوت میں بڑا کون!

کسی نے حاتم طائی (1) سے پوچھا:

«هَلْ غَلَبَكَ أَحَدٌ فِي الْكَرَمِ؟»

''کیا کبھی ایسا ہوا کہ کوئی شخص جود وسخا میں آپ پر سبقت لے گیا ہو؟''۔

حاتم طائی نے جواب دیا: ہاں، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مجھے قبیلۂ طے کے ایک یتیم کے گھر ٹھہرنے کا موقع ملا۔ اس کے پاس دس بکریاں تھیں۔ اس نے میری مہمانی کی خاطر ایک بکری ذبح کی اور دسترخوان پر میرے آگے اس کا مغز پیش کیا۔ مجھے مغز کا وہ حصہ بہت ہی لذیذ لگا اور میں نے کھانے کے ساتھ ہی کہا:

«طَيِّبٌ وَاللهِ». ''واللہ! یہ کس قدر لذیذ ہے''۔

یتیم لڑکے نے جب میری زبان سے یہ الفاظ سنے تو اس نے ایک ایک کر کے ساری بکریوں کو ذبح کر کے ان کا مغز میرے آگے پیش کر دیا۔ مجھے اس کا علم نہیں تھا کہ میری خاطر اپنی ساری بکریاں ذبح کر دی ہیں۔ جب میں واپسی کے لیے اس کے گھر سے نکلا تو میری نگاہ گھر کے اردگرد پھیلے خون پر پڑی۔ میں نے دیکھا کہ اس نے بکریوں کو ان کی رسیوں سمیت ہی ذبح کر ڈالا ہے۔ میں نے اس یتیم سے مخاطب ہو کر کہا:

«لِمَ فَعَلْتَ ذَلِكَ؟»

''تم نے ان ساری بکریوں کو کیوں ذبح کر ڈالا''۔

وہ کہنے لگا:

«يَا سُبْحَانَ اللهِ! تَسْتَطِيبُ شَيْئًا أَمْلِكُهُ فَأَبْخَلَ عَلَيْكَ بِهِ، إِنَّ ذَلِكَ لَسُبَّةٌ عَلَى العَرَبِ قَبِيحَةٌ!»

''سبحان اللہ! آپ (جیسے میرے مہمان) کوکوئی ایسی چیز اچھی لگے جو میرے قبضے میں ہو، اور میں بخل سے کام لے کر آپ سے اسے روک رکھوں؟ یہ تو عربوں کی شان میں ایک گستاخی اور عیب ہوگا!''۔

حاتم طائی سے پوچھا گیا:«فَمَا الَّذِي عَوَّضْتَهُ؟».

''پھر آپ نے بطورِ عوض اس یتیم لڑکے کو کیا دیا؟''۔

حاتم طائی نے کہا: میں نے اس یتیم کو تین سو سرخ اونٹنیاں اور پانچ سو بکریاں دیں۔

یہ سن کر لوگوں نے حاتم طائی سے کہا:''أنت إذاً أكرم منه''.

''پھر تو آپ اس سے زیادہ سخی ہوئے''۔

حاتم طائی نے ان کے جواب میں کہا:

«بَلْ هُوَ أَكْرَمُ، لِأَنَّهُ جَادَ بِكُلِّ مَا يَمْلِكُهُ، وَإِنَّمَا جُدْتُ بِقَلِيلٍ مِنْ كَثِيرٍ»

''نہیں، بلکہ وہ یتیم مجھ سے زیادہ سخی تھا۔ کیونکہ اس نے اپنی ملکیت میں موجود سب کچھ سخاوت کر دی؛ جبکہ میں نے اپنی ملکیت کا ایک چھوٹا سا حصہ دیا''۔(2)

---

(1) اس کا نام حاتم بن عبداللہ بن سعد بن الحشرج الطائی القحطانی ہے۔ یہ نجد کا رہنے والا تھا۔ نہایت بہادر اور دلیر تھا۔ شعر و شاعری سے خاصی دلچسپی تھی۔ جود و سخا میں اس کی مثال نایاب تھی۔ حاتم طائی کا نام زبان پر آتے ہی ایک عظیم اور بے مثال سخی کا تصور لوگوں کے ذہن و دماغ میں ابھر آتا ہے۔ اس کی وفات رسول اکرم ﷺ کی ولادت کے آٹھویں سال ہوئی۔

[دیکھئے: علامہ زرکلی کی کتاب: الأعلام (151/2)]

(2) المستجاد للتنوخی (ص:203)۔

(((عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی کرامت)))

ساریہ بن زنیم الدولی اپنے لشکر کے ساتھ فسا اور دار اَبجرد نامی دو شہروں کو فتح کرنے کے ارادے سے نکلے۔ وہاں پہنچنے کے بعد دشمنوں نے لشکرِ اسلامی کو دعوتِ مبارزت دی۔ یکا یک دشمنوں نے مجاہدین کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں تھے۔ادھر جنگ جاری تھی اور مسلمان دشمنوں کے نرغے میں تھے۔آپ نے دورانِ خطبہ کہا:

«يَا سَارِيَةَ بْنِ زُنَيْمٍ! الجَبَلَ الجَبَلَ»

''ساریہ بن زنیم! پہاڑ کے دامن کو لازم پکڑو، پہاڑ کے دامن کو لازم پکڑو''۔

حاضرین امیر المومنین کی اس بات کا مفہوم نہیں سمجھ سکے۔مجاہدین کے قریب ہی ایک پہاڑ تھا، جہاں پناہ گزیں ہو کر وہ دشمنوں سے مقابلہ بآسانی کر سکتے تھے۔ امیر المومنین کا یہ جملہ وہاں گونج رہا تھا جہاں مجاہدین دشمنانِ اسلام سے برسرِ پیکار تھے۔یکا یک ساریہ بن زنیم اپنے لشکر کو لے کر پہاڑ کے دامن میں چلے گئے اور مجاہدین کی صف آرائی کر کے دشمنوں سے جنگ شروع کر دی۔ پہاڑ چونکہ مجاہدین کو کئی طرف سے محفوظ کر دیا تھا۔ اس لیے مجاہدین کو مقابلہ میں آسانی ہو گئی تھی۔ چنانچہ مجاہدین نے جم کر حملہ کیا اور اللہ کے فضل سے دشمنوں کو شکست فاش سے دوچار کر دیا۔

جنگ ختم ہونے کے بعد لشکرِ اسلامی کو بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔اس میں ایک سنگاردان تھا جس میں ایک قیمتی پتھر کا نگ لگا ہوا تھا۔ساریہ بن زنیم نے مجاہدین کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ کیوں نہ یہ سنگاردان امیر المومنین کو بطورِ ہدیہ بھیج دیا جائے۔ چنانچہ مجاہدین نے بخوشی اس تجویز کو مان لیا اور اسے امیر المومنین کو دینے کے لیے

راضی ہوگئے۔ چونکہ اس سنگاردان کے اصل مستحق تو وہی مجاہدین تھے۔ ساریہ بن زنیم نے وہ سنگاردان ایک آدمی کو دے کر فتح کی خوشخبری دینے کے لیے امیر المومنین کی خدمت میں بھیجا۔ ساریہ بن زنیم نے پیغامبر سے کہا: جاؤ اور امیر المومنین تک مدینہ منورہ پہنچنے میں جتنا مال چاہیے اور جتنا مال تمہارے اہل وعیال کے اخراجات کے لیے چاہیے اتنا کہیں سے بطورِ قرض لے لو۔

وہ پیغامبر بصرہ پہنچا اور لوگوں سے حسبِ ضرورت قرض لیا اور امیر المومنین کی خدمت میں مدینہ منورہ کو روانہ ہوگیا۔ مدینہ پہنچا تو دیکھا کہ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے ہیں۔ کھانا کھلانے کے بعد جب امیر المومنین گھر جانے لگے تو وہ پیغامبر بھی ساتھ ہولیا۔ گھر پہنچ کر بیٹھے تو دسترخوان چنا گیا۔ کھانے میں روٹی، زیتون، نمکین دلیا تھا۔ دونوں نے کھانا تناول کیا۔ کھانے کے بعد پیغامبر نے کہا:

«أَنَا رَسُولُ سَارِيَةَ بْنِ زُنَيْمٍ يَا أَمِيرَ المؤمِنِينَ».

''امیر المومنین! میں ساریہ بن زنیم کا پیغامبر ہوں''۔

امیر المومنین نے سنتے ہی پرتپاک انداز میں اسے خوش آمدید کہا۔ اور اسے بہت قریب کر کے اپنے پاس بیٹھا لیا۔ اس کے بعد امیر المومنین نے اس سے مسلمانوں کے احوال پوچھے۔ اس نے امیر المومنین کو مجاہدین کے حالات بتائے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے ساریہ بن زنیم کی خیریت دریافت کی۔ اس نے ان کے حالات سے بھی آپ کو آگاہ کیا۔ پھر اس نے آپ کی خدمت میں ساریہ بن زنیم کا بطورِ تحفہ بھیجا ہوا سنگاردان پیش کیا۔

تحفہ دیکھتے ہی امیر المومنین کا تیور بدل گیا اور زوردار آواز میں کہنے لگے:

«لاَ، لاَ كَرَامَةَ حَتَّى تَقْدَمَ عَلَى ذَلِكَ الجُنْدِ، فَتَقْسِمَهُ بَيْنَهُمْ»

''مجھے یہ تحفہ نہیں چاہیے، اس کا حق یہ ہے کہ تم لشکرِ اسلامی کے پاس جاؤ اور اسے ان مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دو''۔

یہ کہہ کر امیر المومنین نے تحفہ لینے سے انکار کر دیا اور پیغامبر کو واپس جانے کو کہا۔

پیغامبر کہنے لگا: امیر المومنین! میں اپنے اس اونٹ پر دور سے سفر کر کے آپ کی خدمت میں پہنچا ہوں، یہ اونٹ بری طرح تھک گیا ہے اور ساتھ ہی میں نے یہاں آنے کے لیے کچھ مال بھی قرض لیا ہوا ہے، اس لیے آپ میری سواری کا بندوبست کر دیں اور مجھے اتنا مال بھی دے دیں جس سے میں اپنے دیار میں واپس ہو سکوں۔

امیر المومنین نے دیکھا کہ پیغامبر اصرار کے ساتھ تقاضا کرتا جا رہا ہے تو آپ نے صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ اسے دے دیا اور ساتھ ہی اس کا اونٹ لے کر صدقہ کے دیگر اونٹوں میں شامل کر دیا۔ پیغامبر کو جب امیر المومنین کی جانب سے کچھ ہاتھ نہیں آیا تو وہ غصے کی حالت میں بصرہ واپس گیا۔

مدینہ میں پیغامبر سے ساریہ بن زنیم اور فتح کے بارے میں پوچھا گیا کہ فتح کے دن تم نے کوئی بات سنی تھی؟ پیغامبر نے کہا:

«نَعَمْ، سَمِعْنَا: يَا سَارِيَةُ! الْجَبَلَ الْجَبَلَ، وَقَدْ كِدْنَا نَهْلِكُ، فَلَجَأْنَا إِلَيْهِ، فَفَتَحَ اللهُ عَلَيْنَا»

''ہاں، ہم نے یہ سنا تھا: اے ساریہ! پہاڑ کے دامن میں، پہاڑ کے دامن میں۔ ہم دشمنوں کے نرغے میں ہلاک ہو جانے والے تھے مگر جب ہم نے آواز سن کر پہاڑ کے دامن میں جا کر لڑائی کی تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح و کامیابی سے نوازا'' (1)۔

---

(1) دیکھیے: تاريخ الطبرى (554/2)، البداية والنهاية (130/7)، حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: اس کی سند حسن اور جید ہے۔

((طبیب ہی نے تو مجھے بیمار کیا ہے))

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ[1] عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ[2] کی عیادت کو تشریف لے گئے جو مرض الموت میں مبتلا تھے۔ حضرت عثمان نے پوچھا: کس بات کا شکوہ ہے؟

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: اپنے گناہوں کا۔

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: کیا خواہش ہے؟

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: پروردگار کی رحمت کی۔

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: کس چیز کا خوف ہے؟

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: عذابِ الٰہی کا۔

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: آپ کے لیے طبیب بلا کر لاتے ہیں؟

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

«أَمْرَضَنِي الطَّبِيبُ»

''طبیب (اللہ) ہی نے تو مجھے بیمار کیا ہے''۔

پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تلاوت فرمائی:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾

''اس سرزمین پر جو کچھ بھی ہے' فنا ہو جانے والا ہے''۔ (الرحمٰن:26)

﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا﴾

''کہہ دیجیے کہ ہمیں کوئی مصیبت پیش نہیں آ سکتی مگر جو اللہ نے ہماری قسمت میں لکھ دی ہے''۔ (التوبہ:51)

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: ہم آپ کو کچھ عطیہ نہ دیں؟

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: جب ضرورت تھی آپ نے روک رکھا اور اس وقت دیں گے جب کہ میں بے نیاز ہوں۔

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: یہ عطیہ آپ کے بعد آپ کی لڑکیوں کے کام آئے گا؟

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: اس عطیے کی میری بیٹیوں کو کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے انھیں ان کے پروردگار کے حوالے کر دیا ہے، وہی ان کی نگہداشت کرنے والا ہے!!(3)

---

(1) خلیفۂ ثالث عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بنو اُمّیہ سے تھے۔ عبد مناف پر ان کا سلسلۂ نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔ یہ ہجرت سے 47 سال پہلے پیدا ہوئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیاں رقیّہ اور اُم کلثوم رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں بئر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کیا۔ وہ 24ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر خلیفہ منتخب ہوئے۔ انھوں نے عہد صدیقی میں قرآن کے مدون شدہ نسخے کی نقلیں تمام ممالک اسلامیہ میں بھجوائیں اور دیگر نسخے تلف کرا دیے۔ یوں ساری امت کا ایک قرآن پر اتفاق ہوگیا۔ ان کے عہد میں طرابلس، قبرص، طبرستان، طخارستان (شمالی افغانستان)، کرمان، زابلستان (غزنہ)، خراسان اور سیستان فتح ہوئے۔ 27ھ میں عبداللہ بن نافع نے اسپین پر حملہ کیا۔ 32ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیصر روم کے بیڑے کو شکست دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سبائی فتنے کے نتیجے میں 18 ذوالحجہ 35ھ کو شہید کر دیا گیا۔
(تاریخ اسلام۔ شاہ معین الدین ندوی ص 217-259)

(2) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے والا میں چھٹا آدمی ہوں۔ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مکہ میں قرآن مجید کی جہری تلاوت کی۔ آپ نے دو مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں بھی آپ شامل تھے۔ آپ نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور تمام غزوات میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی۔ معرکہ بدر میں ابوجہل کا سر آپ نے کاٹا تھا اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جنت کی بشارت دی تھی۔ انھوں نے 32ھ میں مدینے میں انتقال کیا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 60 سال سے زائد تھی۔ (اسد الغابہ، ج:5)

(3) دیکھئے کتاب: أنیس المؤمنین' إعداد و تقدیم : صفوان سعد الله المختار.

(((ابھی تک بخاری ہی پڑھ رہے ہو؟!)))

مغربی تہذیب وتمدن سے مرعوب ایک شخص ایک طالبِ علم کے پاس سے گزرا جو بخاری شریف کا مطالعہ کر رہا تھا۔

اس نے طالب علم کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

لوگ چاند پر پہنچ چکے ہیں اور تم ابھی تک بخاری ہی پڑھ رہے ہو۔

طالب علم نے جواب دیا:

تم نے نہ تو بخاری شریف پڑھی اور نہ ہی چاند پر گئے، پھر خود ہی بتاؤ ہم میں سے افضل کون ہے؟

(((لشکرِ اسلامی کو ایک نصیحت)))

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ اپنے لشکر کو نصیحت فرماتے ہوئے فرمایا تھا:

"کبھی اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر مت کہنا کہ ہمارا دشمن شر میں ہم سے بڑھا ہوا ہے، اس لیے ہم پر وہ مسلط نہیں ہو سکتا کیونکہ بہت سی قومیں ایسی گزری ہیں جن پر ایسے لوگ مسلط ہو گئے جو شر میں ان سے بڑھے ہوئے تھے، مثال کے طور بنی اسرائیل پر مجوسی کافروں کا تسلط ہو گیا تھا"۔(1)

(1) عظماء نا فی التاریخ، ص:146

(((امیر المؤمنین کی وراثت سے چولھا بھی نہ جل سکا!!)))

مسلمہ بن عبد الملک[1] اپنے بہنوئی امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کے مرض الموت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے امیر المؤمنین! آپ نے اس مال سے اپنے بچوں کو محروم کر دیا ہے اور انھیں فقر و فاقہ کی حالت میں چھوڑ کر رخصت ہو رہے ہیں، حالانکہ ان بچوں کے پاس کچھ مال کا ہونا از حد ضروری ہے جو ان کے خورد و نوش کا ذریعہ بن سکے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ مجھے یا اپنے خاندان کے کسی آدمی کو ان بچوں کی دیکھ بھال اور ان کی کفالت کی وصیت کر جاتے۔ آپ کا چھوڑا ہوا مال ان بچوں کو کفایت کرتا!

امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، اور مجھے بھی اٹھا کر بٹھاؤ اور میرے بچوں کو میرے پاس بلاؤ۔ لوگوں نے عمر بن عبدالعزیز کے بچوں کو ان کی خدمت میں حاضر کیا جن کی تعداد ان دنوں بارہ تھی۔

امیر المؤمنین اپنے ان بارہ لڑکوں کی طرف نگاہ اوپر نیچے کر کے دیکھنے لگے۔ اتنے میں ان کی دونوں آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ پھر فرمایا:

"میرے پیدا کرنے والے کی قسم! میں نے اپنے جگر گوشوں کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ ان کے پاس کچھ بھی مال نہیں ہے۔ میرے بیٹو! میں نے تمھیں اللہ کی طرف سے خیر اور بھلائی ہی میں چھوڑا ہے۔ کوئی بھی مسلمان یا معاہد ایسا نہیں ہے جس کے پاس سے تمھارا گزر ہو اور اس کا تم پر کوئی واجبی حق ہو۔ میرے بیٹو! میری دو رائیں ہیں: یا تو تم دنیاوی فقر و فاقہ اختیار کر لو، یا دنیا کے ناز و نعم اختیار کر کے اپنے باپ کو جہنم کا ایندھن بنا دو۔ تم لوگوں کا دنیا میں آخر دم تک فقر و محتاجی کی حالت

میں زندگی گزارنا تمھارے باپ کے صرف ایک دن جہنم کی آگ میں داخل ہونے سے بہتر ہے۔ میرے بیٹو! اب تم جاسکتے ہو ۔ اللہ تعالیٰ تمھاری نگرانی کرے گا اور وہی تمھیں روزی دے گا۔"

مسلمہ بن عبدالملک کا بیان ہے: اس کے بعد امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کے بچوں میں سے کوئی بھی فقر ومحتاجی کا شکار نہ ہوا، بلکہ سبھوں کو اللہ تعالیٰ نے نعمت سے نوازا اور سبھوں نے خوش وخرم زندگی گزاری۔

(1) مروان بن حکم کا پوتا مسلمہ بن عبدالملک صائب الرائے، شیر دل امیر اور قائدِ جیوش تھا۔ اس نے قسطنطنیہ کا جہاد کیا۔ اس کے بھائی یزید بن عبدالملک نے اسے پہلے عراق اور پھر آرمینیا کا والی بنایا۔ 109ھ میں مسلمہ نے ترکستان اور سندھ میں جہاد کیا۔ اس کا انتقال 120ھ میں ہُوا۔ وہ اپنے بھائیوں میں سے خلافت کا سب سے زیادہ حقدار تھا۔
(سیر اعلام النبلاء، ج:5،ص:241)

مخلوق خدا سے نرمی

ایک دفعہ مصعب بن زبیر[1] نے ایک آدمی کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

مقتول نے کہا: قیامت کے دن وہ کیسا خطرناک منظر ہوگا، جبکہ میں اپنی جگہ کھڑا ہوکر تیری یہ حسین صورت اور تیرا یہ چمکتا دمکتا چہرہ دیکھوں گا۔ پھر تیرا دامن پکڑ کر پروردگار کے دربار میں عرض کروں گا:

میرے رب! تو مصعب سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟

یہ سن کر مصعب بن زبیر نے تھوڑی دیر اپنا سر جھکائے رکھا اور حکم دیا: اس کو قید سے آزاد کر دو۔

جب وہ آدمی آزاد کر دیا گیا تو اس نے عرض کی: امیر محترم! جب آپ نے میری جاں بخشی کا حکم دے ہی دیا تو گزارۂ زندگی کا بھی بندوبست کر دیں تاکہ آرام کی زندگی گزار سکوں۔

مصعب بن زبیر نے کہا: جا میں نے تجھے ایک لاکھ درہم عطیہ بھی دیا۔

---

(1) صحابیٔ رسول زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے بیٹے مصعب اشجع العرب، دلیر گھڑ سوار اور وجیہ تھے۔ وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے عراق میں پانچ سال گورنر رہے۔ سکینہ بنت حسین، عائشہ بنت طلحہ اور عبداللہ بن عامر کی ایک بیٹی ان کی زوجیت میں تھیں۔ مصعب نے دجال مختار ثقفی کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ جمادی الاولیٰ 72ھ میں مصعب بن زبیر اور عبدالملک بن مروان کے مابین دیر جاثلیق (نزد بغداد) میں شدید جنگ ہوئی۔ عبدالملک نے مصعب کو امان کی پیشکش کی مگر انھوں نے انکار کیا اور لڑتے لڑتے جاں بحق ہو گئے۔

(سیر اعلام النبلاء، جلد:4، ص:140 تا 143)

(((دنیا و آخرت کی کامیابی)))

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (1) فرماتے ہیں:

جس شخص کو چار خصلتیں نصیب ہوگئیں، اس نے دنیا و آخرت کی بھلائیاں پالیں اور پوری طرح کامیابی اس کو میسر ہوگئی:

1- «وَرَعٌ يَعْصِمُهُ عَنْ مَحَارِمِ اللهِ»

''تقویٰ جو اسے اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچائے۔''

2- «حُسْنُ خُلُقٍ يَعِيشُ بِهِ النَّاسَ»

''حسن اخلاق جس کے ذریعے سے وہ لوگوں کے ساتھ بود و باش اختیار کرے۔''

3- «حِلْمٌ يَدْفَعُ بِهِ جَهْلَ الْجَاهِلِ»

''حلم و بردباری جس کے ذریعے سے وہ نادان کی جہالت وحماقت دور کرے

4- «زَوْجَةٌ صَالِحَةٌ تُعِينُهُ عَلَى أُمُورِ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ»

''نیکوکار بیوی جو دنیوی و اخروی امور میں اس کی مدد کرے۔'' (2)

---

(1) امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو آپ کی زوجیت میں دے کر آپ کو داماد کے رشتہ سے بھی مشرف کیا۔ آپ کے بھائیوں میں طالب، عقیل اور جعفر رضی اللہ عنہما تھے جو آپ سے بڑے تھے۔ چاروں بھائیوں کی عمروں میں دس دس سال کا فاصلہ تھا۔ آپ کی دو بہنیں تھیں جن کا نام ام ہانی اور جمانہ تھا۔ یہ تمام اولادیں فاطمہ بنت اسد کے بطن سے تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ چہارم ہیں' آپ نے دس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ بچوں میں سب سے پہلے آپ ہی مسلمان ہوئے۔

(2) دیکھئے: نوادر من التاریخ: (90/1)

(((اللہ اللہ! صدقہ وخیرات کا یہ جذبہ!!)))

ایک اعرابی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے کچھ مانگا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! رات کی خوراک سے بچی ہوئی بھی کوئی چیز میرے گھر میں نہیں ہے (چہ جائیکہ کوئی دوسری چیز ہو جو میں تجھے دوں۔) اعرابی یہ کہتا ہوا واپس ہوا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ ضرور قیامت کے دن تجھ سے میرے اس سوال کے متعلق پوچھے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اعرابی کی بات پر زار و قطار رونے لگے اور اسے واپس بلانے کا حکم دیا۔ جب وہ آ گیا تو آپ نے اپنے غلام سے فرمایا: اے قنبر! میری زرہ لاؤ۔ قنبر زرہ لایا اور آپ نے زرہ اعرابی کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا: دیکھنا کوئی اس کی قیمت میں تجھے دھوکا نہ دے۔ میں نے کئی دفعہ اس زرہ کے ذریعے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے حملوں کو روکا ہے۔

قنبر نے عرض کیا:

اے امیر المؤمنین! اس اعرابی کو بیس درہم کفایت کر جائیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے قنبر! اللہ کی قسم! مجھے اس بات سے خوشی نہیں ہوتی کہ میرے پاس دنیا کی زینت یعنی سونے چاندی کا انبار ہو اور میں اسے صدقہ وخیرات میں لٹا دوں، پھر اللہ تعالیٰ میرے اس صدقہ وخیرات کو قبول بھی کر لے لیکن مجھ سے قیامت کے روز اس اعرابی کے میرے سامنے کھڑے ہونے کے متعلق پوچھ بیٹھے!!(1)

(1) نوادر من التاریخ: (82/1)، تالیف: صالح محمد الزمام۔

چغل خور کی دال گلنے سے رہی

ابن قتیبہ بیان کرتے ہیں کہ حاتم طائی اور اوس بن حارثہ کے درمیان بڑی پکی اور خوشگوار دوستی تھی۔ دو دوستوں کے مابین جس لطف و کرم اور اخوت اور بھائی چارے کا تصور کیا جا سکتا ہے، وہ ان دونوں دوستوں میں بدرجہ اُتم موجود تھا۔

نعمان نامی ایک شخص نے اپنے ہم نشینوں سے کہا: میں ضرور بالضرور حاتم طائی اور اوس بن حارثہ کی اس دوستی میں رخنہ ڈال دوں گا، چنانچہ پہلے وہ اوس کی خدمت میں حاضر ہوا اور یوں گویا ہوا: حاتم طائی تو اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ خود کو آپ سے افضل سمجھ بیٹھا ہے!

اوس بن حارثہ نے جواب دیا: اگر میں حاتم کی فضیلت تسلیم نہ کروں تو میری رات لعنت و ملامت میں بسر ہو۔ اس نے سچ کہا۔ بلاشبہ وہ مجھ سے افضل ہے، اگر میں، میرا بچہ اور میری بیوی حاتم پر قربان ہو جائیں تو یہ ہماری خوش قسمتی ہوگی۔

پھر نعمان وہاں سے حاتم طائی کے پاس آیا اور اس سے بھی وہی کچھ کہا جو اوس بن حارثہ سے کہا تھا۔

حاتم طائی گویا ہوا: اوس بن حارثہ اپنی بات میں سو فیصد سچا ہے، بھلا میں اوس کے درجے کو کب پہنچ سکتا ہوں؟! اس کے دس لڑکوں میں سب سے ادنیٰ حیثیت والا بھی مجھ سے افضل ہے۔ نعمان نے جب دونوں کی باتیں سن لیں تو پکار اٹھا:

«مَا رَأَيْتُ أَفْضَلَ مِنْكُمَا وَ كَفَيْتُمُ الْعَرَبَ فَخْرًا»

''میں نے تم دونوں سے بہتر کسی کو نہیں پایا۔ عربوں کے فخر کے لیے تم دونوں کافی ہو۔''

(((سپہ سالار کے پرچم کی نیک شگونی)))

مورخین نے لکھا ہے کہ حاجب المنصور ابن ابی عامر اندلسی [1] جب کسی جنگ میں جانے کا ارادہ کرتا تو قرطبہ کی جامع مسجد میں اپنا جھنڈا بلند کرتا اور مسجد ہی سے میدانِ جنگ کے لیے روانہ ہوتا۔

ایک مرتبہ اس نے کسی جنگ میں شرکت سے قبل جھنڈا نصب کرنے کے لیے جامع مسجد کا رخ کیا۔

اتفاق سے اس وقت اس کے ہمراہ علماء و قضاۃ اور دیگر اربابِ حکومت بھی موجود تھے۔ جب جھنڈا تھامنے والے نے اسے بلند کیا تو جھنڈا جامع مسجد کے فانوس سے جا ٹکرایا۔ فانوس جھنڈے پر گرا اور ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے جھنڈا تیل سے تر بتر ہو گیا۔

حاضرین نے اس حادثے سے بدشگونی لی جس کے سبب منصور کا چہرہ متغیر (سرخ) ہو گیا۔ لیکن اس حادثے کے وقت ایک ایسا بھی شخص تھا جس نے نیک شگون لیا اور بہ آوازِ بلند کہنے لگا:

امیر المؤمنین! ایک آسان جنگ اور بہت سارے مالِ غنیمت کی خوشخبری قبول فرمائیے، آپ کا جھنڈا ثریا کی بلندیوں کو چھو چکا اور اللہ تعالیٰ نے اس جھنڈے کو ایک بابرکت درخت زیتون کا تیل پلایا ہے۔

خلیفہ منصور نے اس نیک شگونی کو بہت پسند فرمایا اور اس سے اس کو خوشخبری بھی نصیب ہوئی۔ خلیفہ اس شخص کی عمدہ گفتگو سن کر ہشاش بشاش ہو گیا۔

چنانچہ یہ جنگ اس کی گزشتہ جنگوں کی نسبت زیادہ بابرکت اور کامیاب ثابت ہوئی۔

(1) ابو عامر محمد بن عبداللہ بن ابی عامر (حاجب المنصور) کا جد امجد عبدالملک المعافری طارق بن زیاد کے ہمراہ ساحلِ اندلس پر اُترا تھا۔ 361ھ /972ء میں خلیفہ الحکم ثانی نے ابن ابی عامر کو اشبیلیہ کا قاضی مقرر کیا۔ 366ھ /976ء میں الحکم ثانی کی وفات پر شمال کے عیسائیوں نے بغاوت کردی تو اسے فرو کرنے کی ذمہ داری ابن ابی عامر نے بخوبی نبھائی۔ جلد ہی اس نے حاجب، یعنی وزارتِ عظمیٰ کا منصب حاصل کرلیا۔ 371ھ /981ء میں اس نے مسیحی ریاست لیون پر قبضہ کرلیا۔ پھر قیطلونیہ اور برشلونہ پر فوج کشی کی۔ 377ھ /987ء میں اس نے جامع قرطبہ کی توسیع کی اور شکوہ اسلام کے اظہار کے لیے عیسائی قیدی اس کام پر لگائے۔ 387ھ /997ء میں اس نے شنت یعقوب کی مسیحی خانقاہ فتح کی مگر حواریٔ مسیح کا مقبرہ محفوظ رہنے دیا۔ 393ھ /1002ء میں حاجب المنصور قشتالیہ کی مہم سے واپس آتے ہوئے مدینۃ السالم میں انتقال کرگیا۔
(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:21، ص:667 تا 671)

آٹھ نمبر کا حکمران

عباسی خاندان میں بطور خلیفہ آٹھواں نمبر معتصم عباسی (1) کا ہے۔ آٹھ کا ہندسہ اس خلیفہ کے لیے خصوصی اہمیت کا حامل رہا۔ اس کی ولادت 108ھ ہجری کے آٹھویں مہینے میں ہوئی۔ یہ آٹھواں خلیفہ تو تھا ہی مگر اس کے دور میں آٹھ بڑی فتوحات ہوئیں جو یہ ہیں:

① عموریہ۔ ② بابک کا شہر۔ ③ الزط (جاٹوں) کا شہر۔ ④ قلعہ احزان۔ ⑤ مصر۔ ⑥ آذربائیجان۔ ⑦ دیارِ ربیعہ۔ ⑧ دیارِ آرمینیہ۔

اس کا دور خلافت آٹھ سال اور آٹھ ماہ رہا۔ وفات کے وقت اس کے پسماندگان میں آٹھ لڑکے اور آٹھ ہی لڑکیاں تھیں۔ اس بنا پر معتصم کو عربی میں الخلیفة المثمن (آٹھ نمبر کا خلیفہ) کہا جاتا ہے۔(2)

---

(1) ابواسحٰق معتصم باللہ بن ہارون رشید (218ھ تا 227ھ) آٹھواں عباسی خلیفہ تھا جو مامون رشید کے بعد تخت پر بیٹھا۔ اس نے بغداد سے 90 میل شمال میں دجلہ کے کنارے نیا دارالحکومت (سُرَّ مَن رَأی) تعمیر کرایا جو کثرت استعمال سے سامرّاء مشہور ہوا۔ 223ھ میں رومیوں نے زبطرہ وملطیہ (اناطولیہ) میں غارتگری کی اور ایک مظلوم مسلمان عورت نے وامعتصماہ (ہائے معتصم) کی دہائی دی تو معتصم نے لشکر کشی کر کے رومیوں کو عبرتناک شکست دی' قیصر روم نوفل کی جائے پیدائش عموریہ کو 55 روزہ محاصرے کے بعد فتح کر لیا اور اسے مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا۔
(تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی جلد اول)

(2) نوادر من التاریخ (131/1)۔

طبیب کی مہارت

یحییٰ بن اسحاق ایک ماہر طبیب تھا جو خود سے دوائیں بنایا کرتا تھا۔ ایک دن وہ اپنی دکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے سامنے سے ایک جنازے کا گزر ہوا۔ جنازے پر جب اس کی نظر پڑی تو اس کی زبان سے بآواز بلند یہ جملہ نکلا: ''اے میت کے گھر والو! تمہارا یہ آدمی بقید حیات ہے، تمھارے لیے اسے دفن کرنا جائز نہیں۔''

جنازے کے ساتھ چلنے والے لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا: اس طبیب کی بات کوئی نقصان دہ تو ہے نہیں، چلو ہم اس کو اپنا مردہ دکھلاتے ہیں اور اس طرح اس کا امتحان بھی لے لیں گے۔ اگر مردہ زندہ ہے تو طبیب کی بات صحیح ہے اور اگر مردہ ہوگا تو پھر ایسا کرنے سے ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔

چنانچہ لوگوں نے طبیب کو بلایا اور اس سے پوچھا: تم نے جو بات کہی ہے، اس کی وضاحت کرو۔

طبیب نے ان سے مردہ گھر واپس لے چلنے کو کہا۔ گھر پہنچ کر میت کا کفن نکال کر اسے غسل خانے میں داخل کیا اور اس پر گرم پانی ڈالنے لگا، اور نیم گرم پانی میں کچھ سفوف اور دیگر دوائیں ملا کر وہ مردے کو نہلانے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد اس کے جسم میں تھوڑی سی حرکت ہوئی۔

طبیب خوشی سے چیخ اٹھا: مردے کی زندگی کی بشارت قبول کرو۔ پھر طبیب تسلسل سے مردے کا علاج معالجہ کرنے لگا تا آں کہ اس کو زندگی مل گئی اور وہ صحیح ہو گیا۔

یہ واقعہ طبیب کی مہارت و قابلیت کا مظہر تھا جس نے لوگوں میں جنگل کی

آ گ کی طرح شہرت پائی۔ بعد میں جب طبیب سے پوچھا گیا کہ آخر کس بنیاد پر تم نے جنازہ دیکھ کر سمجھ لیا کہ وہ مردہ نہیں بلکہ زندہ انسان ہے؟ تو اس نے بتایا: میں نے دیکھا کہ اس کے پاؤں کھڑے ہیں، حالانکہ مردے کے پاؤں سیدھے ہوتے ہیں، اس لیے میں نے اندازہ کرلیا کہ یہ مردہ نہیں زندہ ہے، اور میرا یہ خیال درست نکلا۔ (1)

(1) دیکھیے: نوادر من التاریخ (144/1)۔

(((خلیفہ ہارون رشید کو بہلول کی نصیحت)))

جب ہارون رشید[1] حج کی نیت سے کوفہ سے گزرا تو اہلِ کوفہ اس کو دیکھنے کے لیے باہر نکل پڑے۔ ہارون ہودج (محمل) میں براجمان تھا۔ بہلول نے یاھارون، یاھارون کہہ کر آواز دی۔ ہارون رشید نے پوچھا: یہ کون پکار رہا ہے؟ بتایا گیا کہ بہلول ہے۔

ہارون رشید نے پردہ اٹھایا تو بہلول گویا ہوا: اے امیر المؤمنین! میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب جمرہ عقبہ کو کنکریاں مار رہے تھے تو اس میں نہ تو مار مار کا شور تھا، نہ بھاگو بھاگو کی پکار اور نہ ادھر ہی رہو اُدھر ہی رکو کی آواز۔ اور اے امیر المؤمنین! اس سفر مبارک میں آپ کا تواضع اختیار کرنا آپ کے بڑا بننے سے بہتر ہے۔"

بہلول کی بات سن کر ہارون رشید رو پڑا اور اس کے آنسو گرنے لگے۔ پھر یوں گویا ہوا: تم نے بھلی بات کہی اے بہلول! مزید کچھ نصیحت کرو۔ بہلول نے کہا:

«أَيُّمَا رَجُلٍ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا وَجَمَالًا وَسُلْطَانًا فَأَنْفَقَ مَالَهُ وَعَفَّ جَمَالَهُ، وَعَدَلَ فِي سُلْطَانِهِ كُتِبَ فِي دِيوَانِ اللّٰهِ مِنَ الْأَبْرَارِ»

"اللہ تعالیٰ جس کو مال و جمال اور سلطنت سے نوازے، پھر وہ اپنا مال بھلائی کے کاموں میں خرچ کرے، اپنے حسن و جمال کو فتنے سے بچائے رکھے اور اپنی سلطنت میں عدل و انصاف کا دامن کبھی ہاتھ سے جانے نہ دے تو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اسے ابرار (نیک لوگوں) میں لکھ دیا جاتا ہے۔"

ہارون رشید نے کہا: تم نے بہت ہی اچھی نصیحت کی۔ پھر اسے انعام سے

نوازنے کا حکم دیا۔

بہلول:

«لاَحَاجَةَ لِي فِيهَا رُدَّهَا إِلٰى مَنْ أَخَذْتَهَا مِنْهُ»

''مجھے اس انعام کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ مال اسی کو واپس کر دو جس سے تم نے لے رکھا ہے۔''

ہارون رشید: ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے روزینہ کا بندوبست کر دیں۔

بہلول نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا: امیر المؤمنین! میں اور تم اللہ ہی کے پروردہ ہیں تو پھر یہ ناممکن ہے کہ وہ تم کو یاد کرے (تمھیں نوازے) اور مجھے بھول جائے۔ (2)

---

(1) ابوجعفر ہارون الرشید بن مہدی نے 148ھ میں بمقام رے ملکہ خیزران کے بطن سے جنم لیا۔ وہ 170ھ میں اپنے بھائی ہادی کے مرنے پر تخت نشین ہوا۔ اسی روز اس کا بیٹا مامون پیدا ہوا۔ اس کے عہد خلافت میں برامکہ کو عروج حاصل ہوا۔ یحیٰی بن خالد برمکی اور اس کے بیٹے فضل اور جعفر یکے بعد دیگرے اس کے وزیراعظم رہے۔ 178ھ میں خارجیوں نے خراسان میں بغاوت کی اور حصین خارجی کے قتل سے یہ فتنہ فرو ہوا۔ اسی سال بلاد روم پر فوج کشی کی گئی۔ 182ھ میں رومی ملکہ ایرین نے جزیہ دینا منظور کر کے صلح کر لی۔ برمکیوں کی خود سری کے پیش نظر محرم 187ھ میں ہارون نے وزیراعظم جعفر برمکی کو قتل کرا دیا اور یحیٰی و فضل جیل میں ڈال دیے گئے جو قید ہی میں فوت ہوئے۔ اسی برس ہارون رشید نے ہرقلہ پہنچ کر نئے رومی حکمران نقطور کو عہد شکنی کی سزا دی۔ ہارون نے 3 جمادی الآخرہ 193ھ کو طوس (ایران) میں وفات پائی۔ ہارون کو علم و فضل کا بے حد شوق اور پابندیٔ دین کا بہت خیال تھا۔ اس کے عہد میں خلافت عباسیہ اوج کمال کو پہنچ گئی تھی۔ ہارون کی ملکہ زبیدہ نے مکہ میں پانی کی فراہمی کے لیے نہر بنوائی جو درب زبیدہ کہلائی۔

(''تاریخ اسلام'' از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، ج:1)

(2) یہ قصہ ڈاکٹر مصطفیٰ مراد کی کتاب ''قصص الصالحین'' کے صفحہ 67 پر دیکھا جا سکتا ہے۔

(((حجاج کے سامنے حق کی آواز)))

جلیل القدر تابعی حسن بصری رحمہ اللہ[1] مقامِ واسط (کوفہ اور بصرہ کے درمیان ایک شہر) میں حجاج بن یوسف[2] کے پاس گئے۔ جب ان کی نگاہ حجاج کی عالی شان عمارتوں پر پڑی تو گویا ہوئے: ''تمام تعریف اللہ عزوجل ہی کو لائق وزیبا ہے۔ یہ بادشاہ لوگ اپنے آپ میں عشرت کے سامان دیکھتے ہیں اور ہم ان کے درمیان عبرت کے درس پاتے ہیں۔ کوئی بادشاہ جب شاہی محل کا رخ کرتا ہے اور اس کی آرائش وزیبائش میں پوری طاقت صرف کر دیتا ہے، اس کے فرش کو بہتر سے بہتر بناتا ہے تو حرص وطمع کے گداگروں کی لالچی نگاہیں اس کا خیر مقدم کرنے کو تیار رہتی ہیں اور آگ کا بستر لگانے والے اس کے آگے پیچھے پھرتے رہتے ہیں، پھر یہ بادشاہ فخریہ انداز میں سینہ تان کر بڑے طمطراق سے کہتا ہے: یہ دیکھو! میں نے کیسی کیسی خوبصورت عمارتیں بنوائیں اور کس قدر عمدگی سے کام کروایا ہے۔ ہاں اے اللہ کے دشمن! ہم نے تمھاری کاریگری اور جو کچھ تم نے سجایا بنایا ہے، دیکھ لیا!! اے فسق و فجور کو ہوا دینے والے! اے معصیت و نافرمانی کے دلدادہ! آخر یہ چیزیں تمھارے کس کام کی ہیں؟ آسمان والے تمھارے اوپر لعنت ملامت کر رہے ہیں، زمین کے باشندگان بھی تمھارے ظلم وطغیان سے تنگ آ کر تم سے نالاں و پریشان ہیں اور تمھارے خلاف ان کا غیظ وغضب آخری حد کو پہنچا ہوا ہے!!''

پھر حسن بصری رحمہ اللہ یہ کہتے ہوئے وہاں سے نکل پڑے:

«إِنَّمَا أَخَذَ اللّٰهُ الْمِيثَاقَ عَلَى الْعُلَمَاءِ لَيُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا يَكْتُمُونَهُ»

''اللہ تعالیٰ نے علماء سے عہد و میثاق لے رکھا ہے کہ وہ ضرور بالضرور لوگوں

سے حق بات بیان کریں گے اور کوئی بات چھپا کر نہیں رکھیں گے۔''

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو سن کر حجاج بن یوسف کا غصہ یک دم بھڑک اٹھا اور آگ بگولا ہو کر بولا: اے اہلِ شام! یہ بصرہ کا ایک معمولی آدمی میرے سامنے ہی مجھے برا بھلا کہہ کر چل دیا لیکن اس کا کسی نے بھی جواب نہیں دیا۔ اللہ کی قسم! اسے پکڑ کر میرے پاس لاؤ، میں ضرور اس کا سر تن سے جدا کر دوں گا۔

حجاج بن یوسف کا حکم ملتے ہی اس کے درباری حسن بصری کو پکڑنے کے لیے دوڑے اور ان کو گھیر لائے۔ راستے میں حسن بصری اپنے دونوں ہونٹوں کو ہلا رہے تھے لیکن ان کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ جب حجاج بن یوسف کے دربار میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ اس کے سامنے چرمی فرش بچھا ہوا ہے (چرمی فرش پر مجرم کو قتل کیا جاتا تھا تاکہ اس کے خون کے چھینٹے زمین پر نہ پڑ سکیں) سامنے تلوار رکھی ہوئی ہے اور حجاج غصے میں اس قدر آگ بگولا ہے کہ اس کی آنکھوں سے انگارے برس رہے ہیں۔

حجاج بن یوسف کی نگاہ جب حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی تو وہ بڑی کرخت آواز میں انتہائی بھدے اور گستاخانہ الفاظ میں ان کے ساتھ ہم کلام ہوا۔ لیکن حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ساتھ بڑی نرمی سے گفتگو کی اور اسے پند و نصائح سے نوازتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد حجاج بن یوسف نے تلوار اور چرمی فرش سامنے سے اٹھانے کا حکم دیا۔ پھر حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ مسلسل حجاج بن یوسف سے گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ حجاج نے کھانے کا دستر خوان بچھانے کا حکم دیا۔ جب دستر خوان چنا جا چکا تو دونوں نے اکٹھے ہی بیٹھ کر کھانا تناول کیا اور پھر حجاج نے وضو کا پانی اور مشک کی خوشبو منگوائی۔ دونوں نے وضو کیا اور حجاج نے خود اپنے ہاتھ سے

حسن بصری کو خوشبو ملی اور اس کے بعد عزت و آرام کے ساتھ انھیں روانہ کیا۔

جب حسن بصری واپس ہوئے تو ان سے کسی نے دریافت کیا: آپ اپنے ہونٹوں کو ہلاتے ہوئے کیا کہہ رہے تھے؟

حسن بصری نے جواباً فرمایا:

''میں کہہ رہا تھا: اے میری دعا قبول کرنے والے! اے میری ملامت میں ساتھ دینے والے! اے میری مصیبت میں کام آنے والے پروردگار! اے خوشحالی کے ایام میں ساتھ دینے والے مولیٰ! اے میرے پروردگار! اے ابراہیم و اسماعیل، اسحاق و یعقوب اور ان کی اولاد کے پروردگار! اے موسیٰ و عیسیٰ اور تمام انبیائے کرام کے رب! اے فرعون کے ظلم و دبدبے سے موسیٰ علیہ السلام کو نجات دلانے والے! اے احزاب کے پنجوں سے محمد ﷺ کو بچانے والے! محمد ﷺ اور ان کی آل پر درود و سلام نازل فرما جو کہ بہتر اور چنیدہ لوگ ہیں اور اپنے بندے حجاج بن یوسف کے دل میں میری محبت ڈال دے۔ اور میری طرف سے اس کی برائی اور شر کو پھیر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے شر کو اس کے کرم و احسان میں بدل دیا۔''(3)

---

(1) حسن بصری رحمہ اللہ کی پیدائش حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری برسوں میں ہوئی۔ وہ مدینہ میں پیدا ہوئے اور وادی القریٰ میں پروان چڑھے۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے جمعہ پڑھتے اور ان کا خطبہ سنتے۔ حضرت عثمان کے محاصرے کے وقت ان کی عمر 14 سال تھی۔ آپ علم و عمل میں اپنے زمانے کے سردار تھے۔ معتمر بن سلیمان کے والد کہتے ہیں کہ حسن اہل بصرہ کے شیخ تھے۔ آپ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا تھا۔ ابو بردہ کہتے ہیں: اصحاب محمد ﷺ کے سب سے زیادہ مشابہ میں نے حسن بصری سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ یعقوب فسوی کہتے ہیں کہ میں نے حسن سے 8 ہزار مسائل حفظ کیے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:4)

(2) حجاج بن یوسف بن حکم بنو ثقیف میں سے تھا۔ طائف میں 41ھ کے لگ بھگ پیدا ہوا۔

اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے لشکر میں شامل ہو کر حجاج نے 72ھ میں مکہ کا محاصرہ کیا جہاں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم تھی۔ سات ماہ کے محاصرے کے بعد ابن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کے ساتھ خانۂ کعبہ کے قریب لڑائی میں شہید ہو گئے (73ھ)۔ اس کامیابی پر عبدالملک نے حجاج کو حجاز، یمن اور یمامہ کا گورنر بنا دیا۔ دو سال بعد وہ کوفہ (عراق) کی گورنری پر فائز ہوا۔ اس نے خارجیوں اور دیگر باغیوں کا قلع قمع کیا۔ 78ھ میں خراسان اور سیستان بھی اس کے زیرِ حکومت دے دیے گئے۔ اس نے کوفہ اور بصرہ کے درمیان نیا صوبائی دارالحکومت واسط تعمیر کرایا۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں حجاج کے سپہ سالاروں قتیبہ بن مسلم، مُجّاعہ بن سعر اور محمد بن قاسم نے بالترتیب ماوراء النہر (ترکستان)، عُمان اور سندھ و ملتان فتح کیے۔ قرآن مجید پر اعراب لگوانا حجاج کا بڑا کارنامہ ہے۔ حجاج نے 95ھ میں وفات پائی اور واسط میں دفن ہوا۔

(اردو دائرۂ معارف اسلامیہ جلد 7)

(3) الفرج بعد الشدة والضيق للحازمي.

(((بے بس مہاجر!)))

قریش کے قبیلہ بنومخزوم میں سے سب سے پہلے مدینہ منورہ ہجرت کرنے والے حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ ہیں۔ بیعتِ عقبہ سے ایک سال قبل انہوں نے قریش کے ظلم سے تنگ آ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔اس سے قبل وہ حبشہ کی طرف اپنی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہجرت کر چکے تھے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب میرے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو مجھے اپنے اونٹ پر بٹھا کر روانہ ہوئے۔ میری گود میں میرا بیٹا سلمہ بھی تھا۔ جب ہمارے اونٹ کی لگام پکڑ کر مکہ سے روانہ ہوئے تو بنومغیرہ نے دیکھ لیا۔انہوں نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا راستہ روک لیا اور کہنے لگے:

«هَذِهِ نَفْسُكَ غَلَبْتَنَا عَلَيْهَا ، أَرَأَيْتَ صَاحِبَتَنَا هَذِهِ عَلَامَ نَتْرُكُكَ تَسِيرُ بِهَا فِي الْبِلَادِ؟» .

''تمھاری جان پر تو ہمارا کوئی بس نہیں (جہاں چاہو جاؤ)؛ مگر ہم اپنی بیٹی کو تمھارے ساتھ دوسرے ملک میں کیوں جانے دیں؟''۔

چنانچہ بنومغیرہ نے ابوسلمہ کے ہاتھ سے اونٹ کی لگام چھین لی اور مجھے لے کر چل دیے۔ جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے خاندان بنوعبدالاسد نے بنومغیرہ کی یہ حرکت دیکھی تو وہ بھی غضبناک ہو گئے اور کہنے لگے:

«وَاللهِ! لَا نَتْرُكُ ابْنَنَا عِنْدَهَا إِذْ نَزَعْتُمُوهَا مِنْ صَاحِبِنَا» .

''اللہ کی قسم! جیسے تم لوگوں نے ہمارے آدمی (ابوسلمہ) سے اپنی بیٹی کو چھین لیا، ہم بھی اپنے بیٹے (سلمہ) کو اس (ام سلمہ) کے پاس نہیں رہنے دیں گے''۔

چنانچہ بنوعبدالاسد نے بنومغیرہ سے چھینا جھپٹی کر کے میرے بیٹے سلمہ کا ہاتھ مجھ سے چھڑالیا اور چلتے بنے۔ بنومغیرہ نے مجھے اپنے پاس روک لیا اور میرے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس طرح مجھے بیٹے سے بھی جدا کر دیا گیا اور شوہر سے بھی!! میں اس صورتحال پر بہت غمزدہ تھی۔ شدتِ غم سے میرا حال یہ ہو گیا کہ میں روزانہ صبح صبح بطحائے مکہ کی طرف نکل جاتی اور وہیں بیٹھ کر شام تک غم کے آنسو بہاتی رہتی۔ تقریباً ایک سال تک میرا یہی کچھ معمول رہا۔ ایک دفعہ بنومغیرہ میں سے میرے ایک چچازاد بھائی کا گزر میرے پاس سے ہوا، اس نے میری حالتِ زار دیکھ کر بنومغیرہ سے جا کر کہا:

«أَلَا تُخْرِجُونَ هَذِهِ الْمِسْكِينَةَ؟ فَرَّقْتُمْ بَيْنَهَا وَبَيْنَ زَوْجِهَا وَبَيْنَ وَلَدِهَا؟» .

''تم لوگ اس بے چاری کو جانے کیوں نہیں دیتے۔ تم نے اس کے، اس کے شوہر اور اس کے بیٹے میں جدائی ڈال دی ہے؟!''۔

اس کے کہنے پر بنومغیرہ نے مجھ پر رحم کھاتے ہوئے کہا:

«الْحَقِي بِزَوْجِكِ إِنْ شِئْتِ» .

''اگر چاہو تو اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ''۔

جب بنومغیرہ نے مجھے میرے شوہر کے پاس جانے کی اجازت دے دی تو بنوعبدالاسد بھی میرا بیٹا میرے حوالے کرنے پر راضی ہو گئے۔ میں نے اپنے بچے کو گود لیا، اونٹ پر سوار ہوئی اور مدینے کو چل دی:

«خَرَجْتُ أُرِيدُ زَوْجِي بِالْمَدِينَةِ وَمَا مَعِيَ أَحَدٌ مِنْ خَلْقِ اللهِ» .

''اپنے شوہر کے پاس مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئی اور اس وقت میرے ساتھ کوئی بھی اللہ کا بندہ نہیں تھا''۔

جب میں مکہ سے نکل کر مقامِ تنعیم (1) پر پہنچی تو میری ملاقات بنوعبدالدار کے عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ سے ہوئی۔ جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے انہوں نے پوچھا: ابوامیہ کی بیٹی! کہاں کا ارادہ ہے؟

میں نے عرض کیا: مدینہ منورہ اپنے شوہر کے پاس جا رہی ہوں۔

عثمان بن طلحہ نے پوچھا: تمہارے ساتھ کوئی آدمی نہیں ہے؟

میں نے عرض کیا: اللہ اور اس معصوم بچے کے سوا میرے ساتھ کوئی نہیں۔

عثمان بن طلحہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! تمہیں اس حالت میں اکیلا چھوڑنا مناسب نہیں۔ اور پھر انہوں نے میرے اونٹ کی لگام اپنے ہاتھ میں پکڑ لی اور آگے آگے چل پڑے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کے اخلاقِ کریمانہ کے بارے میں بیان کرتی ہیں:

«فَوَاللهِ! مَا صَحِبْتُ رَجُلًا مِنَ الْعَرَبِ قَطُّ أَرَى أَنَّهُ كَانَ أَكْرَمَ مِنْهُ».

''اللہ کی قسم! میں نے عثمان بن طلحہ سے زیادہ شریف اور کریم النفس آدمی عربوں میں کبھی نہ دیکھا''۔

سفر کے احوال کے بیان میں کہتی ہیں:

''جہاں آرام کرنے کے لیے اترنا ہوتا وہ اونٹنی کو بیٹھا دیتے اور مجھ سے پیچھے ہٹ جاتے۔ جب میں اتر جاتی تو اونٹ کو اٹھاتے اور لے جا کر کسی درخت سے باندھ دیتے اور خود کسی درخت کے سایے میں جا کر سو رہتے۔ جب روانہ ہونے کا وقت ہوتا تو اونٹ کو میرے پاس لاتے اور پیچھے ہٹ جاتے اور کہتے: سوار ہو جاؤ۔ جب میں سوار ہو کر اچھی طرح بیٹھ جاتی تو لگام پکڑ کر روانہ ہو جاتے۔ راستہ بھر ان کا یہی طریقہ کار رہا؛ تا آنکہ میں مدینہ پہنچ گئی۔ قبا میں جب بنوعمرو بن عوف کی بستی نظر آنے لگی تو انہوں نے مجھ سے کہا: دیکھو بہن! تمہارے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اسی بستی میں آئے ہیں۔

تم اللہ کا نام لے کر وہاں چلی جاؤ۔ اور خود وہیں سے مکہ واپس ہو گئے"۔

حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے تھے۔ حضرت خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ نے ایک ہی ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کی تھی۔ فتح مکہ کے موقع پر خانۂ کعبہ کی کنجی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور ان کے چچازاد بھائی شیبہ کے حوالے کی تھی (2)۔

(1) تنعیم مکہ مکرمہ سے دو میل کے فاصلے پر مدینہ منورہ کے راستے میں ایک جگہ ہے۔ وہیں مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا ہے جہاں سے انہوں نے احرام باندھا تھا۔ یہ اہلِ مکہ کے لیے حل ہے اور حدودِ حرم سے باہر ہے۔

(2) دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر (423/4)۔

وقت وقت کی بات ہے!

عربی کا ایک مقولہ ہے: "الناس علی دین ملوکھم". کہ لوگ اپنے حکمرانوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ جیسا حکمراں ہوتا ہے ویسی ہی عموماً اس کی رعیت ہوتی ہے۔

اب ذرا دیکھیں کس خلیفہ کے دور میں کیا ہوتا رہا:

حجاج بن یوسف کا دور قتل و غارت کا اور فتنہ وفساد کا دور تھا۔ کتنے ہی لوگ جیلوں میں ٹھونسے گئے۔ کتنے ہی قتل کر دیے گئے۔ صبح سویرے لوگوں میں اس قسم کی گفتگو ہوتی:

«مَنْ قُتِلَ البَارِحَةَ وَمَنْ صُلِبَ وَمَنْ جُلِدَ؟»

''کل کس کو قتل کیا گیا، کون سولی پر چڑھایا گیا اور کس کو کوڑے مارے گئے''۔

اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک عمارتیں بنانے اور کارخانے لگانے کا شوقین تھا۔ لوگ اس کے دور میں ایک دوسرے سے بلڈنگیں بنانے' کارخانے لگانے' نہریں کھودنے اور شجرکاری کے بارے میں گفتگو کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد سلیمان بن عبدالملک کا دور آیا۔ وہ کھانے پینے کا شوقین تھا۔ گانے بجانے سے بھی دل لبھالیتا تھا۔ لوگ قسم ہا قسم کے کھانوں کی باتیں کرتے۔ مغنیات اور لونڈیوں کا ذکر ہوتا اور مجالس میں شادی بیاہ اور تقریبات کے حوالے سے گفتگو ہوتی۔

اور جب عمر بن عبدالعزیزؒ کا مبارک دور آیا تو لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے: تم نے کتنا قرآن پاک حفظ کیا ہے۔ رات میں کتنے نوافل پڑھتے ہیں۔ اس ماہ میں کتنے روزے رکھے ہیں۔ فلاں نے کتنا قرآن حفظ کرلیا ہے۔ اور فلاں کا کب ختم ہوگا۔ (1)

(1) دیکھیے: نوادر من التاریخ (82/1)' تالیف: صالح محمد الزمام۔

ناک میں دم کرنے والا پڑوسی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکوہ کیا: اے اللہ کے رسول! میرا ایک پڑوسی ہے جس نے ناک میں دم کر رکھا ہے' اس کی تکلیف سے میں عاجز آ چکا ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«انْطَلِقْ فَأَخْرِج مَتاعَكَ إِلَى الطَّرِيقِ».

''جاؤ اپنے گھر کا سامان نکال کر راستے پر رکھ دو''

وہ آدمی گیا اور اپنے گھر کا ساز و سامان نکال کر باہر رکھ دیا اور وہیں بیٹھ رہا۔

راہ گزر لوگ اس کے پاس آتے اور پوچھتے: کیا بات ہے، تو گھر سے سامان نکال کر یہاں بیٹھ گیا ہے؟

وہ جواب دیتا: میرا ایک پڑوسی ہے جس نے ناک میں دم کر رکھا تھا' میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکوہ کیا تو آپ نے مجھے حکم دیا:

''جاؤ اپنے گھر کا ساز و سامان باہر نکال کر بیٹھ جاؤ''۔

یہ سن کر لوگ کہتے: «اللَّهُمَّ الْعَنهُ اللَّهُمَّ أَخْزِهِ».

''اے اللہ اس پڑوسی پر لعنت فرما۔ اے اللہ اس پڑوسی کو رسوا کر''

جب پڑوسی کو اس بات کی خبر پہنچی تو وہ اس آدمی کے پاس آیا اور کہا:

«ارْجِعْ إِلَى مَنْزِلِكَ ، فَوَاللهِ! لَا أُؤْذِيكَ أَبَدًا».

اپنے گھر واپس ہو جاؤ' اللہ کی قسم! اب میں تجھے کبھی نہ ستاؤں گا۔'' (1)

---

(1) دیکھئے: الدر المنثور للسیوطی (2/529)، ابوداود (5153) الأدب المفرد، امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

(((اللہ کی پناہ میں !!)))

بہادری و جوانمردی اور اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر ابتلا و آزمائش پر صبر و تحمل ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے۔ یہ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا دل و دماغ اس بات سے مطمئن ہونے کو پل بھر کے لیے بھی تیار نہیں تھا کہ یہ خود تو آرام و آسائش کی زندگی گزاریں اور ان کے دوسرے مسلمان بھائی اللہ کی راہ میں ظلم و ستم سہتے رہیں!! انہوں نے اپنے ایمان کے بارے میں کبھی بھی کسی سے سمجھوتہ نہیں کیا؛ بلکہ ولید بن مغیرہ کی پناہ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ گئے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مختلف سزاؤں کا سامنا کرنے لگے!!

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور پھر وہاں سے اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس آ کر مکہ مکرمہ میں ولید بن مغیرہ کی پناہ لے لی تھی۔ چونکہ وہ ولید بن مغیرہ کی پناہ میں آ چکے تھے اس لیے وہ مکہ کی گلیوں میں آرام سے گھومتے پھرتے، انہیں کوئی آنکھ دکھانے والا نہیں تھا۔ وہ بالکل اطمینان کے ساتھ جہاں چاہتے جاتے۔ اس کے برعکس دوسرے کمزور مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ کفارِ مکہ انہیں طرح طرح کی سزائیں دیا کرتے اور ظلم و ستم کے وہ پہاڑ توڑتے کہ ظلم و جور کی تاریخ میں دور دور تک اس کی مثال نہیں ملتی!!

جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی بے بسی اور ان پر ڈھائے جانے والے ظلم و ستم کو دیکھا تو ان کا کلیجہ منہ کو آ گیا۔ اب انہیں اپنے سکون و اطمینان کو آگ سی لگتی محسوس ہو رہی تھی۔ چنانچہ وہ کہنے لگے:

«وَاللهِ! إِنَّ غُدُوِّی وَرَوَاحِی آمِنًا بِجِوَارِ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الشِّرْكِ وَأَصْحَابِی وَأَهْلِ دِينِی يَلْقَوْنَ مِنَ الْبَلَاءِ وَالْأَذَى فِی اللهِ مَالَا

يُصِيبُنِي لَنَقْصٌ كَبِيرٌ فِي نَفْسِي».

اللہ کی قسم! میرا ایک مشرک کی پناہ میں آرام سے صبح وشام کرنا؛ جبکہ میرے دوسرے مسلمان بھائی اللہ کی راہ میں ابتلا وآزمائش کے دور سے گزر رہے ہیں جس سے میں محفوظ ہوں، یہ چیز میرے دین میں ایک بڑے نقص کی نشاندہی کرتی ہے''۔

وہ فوراً ولید بن مغیرہ کی خدمت میں پہنچے اور گویا ہوئے:

«يَا أَبَا عَبْدِ شَمْسٍ! وَفَتْ ذِمَّتُكَ وَقَدْ رَدَدْتُ إِلَيْكَ جِوَارَكَ».

''ابوعبد شمس! آپ نے مجھے جو پناہ دے رکھی تھی اس کا حق آپ نے ادا کر دیا، اب میں یہ پناہ آپ کو واپس کرتا ہوں''۔

وہ کہنے لگا: آخر کیوں میرے بھتیجے؟! لگتا ہے میری قوم کے کسی فرد نے تجھے کوئی تکلیف دی ہے؟

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے کہا:

«لَا، وَلٰكِنِّي أَرْضَى بِجِوَارِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَلَا أُرِيدُ أَنْ أَسْتَجِيرَ بِغَيْرِهِ».

''ایسی کوئی بات نہیں، بلکہ میں اب اللہ عزوجل کی پناہ میں جانا چاہتا ہوں، مجھے اس کے سوا کسی کی پناہ منظور نہیں''۔

ولید بن مغیرہ نے کہا:

«فَانْطَلِقْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَارْدُدْ عَلَيَّ جِوَارِي عَلَانِيَةً كَمَا أَجَرْتُكَ عَلَانِيَةً».

''تو پھر مسجد حرام میں چل کر میری پناہ برسرعام واپس کرو جیسے کہ میں نے تمہیں برسرعام پناہ دی تھی''۔

اس کے بعد دونوں بیت اللہ میں پہنچے۔ ولید بن مغیرہ نے لوگوں کے سامنے اعلان

کیا: یہ عثمان بن مظعون ہیں جو میری پناہ واپس کرنے کے لیے آئے ہیں۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کے سامنے ولید بن مغیرہ کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہا: ہاں، ولید بن مغیرہ سچ کہہ رہے ہیں، بلاشبہ انہوں نے مجھے جو پناہ دی تھی اس کو پوری طرح سے نبھایا، مجھے ان کی وفاداری کا احساس ہے، مگر اب میں اللہ تعالیٰ کی پناہ کے سوا کسی کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتا۔ میں ان کی پناہ انہیں واپس کر رہا ہوں''۔

ولید بن مغیرہ کی پناہ واپس کرنے کے بعد حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ قریش کی ایک مجلس میں آئے۔ اس وقت لبید بن ربیعہ (اسلام لانے سے قبل) قریش کے سامنے یہ شعر پڑھ رہا تھا:

«أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهَ بَاطِلُ».

''اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے، باطل (بے کار) ہے''۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے سچ کہا۔

پھر لبید بن ربیعہ نے کہا:

«وَكُلُّ نَعِيمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلُ».

''اور ہر نعمت ضرور ہی ختم ہو جانے والی ہے''۔

اس پر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے فرمایا

«كَذَبْتَ، نَعِيمُ الجَنَّةِ لَا يَزُولُ».

''تو جھوٹ کہتا ہے، جنت کی نعمت کبھی ختم نہیں ہوگی''۔

اب لبید بن ربیعہ کو غصہ آ گیا اور قریش کے سامنے کہنے لگا: اللہ کی قسم! یہ کون آدھمکا جو تمہارے مہمان ساتھی کو تکلیف دہ باتیں کہنے لگا؟ یہ تم میں کہاں سے آ گیا؟ اس کے جواب میں حاضرین میں سے ایک آدمی نے کہا: لبید! یہ ان احمقوں میں سے ایک ہے

جنہوں نے ہمارا دین چھوڑ کر محمد کا دین اختیار کر لیا ہے۔ اس لیے آپ کو اس بیوقوف کی بات سے کبیدہ خاطر نہیں ہونا چاہیے۔

اس پر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بھی غصہ آ گیا اور انہوں نے بھی سخت لہجے میں اس جواب دیا اور تو تو میں میں ہونے لگی۔ وہ آدمی (جس نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو احمق اور بیوقوف کہا تھا) اٹھا اور کھینچ کر ایک زناٹے دار تھپڑ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے چہرے پر رسید کر دیا جس سے ان کی آنکھ پر نشان پڑ گیا۔ ولید بن مغیرہ قریب ہی تھا اور یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھ کر کہا:

«أَمَا وَاللهِ! يَا ابْنَ أَخِي إِنْ كَانَتْ عَيْنُكَ عَمَّا أَصَابَهَا لَغَنِيَّةٌ، وَلَقَدْ كُنْتَ فِي ذِمَّةٍ مَنِيعَةٍ».

"میرے بھتیجے! اللہ کی قسم! تیری آنکھ کو ابھی جو کچھ ہوا ہے، اگر تو میری پناہ میں ہوتا تو اسے کچھ نہیں ہوتا، کیونکہ تو ایک مضبوط پناہ میں تھا"۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے کہا:

«بَلْ وَاللهِ! إِنَّ عَيْنِي الصَّحِيحَةَ لَفَقِيرَةٌ إِلَى مِثْلِ مَا أَصَابَ أُخْتَهَا فِي اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَإِنِّي لَفِي جِوَارِ مَنْ هُوَ أَعَزُّ مِنْكَ وَأَقْدَرُ يَا أَبَا عَبْدِ شَمْسٍ».

"بلکہ اللہ قسم! میری سلامت آنکھ بھی اسی قسم کی آزمائش کی متمنی ہے جس سے میری یہ آنکھ دوچار ہوئی ہے۔

(اے ابو عبد شمس!) اب میں اس ہستی کی پناہ میں آ چکا ہوں جو تم سے کہیں زیادہ طاقتور اور کہیں زیادہ قدرت رکھنے والی ہے"۔

ولید بن مغیرہ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی حالتِ زار دیکھ کر ان سے پھر کہا:

«هَلُمَّ يَا ابْنَ أَخِي! إِنْ شِئْتَ فَعُدْ إِلَى جِوَارِكَ».

''بھتیجے! اگر تم چاہو تو اپنی (سابقہ) پناہ کی طرف لوٹ آؤ، میں خوش آمدید کہتا ہوں''۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں کہا: نہیں، میں تمہاری پناہ سے نکل کر اللہ کی پناہ میں آچکا ہوں، اب مجھے کسی کی پناہ نہیں چاہیے(1)۔

---

(1) دیکھیے: السیرۃ الشامیۃ (490/2)، الروض الأنف(157/2)۔

نوٹ: حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں۔ آپ سے پہلے صرف تیرہ آدمی ہی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے بیٹے سائب کے ساتھ ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ مہاجرین میں سب سے پہلے مدینہ منورہ میں وفات پانے والے اور بقیع قبرستان میں دفن کیے جانے والے آپ ہی تھے۔ امام ترمذی نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو وفات کے بعد بھی بوسہ دیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔ جب ابراہیم بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

«الْحَقْ بِسَلَفِنَا الصَّالِحِ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ».

''ہمارے گزرے ہوئے نیک شخص عثمان بن مظعون سے جا ملو''۔

[دیکھیے: الإصابة في تمييز الصحابة: 464/2]

حق گوئی کا صلہ

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس واقعہ کا ذکر اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں کیا ہے۔ وہاں سے معمولی تصرف کے ساتھ اس واقعہ کو پیش کیا جا رہا ہے۔

مصر پر احمد بن طولون کی حکومت تھی۔ حکمران لوگوں پر ظلم ڈھا رہے تھے۔ منکرات میں اضافہ ہو گیا تھا۔ لوگ خاصے پریشان تھے۔ حاکم کے پاس جا کر شکایت کرنے کی کس میں جرأت تھی۔ ڈر تھا کہ اگر شکوہ کیا تو الٹے مصیبت میں پھنس جائیں گے لیکن علمائے حق ہر دور میں کلمہ حق جابر حکمرانوں کے سامنے کہتے آئے ہیں۔ ابوالحسن بنان بن محمد حمدان بن سعید اپنے وقت کے مشہور عالم اور زاہد تھے۔ وہ حاکم کے سامنے پیش ہوئے اور حکومت کی غلطیوں کی نشاندہی کی۔ اس کو ظلم اور جور و ستم پر ٹوکا اور حق بیان کیا۔ ابن طولون کو حق کیسے برداشت ہوتا۔ اس کو اس حق گوئی پر سخت غصہ آیا۔ حکم دیا کہ ان کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ اگلا حکم دیا کہ ان کو بھوکے شیر کے سامنے ڈال دیا جائے۔

ایک بہت بڑے ببر شیر کو کئی دنوں تک بھوکا رکھا گیا۔ لوگوں میں منادی کروائی گئی کہ منظر دیکھنے کے لیے جمع ہو جائیں۔ ایک بہت بڑے میدان میں لوگ اکٹھے ہوئے۔ شیخ ابوالحسن کو ہتھکڑیاں لگائے ہوئے میدان میں لایا گیا۔ شیر کو پنجرے سے نکالا گیا اور شیخ ابوالحسن کو شیر کے سامنے ڈال دیا گیا۔ مجمع میں شیخ کے شاگرد اور چاہنے والے بھی موجود تھے۔ ان کی چیخیں نکل گئیں۔ لوگوں نے دم روک دیے۔ ان کا خیال تھا کہ چشم زدن میں بھوکا شیر شیخ ابوالحسن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

مگر دیکھنے والوں نے دیکھا شیر ان کی طرف تیزی سے لپکا' قریب ہوا تو ان کے

جسم کو سونگھنے لگ گیا اور پھر ایسا محسوس ہوا کوئی طاقت شیر کو شیخ سے دور کر رہی ہے اور لوگوں نے دیکھا شیر بڑے ادب سے دور ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

لوگوں نے بلند آواز میں لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر پکارنا شروع کر دیا۔ ابن طولون کا شرم کے مارے سر جھک گیا۔ اس نے حکم دیا کہ شیخ کو باعزت رہا کر دیا جائے۔

اس متقی اور زاہد سے لوگوں نے سوال کیا: ابا الحسن! جب شیر آپ کی طرف بڑھ رہا تھا تو آپ کیا سوچ رہے تھے۔ جو جواب دیا وہ ملاحظہ فرمائیں۔

«لَمْ يَكُنْ عَلَيَّ بَأْسٌ، كُنْتُ أَتَفَكَّرُ فِي سُؤْرِ السِّبَاعِ، هَلْ هُوَ طَاهِرٌ أَمْ نَجِسٌ؟»

''مجھے قطعاً کوئی خوف اور ڈر محسوس نہیں ہوا، میں تو اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ درندے کے منہ سے نکلنے والا لعاب پاک ہوتا ہے یا پلید''۔(1)

بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ﴾

''سن رکھو! یقیناً سچے مومنوں کے دشمنوں کو خود اللہ تعالیٰ ہٹا دیتا ہے۔ کوئی خیانت کرنے والا ناشکرا اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں''۔[سورۃ الحج:38]

(1) دیکھئے حافظ ابن کثیر کی تاریخ: البداية والنهاية: 33/15 طبعه دار هجر قاهره.

حضرت حسنؓ و حسینؓ کا مقام و مرتبہ

حضرت شداد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ عشاء کی نماز کے لئے تشریف لائے۔ آپ ﷺ حضرت حسن یا حسین کو اٹھائے ہوئے تھے۔ آپ نے حضرت حسن یا حسین کو ساتھ میں رکھ دیا اور تکبیر کہہ کر نماز پڑھانے لگے۔ نماز کے دوران ایک سجدہ بہت ہی طویل کیا۔ میں (شداد) نے اپنا سر اٹھا کر دیکھا تو رسول اکرم ﷺ کے نواسے آپ کی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ سجدہ میں پڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں پھر سجدہ میں چلا گیا۔

جب رسول اکرم ﷺ نے نماز کی تکمیل کر لی تو صحابہ کرام نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنی نماز کے دوران ایک سجدہ بڑا ہی لمبا کیا، حتیٰ کہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ کوئی بات تو نہیں ہوگئی، یا آپ پر وحی تو نہیں اتر رہی ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ وَلَكِنَّ ابْنِي ارْتَحَلَنِي فَكَرِهْتُ أَنْ أُعَجِّلَهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ»

''اس میں سے کوئی بات نہیں تھی، بات دراصل یہ تھی کہ میرا صاحبزادہ (حسن یا حسین) میری پیٹھ پر سوار ہو گیا تھا، اس لیے مجھے گوارا نہیں ہوا کہ اس کی حاجت پوری ہونے سے پہلے میں سجدہ سے اٹھ جاؤں'' (1)

(1) [صحیح] نسائی: کتاب التطبیق / هل یجوز ان تکون سجدةٌ اطول من سجدة (230/2)

عرب خاتون کا صبر

اصمعی کہتے ہیں کہ میں اپنے دوست کے ہمراہ صحراء کی طرف نکلا۔ ہم راستہ بھول گئے۔ اچانک ہم نے اپنے دائیں طرف ایک خیمہ دیکھا۔ چنانچہ ہم اس کی طرف ہو لیے۔ ہم نے بلند آواز میں السلام علیکم کہا۔ اس کے جواب میں ایک عورت نے وعلیکم السلام کہا۔

کہنے لگی: تم کون ہو؟

ہم نے کہا: ہم لوگ راستہ بھول گئے ہیں' اتفاقاً اس طرف آ نکلے ہیں۔ اب ہمیں بھوک بھی لگی ہے۔ حق ضیافت چاہتے ہیں۔

کہنے لگی: تم اپنے چہرے ذرا دوسری طرف کرلو۔ تاکہ میں تمہاری میزبانی کے لیے آزاد ہو جاؤں۔ ہم نے اپنے چہرے دوسری طرف کر لیے تاکہ اسے پردہ کی پریشانی نہ ہو۔ اب اس نے ہماری طرف ایک قالین کا ٹکڑا بڑھایا اور کہا کہ تم لوگ اس پر بیٹھو اور ذرا انتظار کرو میرا بیٹا آنے ہی والا ہے۔

وہ بے چینی کے عالم میں بار بار خیمہ کے کنارے کو اٹھاتی اور سامنے دیکھ کر نیچے رکھ دیتی۔ دراصل وہ اپنے بیٹے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے آخری مرتبہ خیمہ کو اٹھایا اور بے اختیار کہنے لگی آنے والے کی خیر ہو۔ اونٹ تو میرے بیٹے کا ہے مگر اس پر سوار میرا بیٹا نہیں ہے۔ تھوڑی دیر بعد اونٹ سوار خیمے کے پاس پہنچ گیا اور اس نے آواز دی۔

«يَا أُمَّ عَقِيلٍ! أَعْظَمَ اللهُ أَجْرَكِ فِي عَقِيلٍ»

''اے ام عقیل! اللہ تعالیٰ عقیل کے فقدان پر تمہیں اجر عظیم فرمائے''۔

گویا ان الفاظ میں اسے بیٹے کی موت کی خبر سنائی۔

عورت کہنی لگی: تیرا ناس ہو کیا میرا بیٹا فوت ہو گیا ہے۔

اس نے کہا: ہاں۔

کہنے لگی: اس کی موت کا سبب کیا ہے۔

کہنے لگا:

«ازْدَحَمَتْ عَلَيْهِ الإِبِلُ فَرَمَتْ بِهِ فِي الْبِئْرِ»

''اونٹوں کا اس پر ہجوم ہوا؛ چنانچہ اونٹوں نے اسے کنویں میں پھینک دیا''۔

کہنے لگی: اونٹ سے نیچے اترو اور مہمانوں کی ضیافت کا بندوبست کرو۔

خاتون نے اس کی طرف ایک بکرا بھیجا اور کہا کہ اس کو ذبح کرو اور اس کا گوشت بناؤ اور پھر ہماری طرف کھانا تیار کر کے بھیجا۔ ہم کھانا کھا رہے تھے اور اس کے صبر پر تعجب بھی کر رہے تھے۔ جب ہم کھانے سے فارغ ہو گئے تو وہ ہماری طرف آئی۔ اب اس کی حالت بدلی ہوئی تھی۔ کہنے لگی کہ کیا تم میں سے کسی کو قرآن پاک آتا ہے کہ اس کی تلاوت سے مجھے سکون ملے۔ میں نے قرآن پاک میں سے سورۃ البقرہ کی مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت خوش الحانی سے شروع کی:

﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿١٥٦﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۗ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾ (البقرۃ: 155-157)

''اور صبر کرنے والوں کے لیے خوشخبری دے دیں۔ وہ لوگ جب ان کو مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ ایسے لوگوں پر ان کے رب کی طرف سے نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت

یافتہ ہیں۔''

تلاوت سننے کے بعد وہ کہنے لگی: اللہ کی قسم! کیا قرآن پاک میں اسی طرح وارد ہوا ہے؟

میں نے کہا: ہاں اللہ کی قسم! اللہ کی کتاب میں ایسا ہی ارشاد ہوا ہے۔

اس عورت نے ہمیں السلام علیکم کہہ کر قبلہ کی طرف رخ کیا اور دو رکعت نماز ادا کی پھر کہنے لگی:

«إِنَّا لله وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، عِنْدَ اللهِ أَحْتَسِبُ عَقِيلاً»

''ہم بھی اللہ کی ملکیت ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، میں اللہ تعالیٰ سے عقیل کے بارے میں ثواب اور اجر کی امید وار ہوں''۔

اس نے تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے۔ اور پھر اس نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھایا اور کہنے لگی:

«اللَّهُمَّ إِنِّي فَعَلْتُ مَا أَمَرْتَنِي بِهِ، فَأَنْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي بِهِ»

''اے اللہ جس کام کا تو نے حکم دیا میں اسے بجالائی (یعنی صبر کیا) اب جو تو نے وعدہ کیا ہے اس کو تو پورا کر دے'' (1)۔

(1) اس واقعہ کو عودة الحجاب (548-549) جلد دوم سے لیا گیا ہے۔ نیز دیکھئے: ''مواقف ایمانیة'' (325-326)۔

یہ ہے سخاوت!

اشعب بن جبیر کا بیان ہے کہ میں شہر کی ایک گلی سے گزر رہا تھا۔ ایک آدمی سے میری ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا: تیرے کتنے بال بچے ہیں؟ میں نے اس کو بتایا کہ میرے اتنے بچے ہیں۔

وہ گویا ہوا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تو جب تک زندہ رہے، تیری اور تیرے بال بچوں کی ضروریات کا بندوبست کرتا رہوں۔

میں نے پوچھا: کس نے تم کو یہ حکم دیا ہے۔ اللہ تمھیں برکت سے نوازے؟

اس نے کہا: اس بارے میں تجھے نہیں بتا سکتا۔

میں نے عرض کیا: احسان کرنے والے کا شکریہ ادا کیا جانا ضروری ہے۔

اس نے کہا: جس نے مجھے تیری اور تیرے بال بچوں کی کفالت کی ذمہ داری دی ہے، وہ تیرا شکریہ نہیں چاہتا۔

اشعب بن جبیر کا بیان ہے۔ میں اپنا اور اپنے بال بچوں کا روزینہ حاصل کرتا رہا۔ ایک عرصے بعد خالد بن عبداللہ بن عمر بن عثمان کا انتقال ہو گیا، میں بھی لوگوں کے ساتھ تعزیت میں شریک ہوا۔ اس مجلس میں میری اس آدمی سے ملاقات ہوئی جس کے ذریعے سے مجھ تک روزینہ پہنچتا تھا۔ اس نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے مجھ سے کہا:

«يَا أَشْعَبُ! هٰذَا هُوَ صَاحِبُكَ الَّذِي كَانَ يَجْرِي عَلَيْكَ مَا كُنْتُ أُعْطِيكَ»

''اے اشعب! اللہ کی قسم! یہی وہ تمھارا محسن تھا جو تم پر خرچ کرتا تھا اور میں تجھ تک پہنچایا کرتا تھا۔'' (1)

(1) نوادر من التاریخ: (149/1)، تالیف: صالح محمد الزمام۔

تجھے کیا تحفہ چاہیے؟

ایک مرتبہ ہارون رشید نے اپنے صاحبزادے مامون[1] کو اپنی لائبریری میں دیکھا جو ایک کتاب ہاتھ میں لیے ہوئے تھا اور اسے الٹ پلٹ رہا تھا۔

ہارون رشید نے پوچھا:

تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟

مامون نے جواب دیا:

ایک ایسی چیز ہے جس سے ذہن و دماغ کو تیز بنانے کے لیے خوراک ملتی ہے، یہ غفلت کو دور کرتی ہے اور اس کے ذریعے سے وحشت سے اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

ہارون رشید نے پوچھا:

تجھے کون سا تحفہ پسند ہے؟

مامون نے جواب دیا:

اپنا اچھا مشورہ دیں۔

ہارون رشید نے کہا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي رَزَقَنِي مِنْ وَ لَدِي مَنْ يَنْظُرُ بِعَيْنِ عَقْلِهِ أَكْثَرَ مَا يَنْظُرُ بِعَيْنِ جِسْمِهِ وَ سِنِّهِ»

”تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے ایسے بیٹے سے نوازا جو (امور زندگی کو) جسم اور عمر کی آنکھ سے زیادہ عقل کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔“

(1) ابوالعباس مامون الرشید کا اصل نام عبداللہ تھا، باپ ہارون الرشید نے مامون کا خطاب دیا۔

170ھ میں جس رات مامون پیدا ہوا، اسی رات خلیفہ ہادی بن مہدی کا انتقال ہوا تھا اور اس کا بھائی ہارون جانشین بنا تھا۔ 198ھ میں امین الرشید کے قتل کے اگلے روز مامون الرشید کی خلافت کی بیعت ہوئی جبکہ وہ خود مرو میں مقیم تھا۔ وہیں 200ھ میں اس نے امام علی رضا کو اپنا جانشین مقرر کیا مگر 215ھ میں ان کی وفات کے نتیجے میں خلافت آلِ عباس ہی میں رہی۔ محمد بن موسیٰ خوارزمی نے مامون کی فرمائش ہی پر الجبر والمقابلہ نامی کتاب لکھی جو علم الجبرا کی بنیاد بنی۔ مامون نے سنجار (عراق) کے میدان اور صحرائے کوفہ میں زمین کے محیط کی پیمائش کرائی جو تقریباً 24 ہزار میل نکلی۔ مامون ہی کے عہدِ خلافت میں فتنۂ خلق قرآن نے زور پکڑا۔ مامون الرشید نے 218ھ میں وفات پائی۔

(ماخوذ از تاریخ اسلام، ج:1، اکبر شاہ خان نجیب آبادی)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا منفرد اعزاز

ایک روز امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہم نشینوں سے پوچھا:

باپ، ماں، نانا، نانی، چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے زیادہ معزز اور کریم کون ہے؟

ہم نشینوں نے عرض کیا:

امیر المؤمنین ہی کو اس بارے میں زیادہ معلوم ہے۔

امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا:

وہ معزز یہ ہے۔ اس کے باپ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ماں فاطمہ بنت محمد رضی اللہ عنہا، نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، نانی خدیجہ رضی اللہ عنہا، چچا جعفر رضی اللہ عنہ، پھوپھی ہالہ بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا، ماموں قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ اور خالہ زینب بنت محمد رضی اللہ عنہا ہیں۔

(((خوبصورت بہانہ!)))

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ عرب کے نہایت ذہین وفطین افراد میں سے تھے۔ گفتگو میں ماہر تھے۔ شاید ہی کوئی شخص گفتگو میں کبھی ان پر غالب آ سکا ہو۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ ساری زندگی میں سوائے ایک شخص کے مجھ پر کوئی غالب نہیں آ سکا۔ ہوا یہ میں نے بنو حارث قبیلے میں شادی کا ارادہ کیا۔ اتفاق سے اس قبیلے کا ایک نوجوان میرے پاس بیٹھا تھا۔ میں نے اس سے مشورہ کیا کہ میں بنو حارث بن کعب کی فلاں لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس لڑکی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

اس نوجوان نے مجھ سے کہا: اے امیر! اس میں آپ کے لیے کوئی خیر و بھلائی نہیں۔

میں نے پوچھا: بھتیجے! آخر ماجرا کیا ہے؟

اس نے کہا: میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو اس لڑکی کو بوسہ دے رہا تھا۔

میں نے یہ سن کر اس لڑکی سے شادی کی نیت چھوڑ دی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اسی نوجوان نے اس لڑکی سے شادی رچالی ہے تو مجھے بڑا تعجب بھی ہوا اور دکھ بھی۔

میں نے اس سے کہا کہ تم نے مجھے تو شادی نہ کرنے کا مشورہ دیا اور خود اسی سے شادی کر لی۔ وہ بوسہ والی بات کدھر گئی؟

اس نے کہا کہ ہاں میں نے سچ کہا تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ اس لڑکی کا باپ اسے بوسہ دے رہا تھا۔

علم کا حصول گود سے گور تک

ابراہیم مہدی ایک مرتبہ خلیفہ مامون کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت مامون کے پاس علماء کی ایک جماعت علمی بحث ومباحثے میں مشغول تھی۔

مامون نے پوچھا: اے مہدی! یہ علمائے کرام جن مسئلوں میں بحث ومباحثہ کر رہے ہیں، ان کے متعلق تمھیں کچھ علم اورادراک ہے؟

مہدی نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! ان علماء نے ہمیں بچپن میں مشغول رکھا (پڑھایا لکھایا) اور بڑے ہو کر ہم خود ہی (حکومت کی ذمہ داری میں) مشغول ہو گئے۔ (پھر مسئلے کی تحقیق کا ہم سے کیا واسطہ؟)

خلیفہ مامون نے پوچھا: آج کل تعلیم کیوں نہیں حاصل کرتے؟

مہدی: کیا میری عمر کا آدمی اب علم اچھی طرح سیکھ سکتا ہے؟

خلیفہ مامون:

«نَعَمْ ! وَ اللهِ! لأَنْ تَمُوتَ طَالِبًا لِلْعِلْمِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَعِيشَ قَانِعًا بِالْجَهْلِ»

''ہاں، اللہ کی قسم! علم کی طلب میں تیری موت آ جائے، یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ تو جہالت پر قناعت کر کے زندگی بسر کرتا رہے۔''

مہدی: میں کب تک اچھی طرح علم حاصل کر سکتا ہوں؟

خلیفہ مامون: جب تک تیری زندگی تیرے ساتھ وفا کرے۔

(((قرآن یاد کرنے والا قرض سے بری)))

امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بنومخزوم کے ایک شخص نے اپنے مقروض ہونے کا شکوہ کیا۔ امیر المؤمنین نے فرمایا:

اگر تو واقعی مستحق ہے تو ہم تیرا قرض ادا کر دیں گے۔

وہ مخزومی بولا: اے امیر المؤمنین! میں آپ کی طرف سے قرض کی ادائیگی کا مستحق کیوں نہیں بن سکتا جبکہ میرے گھرانے اور قرابت داری سے آپ بخوبی واقف ہیں؟

امیر المؤمنین: کیا تو نے قرآن پڑھا ہے؟

مخزومی: نہیں۔

امیر المؤمنین: میرے قریب آؤ۔

جب وہ مخزومی قریب ہوا تو امیر المؤمنین نے اپنی چھڑی سے اس کے سر سے عمامہ اتار دیا، پھر اسے کچوکا دیا اور اپنے ہم نشینوں میں سے ایک آدمی سے فرمایا:

«ضُمَّ إِلَيْكَ هٰذَا الْوَغْدَ وَلَا تُفَارِقْهُ حَتّٰى يَقْرَأَ الْقُرْآنَ»

''اس احمق کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور اس وقت تک الگ مت کرنا جب تک کہ یہ قرآن پڑھ نہ لے۔''

اس قضیے کے بعد ایک دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور گویا ہوا:

اے امیر المؤمنین! آپ میرا قرض ادا کر دیں۔

امیر المؤمنین نے پوچھا: «أَتَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟»

''کیا تو قرآن پڑھنا جانتا ہے؟''

وہ شخص بولا: ہاں!

پھر امیر المؤمنین نے اس سے دس آیات سورۃ الانفال کی اور دس آیات سورۂ براءۃ کی تلاوت کروا کر سنیں اور فرمایا:

«نَعَمْ! نَقْضِي دَيْنَكَ وَ أَنْتَ أَهْلٌ لِذٰلِكَ»

''ہاں، ہم تیرا قرض ادا کر دیتے ہیں کیونکہ تو اس کا مستحق ہے۔''

))) سخاوت کا بہترین بدلہ (((

عبداللہ بن جعفر (1)، حسن (2)، حسین (3) اور ان کے ایک انصاری ساتھی مکہ سے مدینہ کو روانہ ہوئے۔ راستے میں انھیں موسلا دھار بارش نے آ گھیرا اور یہ ایک اعرابی کے خیمے میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ جب بارش تھمی اور مطلع صاف ہوا تو اعرابی نے اس کارواں کے لیے بکری ذبح کی اور ان کی خوب خاطر تواضع کی۔ یہ لوگ تین روز تک اعرابی کی ضیافت میں رہے۔ جب یہ کارواں اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا تو عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے اعرابی سے کہا: جب کبھی مدینہ آنا ہو تو ہمیں بھی شرف ملاقات بخشنا۔

چند سالوں کے بعد اس اعرابی کو فقر و محتاجی نے آ پکڑا۔ اس کی بیوی نے کہا: اگر تم مدینہ جاؤ اور ان جوانوں سے ملو جو اپنے یہاں رکے تھے تو ممکن ہے کوئی کام بنے؟

اعرابی بولا: میں ان کا نام بھی بھول چکا ہوں۔

بیوی نے کہا: لوگوں سے طیار کے بیٹے کے بارے میں پوچھنا۔

چنانچہ وہ اعرابی مدینہ پہنچا اور حسن رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ حسن رضی اللہ عنہ نے اسے ایک سو اونٹنیاں دیں، پھر حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انھوں نے کہا: ابو محمد اونٹ دے کر ہم کو کفایت کر گیا (اگر وہ اونٹ نہ دیتے تو میں بھی اونٹ ہی دیتا) چنانچہ ایک سو بکریاں عطا کیں۔ پھر اعرابی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ عبداللہ نے کہا: میرے دو بھائیوں نے اونٹ اور بکریاں دیں۔ چلو ہماری طرف سے یہ ہزار درہم قبول فرماؤ۔ پھر اعرابی ان کے انصاری ساتھی کے پاس آیا۔ انصاری نے کہا: میرے ساتھیوں کی طرح میرے پاس (اونٹ، بکریاں اور درہم) تو نہیں، البتہ اونٹوں کو لاؤ میں ان

سب پر پھل لا دوں۔

چنانچہ اعرابی کو اس کی سخاوت کا ایسا بدلہ ملا کہ اس کی کئی پشتیں اس نعمت سے محظوظ ہوتی رہیں۔

---

(1) عبداللہ بن جعفر، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے تھے۔ حضرت جعفر طیار نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور سرزمین حبشہ میں اللہ تعالیٰ نے انھیں عبداللہ جیسے بیٹے سے نوازا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے غزوۂ مؤتہ میں جام شہادت نوش کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مخاطب کر کے فرمایا تھا: جعفر میرے جسم اور اخلاق میں سب سے زیادہ میرے مشابہ تھے اور اے عبداللہ! تمام مخلوق میں تم اپنے باپ سے مشابہ ہو۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما بڑے معزز اور سخی تھے۔ عہد اسلام میں عربوں کے ہاں سخاوت کے لحاظ سے جن دس ہستیوں کی شہرت تھی ان میں ایک آپ بھی تھے۔ انھوں نے نوے سال کی عمر میں وفات پائی۔

(2) حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔ آپ کی والدہ جگر گوشہ رسول سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ وہ شعبان 3ھ میں پیدا ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت زیادہ پیار کیا کرتے تھے۔ امام زہری حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے۔ 40ھ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ خلیفہ بنے لیکن چند ہی ماہ بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کے معاہدے کے مطابق صوبہ اہواز کا ٹیکس جس کی مقدار دس لاکھ سالانہ تھی، آپ کو ملتا رہا۔ انھوں نے 47 سال کی عمر میں وفات پائی اور بقیع قبرستان میں مدفون ہوئے۔

(3) حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لخت جگر اور نواسہ رسول تھے۔ وہ ہجرت کے چوتھے سال شعبان کے مہینے میں پیدا ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام حسین رکھا، ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا اور سر کے بال منڈائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ جو حسین سے محبت کرے گا، اللہ اس سے محبت کرے گا۔ حسین میری اولاد کی اولاد ہے۔'' انھوں نے یزید بن معاویہ کی قیادت میں قسطنطنیہ کی مہم میں حصہ لیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید تخت نشین ہوا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت سے انکار کر دیا اور اہل کوفہ کی دعوت پر کوفے تشریف لے گئے لیکن راستے میں کربلا کے مقام پر شہید کر دیے گئے۔ یہ سانحہ دس محرم الحرام 61 ہجری کو رونما ہوا۔

(((یہ آپ کے آگے کون ہے؟)))

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو دوران سفر سواری پر آپ آگے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چونکہ ملک شام تجارت کی غرض سے جاتے رہتے تھے اس لیے راستہ کا علم تھا۔ اس سفر ہجرت میں جب قافلہ کا گزر کسی قوم کے پاس سے ہوتا تو لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھتے:

«مَنْ هَذَا بَيْنَ يَدَيْكَ يَا أَبَا بَكْرٍ؟»

''ابوبکر! یہ آپ کے آگے کون ہے؟''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے جواب میں کہتے:

«هَادٍ يَهْدِينِي»

''یہ مرشد ہیں جو میری رہنمائی کرتے ہیں''۔

مطلب یہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو مرشد راہ ہدایت تھے ہی، جو بنی نوع انسان کی رشد و ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قوم کا جواب بھی دے دیا اور بات جو کہی وہ بالکل برحق تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی ظاہر نہ کیا، کیونکہ لوگ انعام کے لالچ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

ہاں، اتنا ضرور تھا کہ سوال کرنے والے اور جواب دینے والے کی مراد میں اختلاف تھا!!

(((ہر بیٹا باپ جیسا نہیں ہوتا)))

مالک بن انس کا بیان ہے کہ دونوجوان امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہمارے والد محترم کی وفات ہوگئی، وہ ہمارے چچا حمید کے پاس مال چھوڑ گئے ہیں ان سے آپ ہمارا حق لے دیں۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے حمید کو بلانے کا حکم دیا۔ جب حمید حاضرِ خدمت ہوا تو عمر بن عبدالعزیز نے اس سے فرمایا: اے حمید! کیا تم ہی ان اشعار کے قائل ہو:

حُمَيْدٌ الَّذِی أَمَجٌ دَارُهُ أَخُوالْخَمْرِذُوالشَّيْبَةِالأَصْلَعُ

''حمید ہی ہے جس کا گھر شراب وکباب سے پُر ہے، وہ بوڑھا شراب نوش ہے جس کے سر کے بال گر چکے ہیں۔''

أَتَانِي الْمَشِيبُ عَلَى شُرْبِهَا وَ كَانَ كَرِيمًا فَمَا يَنْزِعُ

''مجھے شراب پیتے پیتے بڑھاپے نے آ گھیرا جب کہ یہ بڑھاپا معزز اور کریم تھا لیکن یہ بوڑھا شراب سے اپنا ہاتھ نہیں کھینچتا ہے۔''

حمید نے جواب میں کہا: ہاں۔

عمر بن عبدالعزیز: جب تم نے اقرار کر ہی لیا ہے تو میں اب تجھے کوڑے لگائے بغیر نہیں رہوں گا۔ حمید کہنے لگا: وہ کیوں؟

عمر بن عبدالعزیز: تم نے از خود شراب نوشی کا اقرار کر لیا ہے اور اپنے اشعار میں یہ بھی کہا ہے کہ شراب نوشی سے تم اپنا ہاتھ نہیں کھینچتے۔

حمید: اُف، کہاں ہیں آپ اے امیر المؤمنین! کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا ہے:

﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝﴾

''شاعروں کی پیروی وہ کرتے ہیں جو بہکے ہوئے ہوں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر ایک ایک بیابان میں سر ٹکراتے پھرتے ہیں اور وہ کچھ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔'' (الشعراء:226-224/26)

عمر بن عبدالعزیز: تیرا بھلا ہوا ے حمید! بلاشبہ تم نے (سزا سے) چھٹکارا حاصل کر لیا۔ چند لمحے بعد امیر المؤمنین نے کہا: تیرا ناس ہوا ے حمید! تیرا باپ اچھا آدمی تھا لیکن تو بہت برا نکلا۔

حمید: اللہ آپ کو صحیح سلامت رکھے۔ آپ اچھے آدمی ہیں لیکن آپ کے والد اس قدر اچھے نہیں تھے، ہر بچہ تو اپنے باپ جیسا نہیں ہوتا!

عمر بن عبدالعزیز: یہ بچے کہہ رہے ہیں کہ ان کا والد وفات پا گیا اور تیرے پاس مال چھوڑ گیا ہے؟

حمید: یہ اپنی بات میں سچے ہیں۔ میں ابھی ان کی امانت لاتا ہوں۔ پھر وہ بچوں کے باپ کی دی ہوئی انگوٹھی عمر بن عبدالعزیز کے پاس لایا اور بتایا کہ ان بچوں کے والد کا انتقال اتنے دنوں قبل ہوا ہے، میں ان پر اپنے ذاتی مال سے خرچ کرتا رہا ہوں اور یہ انگوٹھی ان کے حوالے ہے۔

عمر بن عبدالعزیز: تیرے علاوہ کوئی دوسرا اس انگوٹھی کا مستحق نہیں ہے (کیونکہ تو نے اپنا بہت سا مال ان بچوں پر خرچ کیا ہے، اس لیے اب یہ انگوٹھی اپنے ہی پاس رکھ لو۔)

حمید: میرے ہاتھ سے نکلی ہوئی چیز لوٹ کر میرے پاس نہیں آ سکتی (ایسا کرنا میرے لیے عیب کا باعث ہے۔)

(((معمولی عطیہ میرے شایان شان نہیں)))

یزید بن مہلب [1] نے بنو امیہ کے خلاف بغاوت کی اور بصرہ پر غالب آیا۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اسے گرفتار کرا کے قید خانے میں بند کروا دیا۔ یزید بن مہلب راتوں رات جیل سے فرار ہو گیا۔ اس کے ہمراہ اس کا بیٹا مخلد بھی تھا۔ یہ دونوں ایک ضعیف العمر عربی خاتون کے گھر اترے۔ خاتون نے ان کے لیے ایک بکری ذبح کی اور اس سے ان کی خاطر تواضع کی۔

صبح جب یہ باپ بیٹا بڑھیا کے پاس سے روانہ ہونے لگے تو یزید نے بیٹے سے پوچھا: تیرے پاس کتنا مال ہے؟

بیٹے نے بتایا کہ آٹھ سو دینار۔

یزید بن مہلب نے کہا:

یہ سارے دینار اس بڑھیا کے حوالے کر دو۔

بیٹے نے عرض کیا:

ابا جان! ابھی آپ پریشان حال ہیں۔ روپے پیسے کی ضرورت بھی ہے، پھر یہ بڑھیا آپ کی طرف سے دیے گئے چند سکوں ہی پر راضی ہو جائے گی۔ اور یہ آپ کو جانتی بھی نہیں ہے کہ آپ کون ہیں، کہاں سے آ رہے ہیں، آپ کی حیثیت کیا ہے؟

یزید نے اپنے بیٹے سے کہا:

«يَا بُنَيَّ! إِنْ كَانَ يُرْضِيهَا مِنِّي الْيَسِيرُ فَأَنَا لَا أَرْضَى بِالْعَطَاءِ الْيَسِيرِ، وَإِنْ كَانَتْ لَا تَعْرِفُنِي فَأَنَا أَعْرِفُ نَفْسِي»

”بیٹے! میری طرف سے معمولی عطیہ بڑھیا کو تو خوش کر سکتا ہے مگر میں اس سے مطمئن نہیں ہو سکتا (یہ میرے شایانِ شان نہیں)۔ اگر چہ بُڑھیا کو میرے بارے میں معلوم نہیں کہ میں کون ہوں یا میری حیثیت کیا ہے، مگر میں تو اپنی حیثیت کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔“

---

(1) یہ 53ھ میں پیدا ہوا اور اپنے باپ مہلب بن ابی صُفرہ کے بعد 82ھ میں مشرق (خراسان) کا والی بنا۔ حجاج بن یوسف نے اس کی خودسری کے باعث 85ھ میں اسے معزول کر دیا اور اگلے سال اسے اور اس کے بھائیوں کو جیل میں ڈال کر ایذا دی مگر یزید قید خانے سے فرار ہو گیا۔ سلیمان نے برسرِ اقتدار آ کر یزید بن مہلب کو خراسان بشمول عراق کا گورنر بنا دیا۔ یزید نے قہستان کے باغیوں کو مطیع کیا اور جرجان (ایران) کے پہاڑی علاقے میں جرجان نامی شہر آباد کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یزید بن مہلب کی مالی بدعنوانی کے باعث اسے معزول کر کے قلعہ حلب میں قید کر دیا۔ جب یزید بن مہلب کو معلوم ہوا کہ عمر بن عبدالعزیز کی زندگی معرض خطر میں ہے اور یزید بن عبدالملک خلیفہ بننے والا ہے تو وہ محافظین کو رشوت دے کر فرار ہو گیا۔ بعد میں اس نے بصرہ پر قبضہ کر لیا اور پھر 102ھ میں مسلمہ بن عبدالملک کی فوج سے لڑتے ہوئے مارا گیا۔ یزید بن مہلب کی سخاوت ضرب المثل تھی۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:4، ص:503۔ تاریخ اسلام، جلد:1، ص:785)

اولادِ رسول کی شناخت

علی بن حسین رضی اللہ عنہ[1] ایک دن مسجد کے باہر بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک آدمی آیا اور انھیں گالیاں دینے لگا۔ یہ سن کر سارے غلام و خدام اور دوسرے احباب اس آدمی پر ٹوٹ پڑے۔

علی بن حسین نے آواز دی: تم لوگ رک جاؤ، کوئی اس آدمی کو ہاتھ نہ لگائے۔

پھر علی بن حسین اس آدمی کے پاس آئے اور فرمایا: تم سے ہمارا کوئی معاملہ مخفی نہیں (تم نے یہ سب دیکھ ہی لیا) بتاؤ، کیا تمھاری کوئی حاجت ہے جس میں ہماری مدد کی ضرورت پڑ سکتی ہو؟

وہ آدمی شرم سے پانی پانی ہو گیا اور واپس جانے لگا۔

علی بن حسین نے اپنا کپڑا اس کے اوپر ڈال دیا اور اسے ایک ہزار درہم بھی عطا فرمائے۔ اس آدمی نے کہا:

«أَشْهَدُ أَنَّكَ مِنْ أَوْلاَدِ الرَّسُولِ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ آپ کا تعلق اولادِ رسول سے ہے۔ ایسا جود و کرم اولادِ نبی ہی میں ہو سکتا ہے۔''[2]

---

(1) علی بن حسین رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالحسن اور نسبت ہاشمی اور قرشی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے اور اہل بیت نبوی کے چشم و چراغ تھے۔ اپنے زہد و عبادت کی وجہ سے زین العابدین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حلم و ورع میں ضرب المثل تھے۔ کربلا میں ان کے والد بزرگوار حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو وہ بیمار تھے۔ انفاق فی سبیل اللہ، فیاضی اور دریا دلی ان کا خاص وصف تھا۔ تحمل، بردباری اور نرمی و ملاطفت ان کے اخلاق کی نمایاں صفات تھیں۔ وہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج: 2/14)

(2) عیون الادب والسیاسۃ

وکیل ہو تو تعمیل کرو

مسیّب بن واضح کہتے ہیں: میں عبداللہ بن مبارک[1] کی خدمت میں حاضر تھا۔ چند لوگوں نے ایک آدمی کے سلسلے میں عبداللہ بن مبارک سے اس کے سات سو درہم قرض کی ادائیگی چاہی۔ عبداللہ بن مبارک نے اس مقروض کو ایک خط میں یہ لکھ کر اپنے وکیل (قائم مقام) کے پاس روانہ کیا: ''جب تمھیں میرا خط ملے اور اس کو پڑھ لو تو حاملِ رقعہ کو سات ہزار درہم عطا کرو۔''

یہ مقروض خط لے کر روانہ ہوا، اسے خط کے اندر لکھی ہوئی تحریر کا پتہ نہ تھا۔ جب اس نے خط عبداللہ بن مبارک کے قائم مقام (وکیل) کو دیا تو وہ خط کا مضمون پڑھ کر اس کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا: عبداللہ کے ساتھ تیرا کیا معاملہ تھا؟

مقروض بولا: لوگوں نے ان سے میری جانب سے سات سو درہم قرض کی ادائیگی کی سفارش کی تھی، لہٰذا انھوں نے یہ خط دے کر مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔

وکیل بولا: لگتا ہے مجھے کوئی دوسری تحریر مل گئی ہے۔ خیر بیٹھو، میں تجھے مال دیتا ہوں۔ ذرا عبداللہ بن مبارک سے تیرے بارے میں کچھ مشورہ کرلوں۔

پھر وکیل نے عبداللہ بن مبارک کو لکھا: مجھے آپ کا خط ملا، خط پڑھا اور مضمون سمجھ لیا، لیکن حاملِ رقعہ سے جب میں نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کا تقاضا آپ سے صرف سات سو درہم کا تھا لیکن آپ کے رقعے میں سات ہزار درج ہے۔ اگر یہ غلطی سے تحریر ہو گیا ہو تو میرے پاس لکھ بھیجیں تاکہ میں آپ کے حکم کی تعمیل کر سکوں۔

جب رقعہ عبداللہ بن مبارک کی خدمت میں پہنچا تو اپنے وکیل کو جواب میں لکھا:

''جب تجھے میرا یہ جواب نامہ ملے تو اس شخص کو چودہ ہزار درہم دے دو۔''

جب یہ خط وکیل کو ملا تو اس نے پڑھنے کے بعد عبداللہ بن مبارک کو لکھا: اگر آپ کا یہی عمل رہا تو پھر بہت جلد آپ کو اپنی جاگیر فروخت کرنی پڑے گی!!

عبداللہ بن مبارک کو جب وکیل کا خط ملا تو انھوں نے یہ الفاظ لکھے:

«إِنْ كُنْتَ وَكِيلِي فَأَنْفِذْ مَا أَمَرْتُكَ وَإِنْ كُنْتُ وَكِيلَكَ فَتَعَالَ إِلٰى مَوْضِعِي حَتَّى أَصِيرَ مَوْضِعَكَ وَأُنْفِذُ مَا تَأْمُرُنِي بِهِ»

''اگر تم میرے وکیل ہو تو میرے حکم کو نافذ کرو اور اگر میں تمھارا وکیل ہوں تو تم میری جگہ آ جاؤ اور میں تمھاری جگہ آ جاتا ہوں، پھر میں تمھارے حکم کی تعمیل کروں گا۔''(2)

---

(1) عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ 118ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے وقت کے امام، محدث اور امیر الاتقیا تھے ان کا شمار کبار تبع تابعین میں ہوتا ہے۔ طلب علم کے لیے انھوں نے حرمین، شام، مصر، عراق، الجزیرہ، خراسان اور دیگر دور دراز علاقوں کا سفر کیا۔ وہ محدث ہونے کے ساتھ بہت بڑے تاجر بھی تھے لیکن وہ تجارت دنیاوی مال ومتاع کے حصول کے لیے نہیں بلکہ علماء کی امداد اور مساکین وفقرا پر صدقہ وخیرات کی غرض سے کرتے تھے۔ وہ سخاوت میں بھی ضرب المثل تھے۔ گفتار وکردار کے غازی ہونے کے ساتھ وہ میدان کارزار کے بھی غازی تھے۔ ان کی وفات پر خلیفہ ہارون رشید نے کہا: علماء کا سردار وفات پا گیا۔ انھوں نے 10 رمضان المبارک 181ھ میں وفات پائی۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:8)

(2) لطائف الاخبار

بہرہ ہوں اندھا نہیں!

ناصح نے ابوجعفر منصور[1] سے کہا کہ اے امیر المؤمنین! میں ملک چین کے سفر پر جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں چین پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہاں کے بادشاہ کے کان کی قوتِ سماعت ختم ہوگئی اور وہ بہرہ ہوگیا۔ اس پر بادشاہ زاروقطار رونے لگا۔ بادشاہ کے ہم نشینوں نے اسے صبر پر ابھارا۔ بادشاہ نے ہم نشینوں سے کہا:

«أَمَا إِنِّي لَسْتُ أَبْكِي لِلْبَلِيَّةِ النَّازِلَةِ وَلٰكِنِّي أَبْكِي لِمَظْلُومٍ يَصْرُخُ بِالْبَابِ فَلاَ أَسْمَعُ صَوْتَهُ»

''میں اس لیے نہیں رو رہا ہوں کہ میرے اوپر مصیبت آن پڑی ہے بلکہ مجھے اس لیے رونا آ رہا ہے کہ کوئی مظلوم انصاف کے لیے میرا دروازہ کھٹکھٹائے گا اور میں اس کی آہ نہیں سن پاؤں گا۔''

پھر بادشاہ نے کہا: ''ہاں یہ ٹھیک ہے کہ میں کان کی سماعت سے محروم ہو چکا ہوں اس لیے سن نہیں سکتا لیکن میری آنکھیں تو دیکھ رہی ہیں، ان کی روشنی سے محروم نہیں ہوا۔ چلو لوگوں میں اعلان کردو کہ لال کپڑا مظلوم کے سوا کوئی دوسرا نہ پہنے۔''

اس کے بعد بادشاہ شام کے قریب سوار ہو کر دیکھتے ہوئے چلتا تھا کہ کسی مظلوم نے تو اپنی فریادرسی کے لیے لال کپڑا زیب تن نہیں کیا تا کہ اس کی پکار پر لبیک کہے![2]

---

(1) ابوجعفر منصور (136ھ تا 158ھ) دوسرا عباسی خلیفہ تھا جو اپنے بھائی ابوعبداللہ سفاح کی وفات پر تخت نشین ہوا۔ اس نے عباسی خلافت کو مستحکم کیا اور بغداد کو دارالحکومت بنایا۔ وہ اپنے بیٹے جعفر کی نسبت سے ابوجعفر کہلاتا تھا۔ زبیدہ جعفر ہی کی بیٹی تھی جو بعد میں اپنے چچا زاد ہارون رشید کی ملکہ بنی۔ منصور کے بعد اس کا بیٹا مہدی تخت خلافت پر بیٹھا۔

(تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی جلد اول ص855-889)

(2) باقات الورود النضرۃ۔

آنکھ کا بال چاند نظر آ رہا تھا

قاضی ایاس [1] ایک جماعت کے ہمراہ ماہ رمضان کا چاند دیکھنے نکلے' اس میں مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ [2] بھی تھے جن کی عمر ان دنوں سو سال کے قریب تھی۔ انس بن مالک نے کہا: میں چاند دیکھ رہا ہوں' وہ دیکھو نظر آ رہا ہے' یہ کہہ کر اپنی انگلی سے چاند کی طرف اشارہ کرنے لگے لیکن لوگوں کو چاند نظر نہیں آ رہا تھا۔

قاضی ایاس نے ان کی طرف دیکھا تو انہیں انس بن مالک کی بھووں (ابرو) پر ایک بال نظر آیا جو ان کی آنکھ پر دائرہ بن گیا تھا اور انس بن مالک اس کو چاند سمجھ رہے تھے۔ ایاس نے اپنے ہاتھ سے اس بال کو نکال دیا اور ابروؤں کو درست کر کے پوچھا: اے ابوحمزہ! ذرا اب ہمیں چاند دکھائیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نظر گاڑ کر چاند دیکھنے لگے اور کہنے لگے: اب تو نظر نہیں آ رہا۔

---

(1) یہ ابوواثلہ ایاس بن معاویہ بن قرہ بن ایاس بن ہلال المزنی ہیں۔ تابعی ہیں۔ بصرہ کے قاضی تھے۔ بچپن ہی سے ذہانت وفطانت کے آثار ان پر نمایاں تھے۔ قضا کے سلسلے میں ان کے بڑے دلچسپ اور لطیف واقعات ہیں۔ ان کی وفات 122ھ میں ہوئی۔

(2) یہ انس بن مالک بن نضر ہیں۔ بچپن ہی میں آپ کی ماں ام سلیم رضی اللہ عنہا نے آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفر وحضر میں دس سال تک خدمت کی اور آپ کو خادم رسول ہونے پر فخر تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے مال واولاد میں برکت کی دعا فرمائی تھی؛ چنانچہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ مال وجائداد سے نوازا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت کا نتیجہ تھا کہ آپ کے پاس ایک باغیچہ تھا جس میں سال میں دو مرتبہ پھل لگتا تھا اور اس باغیچے سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ آپ کی زندگی ہی میں آپ کی اولاد اور اولاد کی اولاد کی تعداد سو (100) سے تجاوز کر چکی تھی۔ آپ کی وفات بصرہ میں ایک قول کے مطابق 93ھ میں ہوئی۔

وہ پھر بھی غضبناک نہ ہوا

معن بن زائدہ [1] ایک بڑا ہی سخی و فیاض، حلیم و بُردبار، عقل مند اور صائب الرائے انسان تھا۔ عربوں کے درمیان اس کے متعلق یہ بات زبانِ زد خاص و عام تھی کہ اسے کوئی بھی آدمی غصہ نہیں دلا سکتا کیونکہ اس کی عقل وشعور اور حلم و بردباری کی انتہا نے اس کی شخصیت کو بے رخ چلنے والی ہواؤں سے اٹھنے والی موجوں کے تھپیڑوں کا خوشی خوشی مقابلہ کرنے والا بنا دیا تھا۔

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے کہا: میں معن بن زائدہ کو غصہ دلا سکتا ہوں۔

لوگوں نے اس سے کہا: اگر تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو ہم لوگ تجھے سو سُرخ اُونٹنیاں بطور انعام دیں گے۔

وہ اعرابی معن بن زائدہ کے پاس حاضر ہوا۔ معن بن زائدہ اس وقت بیٹھا ہوا تھا۔ اعرابی گستاخانہ انداز میں داخل ہوا اور بغیر سلام کیے یہ اشعار پڑھنا شروع کر دیے ۔

أَتَذْكُرُ إِذْ لِبَاسُكَ جِلْدُ شَاةٍ   وَ إِذْ نَعْلَاكَ مِنْ جِلْدِ بَعِيرِ؟

”کیا تجھے وہ زمانہ یاد ہے جب بکری کی کھال تیری پوشاک ہوتی تھی اور تیرا جوتا اونٹ کی کھال سے بنا ہوتا تھا؟“

اعرابی کا یہ شعر سن کر معن بن زائدہ نے کہا: جس بات کا تم ذکر کر رہے ہو اس سے میں ناواقف نہیں ہوں اور نہ ہی اسے بھلاتا ہوں۔ پھر اعرابی نے یہ دوسرا شعر پڑھا ۔

فَسُبْحَانَ الَّذِي أَعْطَاكَ مُلْكًا   وَعَلَّمَكَ الْجُلُوسَ عَلَى السَّرِيرِ

”بڑی پاک ہے وہ ذات جس نے تجھے حکومت کی گدی کی زینت بنایا اور

تجھے چارپائی پر بیٹھنا سکھلایا۔''

معن بن زائدہ نے کہا: یہ اللہ کے فضل سے ہے، عربی بھائی! یہ کوئی تیرے فضل وکرم کا نتیجہ نہیں ہے۔ پھر اعرابی نے یہ شعر پڑھا۔

فَوَ اللهِ مَا عِشْتُ يَوْمًا عَلٰى مَعْنٍ أُسَلِّمُ بِالأَمِيرِ

''اللہ کی قسم! میں معن بن زائدہ کے سہارے ایک دن بھی زندگی نہیں گزار سکتا اور نہ ہی اس کی حکمرانی سے مرعوب ہو کر کبھی سلام کا نذرانہ پیش کر سکتا ہوں۔''

معن بن زائدہ نے کہا: اے عربی بھائی! سلام کرنا اسلام میں سنت ہے۔ اگر تم سلام کرو گے تو اس کا اجر وثواب ملے گا اور اگر سلام نہ کرو گے تو گناہ اٹھاؤ گے۔

پھر اعرابی نے یہ شعر پڑھا۔

سَأَرْحَلُ عَنْ بِلاَدٍ أَنْتَ فِيهَا وَلَوْ جُزْتُ الشَّامَ مَعَ الثُّغُورِ

''جس ملک میں تم بستے ہو، میں اسے چھوڑ کر چلا جاؤں گا اگرچہ شام کو سرحد سمیت مجھے (پیدل سفر کر کے) طے کرنا پڑے۔''

معن بن زائدہ نے کہا: عربی بھائی! اگر تم رہو گے تو ہم سے خیر اور بھلائی ہی کی امید ہے اور اگر چلے جاؤ گے تو ہماری سلامتی کی دعائیں تمھارے ساتھ رہیں گی۔

پھر اعرابی نے یہ شعر پڑھا۔

فَجُدْ لِي يَا ابْنَ نَاقِصَةٍ بِشَيْءٍ فَإِنِّي قَدْ عَزَمْتُ عَلَى الْمَسِيرِ

''اے ناقص عورت کے بیٹے! میرے لیے کچھ زادِ سفر کا بندوبست کر دے کیونکہ اب میں نے (تیری حکومت سے) کوچ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔''

معن بن زائدہ نے اپنے خادم سے کہا: اسے ایک ہزار دینار دے دو، تاکہ جب ہم سے دور ہو گا اور ہماری سرزمین سے کوچ کر جائے گا تو ان کو اپنے مصرف



میں استعمال کرے گا۔ اعرابی نے پھر یہ شعر پڑھا:

قَلِيلٌ مَا مَنَنْتَ بِهِ وَ إِنِّي لَأَطْمَعُ مِنْكَ بِالشَّيءِ الْكَثِيرِ

''جو کچھ تم نے مجھے دیا ہے وہ بہت کم ہے کیونکہ میں نے تجھ سے بہت زیادہ کی امید باندھی تھی۔''

معن بن زائدہ نے خادم سے کہا: اسے مزید ایک ہزار دینار دے دو۔

اعرابی نے اس مرتبہ یہ اشعار پڑھے:

سَأَلْتُ اللهَ أَنْ يُبْقِيَكَ دَهْرًا وَفَضْلُ نَدَاكَ كَالْبَحْرِ الْغَزِيرِ

''اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ وہ تجھے ایک زمانے تک زندہ رکھے کہ تیرا جود وسخا تو ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی مانند ہے۔''

فَمِنْكَ الْجُودُ وَالإِحْسَانُ حَقًّا فَمَا لَكَ فِي الْبَرِيَّةِ مِنْ نَظِيرِ

''حقیقی جود وسخا اور کرم و احسان کی پہچان تیری ہی ذات سے ہے۔ اس روئے زمین پر روئے زمین پر تیری کوئی نظیر نہیں پائی جاتی۔''

یہ سن کر معن بن زائدہ نے اپنے خادم سے کہا: اسے مزید ایک ہزار دینار دے دو۔

اعرابی گویا ہوا: اے امیر! دراصل میں نے آپ کے حلم و بردباری کے بارے میں لوگوں سے جو کچھ سن رکھا تھا، میں اس کا امتحان لینے کے لیے آیا تھا۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر حلم و بردباری اور جود وسخا کی صفات اکٹھی کر دی ہیں۔ اگر یہ دو صفات زمین کے پورے باشندگان پر بانٹ دی جائیں تو ان کو کفایت کر جائیں۔

معن بن زائدہ نے اپنے خادم سے پوچھا:

اعرابی کو اس نظم پر کتنے دینار دیے ہیں؟

خادم نے کہا: تین ہزار دینار۔

معن بن زائدہ نے کہا: اس کی نثر پر تین ہزار دینار اور دے دو۔

خادم نے مزید تین ہزار دینار اعرابی کو دے دیے۔ اعرابی یہ بھاری رقم لے کر شکریہ ادا کرتے ہوئے اور روتے ہوئے واپس ہوا۔

معن بن زائدہ نے پوچھا: اے عربی بھائی! کس بات پر تیرے یہ قیمتی آنسو بہہ رہے ہیں؟

اعرابی نے عرض کیا: مجھے یاد آ گیا کہ تیرے جیسے پیکر صفات انسان کو بھی ایک دن آغوشِ موت میں چلے جانا ہے۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے ۔

لَعَمْرُكَ مَا الرَّزِيَّةُ فَقْدُ مَالٍ وَلاَ فَرَسٌ يَمُوتُ وَلاَ بَعِيرُ

''تیری عمر کی قسم ہے! مال کا لٹ جانا اور گھوڑے یا اونٹ کا مر جانا کوئی مصیبت نہیں ہے۔''

وَلٰكِنَّ الرَّزِيَّةَ فَقْدُ حُرٍّ يَمُوتُ بِمَوْتِهِ خَلْقٌ كَثِيرُ

''بلکہ اصل مصیبت تو یہ ہے کہ کسی کریم و آزاد آدمی کا انتقال ہو جائے جس کی وفات سے ایک خلق کثیر مر جاتی ہے۔''(2)

---

(1) ابو الولید معن بن زائدہ شیبانی اسلام کا بطلِ جلیل اور نہایت سخی تھا۔ یزید بن عمر بن ہبیرہ نے اسے عراق کا والی بنایا تھا۔ جب بنو عباس برسر اقتدار آئے تو معن روپوش ہو گیا۔ پھر جب باغی راوندیوں نے خلیفہ ابو جعفر منصور کو دارالحکومت ہاشمیہ میں گھیر لیا اور لڑائی کا بازار گرم ہوا تو معن اچانک ظاہر ہو کر بہت بہادری سے منصور کی حمایت میں لڑا حتیٰ کہ بلوائیوں کو شکست ہوئی۔ منصور نے خوش ہو کر اسے یمن وغیرہ کا حاکم بنا دیا۔ بعد میں اُسے سجستان کی ولایت پر مامور کیا گیا۔ معن بن زائدہ 152ھ میں خارجیوں کے حملے میں مارا گیا۔ پھر اس کے بھتیجے یزید بن مزید نے خارجیوں کا قلع قمع کیا۔

(سیر اعلام النبلاء، جلد: 7، ص: 97-98 و تاریخ الاسلام للذھبی: 631/9)

(2) المختار من نوادر الاخبار

ہاں مجھے پہنچی ہے، ہاں مجھے پہنچی ہے

ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ رات کی تاریکیوں میں اپنے صحابہ کو ڈھونڈتے تھے کہ وہ کس طرح عبادت میں رات گزارتے ہیں، کیسے دعائیں کرتے ہیں، کیسے روتے اور گڑگڑاتے ہیں۔ اسی دوران آپ ﷺ کے کانوں میں ایک دروازہ کے پیچھے سے ایک بوڑھی خاتون کی قرأت کی آواز آئی۔ وہ رو رہی تھی اور بار بار یہ آیت دہرا رہی تھی:

﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾ (الغاشیہ:1)

''کیا تجھے بھی چھپا لینے والی (قیامت) کی خبر پہنچی''

وہ بڑھیا زاروقطار روتی جاتی تھی اور یہ آیت دہراتی جاتی تھی۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنا سر مبارک دروازہ سے لگا دیا اور رونے لگے، پھر گویا ہوئے:

«نَعَمْ أَتَانِي، نَعَمْ أَتَانِي» ''ہاں مجھے پہنچی ہے، ہاں مجھے پہنچی ہے''

اس بوڑھی خاتون کا حال یہ ہے کہ رات کی تاریکی میں جب کہ پوری دنیا آغوشِ نیند میں ہے، اپنے پروردگار کے دربار میں دعا و مناجات میں لگی ہے، عبادت و ریاضت میں لگی ہے، طاعت و بندگی میں لگی ہے، اور نوجوانانِ امت کا حال یہ ہے کہ نوافل تو کجا فرائض میں بھی سستی کرتے ہیں۔ وہ نوجوان جن کی ہڈیاں مضبوط ہیں، جن کی صحت اچھی ہے، جن کا جسم طاقتور ہے، اللہ تعالیٰ نے بے پناہ انعامات کیے ہیں۔ فضل و کرم کی بارشیں کی ہیں۔

پھر کیا ایسی صورت میں ہم لوگ اس بڑھیا سے زیادہ عبادت و ریاضت اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کے مستحق نہیں ہیں؟!

کیا اس واقعہ میں سمجھدار لوگوں کے لئے نصیحت نہیں ہے؟

(((اب اس کا کھانا میرے لیے جائز ہوا)))

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں ملک اُردن سے دو ٹوکری پکی ہوئی تازہ کھجور آئی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے پوچھا: یہ کیا ہے؟

لوگوں نے بتایا: یہ رطب (تازہ کھجور) ہے جو اُردن کے گورنر نے آپ کے لیے بھیجی ہے۔

عمر بن عبدالعزیز: یہ کس چیز پر رکھ کر لائی گئی ہے؟

بتایا گیا: ڈاک کے لیے استعمال کی جانے والی سواریوں پر۔

عمر بن عبدالعزیز: ڈاک کی سواریوں کو استعمال کرنے کا میں دیگر مسلمانوں سے زیادہ حقدار نہیں۔ تم کھجور کی ان دونوں ٹوکریوں کو لے جا کر بیچ ڈالو اور ان کی قیمت ڈاک کے لیے استعمال کیے جانے والے جانوروں کے چارے پر خرچ کرو۔

اس وقت عمر بن عبدالعزیز کا بھتیجا حاضر تھا، اس نے نزدیک کھڑے ایک آدمی کو کنکھی سے اشارہ کیا اور اس سے کہا: جاؤ جب ان دونوں ٹوکریوں کی قیمت لگ جائے تو انھیں خرید لو اور میرے پاس لاؤ۔ جب دونوں ٹوکریاں بازار بیچنے کے لیے لے جائی گئیں تو ان کی قیمت چودہ درہم متعین ہوئی۔ اس آدمی نے چودہ درہم میں کھجور کی یہ دونوں ٹوکریاں خرید لیں اور انھیں عمر بن عبدالعزیز کے بھتیجے کی خدمت میں حاضر کیا۔

بھتیجے نے کہا: ایک ٹوکری امیر المؤمنین کی خدمت میں لے جاؤ اور ایک میرے لیے رکھ چھوڑو۔



چنانچہ اس آدمی نے کھجور کی ایک ٹوکری حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں پیش کی۔

عمر بن عبدالعزیز نے پوچھا: یہ کیا ہے؟

جواب دیا: کھجور کی دونوں ٹوکریاں آپ کے بھتیجے نے خرید لیں، پھر ایک ٹوکری آپ کی خدمت میں بھیجی اور دوسری اپنے لیے رکھ لی۔

عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا:

«أَلآنَ طَابَ لِي أَكْلُهُ»

''اب میرے لیے اس کا کھانا جائز ہوا۔''(1)

---

(1) باقات الورود النضرة

تجھے کون بچائے گا؟

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی میں ہم لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک سایہ دار درخت چھوڑ دیا تاکہ آپ اس کے سایے تلے آرام فرمائیں۔ پھر صحابہ کرام مختلف درختوں کے سایے میں آرام کرنے کے لیے چلے گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کے ساتھ اپنی تلوار لٹکا دی اور اس کے سایے میں سو گئے۔ صحابہ کرام بھی متفرق ہو کر درختوں کے نیچے سو گئے تھے۔ اسی دوران ایک اعرابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کی تلوار درخت سے اتار کر اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اتنے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔ اعرابی نے تلوار لہراتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

«أَ تَخَافُنِي؟»

''تم مجھ سے ڈر رہے ہو؟''۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں''۔

اعرابی کہنے لگا:

«مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي؟»

''تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟''۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ''۔

اتنا سننا تھا کہ اعرابی کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر زمین پر گر گئی۔ پھر تلوار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں اٹھا لی اور فرمایا:

«مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي؟»

''تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟''۔

اعرابی لجاجت کے ساتھ عرض کرنے لگا:

«كُنْ خَيْرَ آخِذٍ»

''آپ اچھا بدلہ لینے والا بنیں''۔

مطلب یہ ہے کہ میں نے آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ آپ بھی بدلے میں مجھے قتل کر سکتے ہیں مگر آپ مجھے معاف فرما کر اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیں اور میری برائی کا بدلہ بھلائی سے دیں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«تَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ؟»

''کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں''۔

اعرابی نے کہا:

«أُعَاهِدُكَ أَنْ لاَ أُقَاتِلَكَ وَلاَ أَكُونَ مَعَ قَوْمٍ يُقَاتِلُونَكَ»

''میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ (آج کے بعد) میں آپ سے قتال نہیں کروں گا اور نہ ہی ان لوگوں کا ساتھ دوں گا جو آپ سے قتال کریں گے''۔

رسول اکرم ﷺ نے اسے معاف فرما کر اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ جب وہ اپنی قوم کے لوگوں کے پاس پہنچا تو ان سے کہا:

«جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ»

''میں تمہارے پاس ایک بہترین آدمی کے پاس سے آ رہا ہوں''۔(1)

(1) دیکھئے: فتح الباری (593/7)۔ یہ واقعہ بخاری اور مسلم وغیرہ کتب حدیث میں موجود ہے۔

((سو قتل کے بعد بھی بخشش کا پروانہ))

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں وہ کہتے ہیں: کیا میں تم لوگوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہ سناؤں جسے میرے ان دونوں کانوں نے سنا اور میرے دل نے محفوظ رکھا؟ (حدیث یہ ہے کہ) ایک شخص نے ننانوے آدمی قتل کیے پھر اسے توبہ کی توفیق ملی تو اس نے روئے زمین کے سب سے بڑے عالم کے متعلق دریافت کیا۔ جب ایک عالم کی نشاندہی کی گئی تو وہ اس کے پاس حاضر ہوا اور فتویٰ پوچھا:

«إِنِّي قَتَلْتُ تِسْعَةً وَ تِسْعِينَ نَفْسًا، فَهَلْ لِي مِنْ تَوْبَةٍ؟»

''میں نے ننانوے انسانوں کو قتل کیا ہے، کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی؟''

عالم نے جواب دیا: ننانوے خون کے بعد توبہ!! (نہیں نہیں، اب توبہ قبول نہیں ہوسکتی۔)

اس قاتل نے یہ فتویٰ سن کر اپنے میان سے تلوار کھینچی اور اس کا کام بھی تمام کر دیا اور یوں اس کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی فہرست میں اس عالم کا بھی اضافہ ہو گیا، چنانچہ اب یہ تعداد سو ہوگئی۔ پھر کچھ عرصہ بعد اس کے ضمیر نے ملامت کی تو اس نے پھر روئے زمین کے سب سے بڑے عالم کا پتہ پوچھا۔ اس کی ایک عالم کی طرف رہنمائی کی گئی۔ وہ اس کے پاس پہنچا اور یہ فتویٰ پوچھا:

«إِنِّي قَتَلْتُ مِائَةَ نَفْسٍ، فَهَلْ لِي مِنْ تَوْبَةٍ؟»

''میں نے سو خون کیے ہیں، کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے؟''

عالم نے جواب دیا:

«وَمَنْ يَحُولُ بَيْنَكَ وَ بَيْنَ التَّوْبَةِ؟»

''بھلا تیرے اور توبہ کے درمیان کون سی رکاوٹ ہے (کہ توبہ قبول نہ ہو گی؟ ضرور قبول ہو گی۔)''

جس برے گاؤں میں تیری رہائش تھی وہاں سے نکل کر فلاں گاؤں میں چلے جاؤ جو صالح و نیک لوگوں کی بستی ہے، اور وہاں جا کر اپنے پروردگار کی عبادت میں لگ جاؤ۔

وہ آدمی نیکوکاروں کی بستی کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں اس کی موت کا وقت آن پہنچا۔ رحمت اور عذاب کے فرشتے اس کی روح نکالنے کے بارے میں باہم جھگڑنے لگے۔

عذاب کے فرشتوں نے کہا: اس نے کبھی خیر کا کوئی کام نہیں کیا، اس لیے ہم ہی اس کی روح قبض کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔

رحمت کے فرشتوں نے کہا: یہ توبہ کی حالت میں (نیک بستی کی طرف) نکلا ہے، اس لیے اس کی روح ہم قبض کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک اور فرشتہ آدمی کی صورت میں بھیجا۔ فرشتوں نے اس کے سامنے مقدمہ پیش کیا۔

اس فرشتے نے کہا: دیکھو ان دونوں بستیوں میں کون سی بستی زیادہ قریب ہے، پھر جو بستی اس سے قریب ہو اس کے ساتھ اس کو شمار کرو۔

رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: جب اس آدمی کو موت نے آ دبوچا تو اس نے خود کو کچھ آگے کیا اور اس طرح نیکوکاروں کی بستی سے قریب اور بری بستی سے دور ہو گیا، چنانچہ فرشتوں نے اسے نیکوکاروں کی بستی میں شمار کیا اور رحمت کے فرشتوں نے اس کی روح قبض کی۔ (1)

---

(1) صحیح البخاری، احادیث الانبیاء، باب:54، حدیث:3470 و صحیح مسلم، التوبة، باب قبول توبة القاتل و إن كثر قتله، حدیث:2766 و مسند احمد:20/3

(((وہ ہم سے زیادہ دور اندیش تھے!)))

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللهَ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ، فَاخْتَارَ ذَلِكَ العَبْدُ مَا عِنْدَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ»

''اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو دنیا اور اپنے پاس موجود چیز (موت) کا اختیار دیا، تو اس بندہ نے اس چیز کو اختیار کیا جو اللہ عزوجل کے پاس ہے''۔

یہ تقریر سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور زاروقطار رونے لگے۔

حضرت ابوسعید کا بیان ہے: ہمیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رونے سے بڑا تعجب ہوا۔ کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کسی عام بندہ کے متعلق یہ خبر دی تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کیا ہو گیا کہ زاروقطار رونے لگے؟! مگر ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ درحقیقت وہ بندہ کوئی اور نہیں بلکہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی۔ یقیناً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب لوگوں سے زیادہ جاننے والے اور دور اندیش تھے [1]۔

(1) بخاری (1337/3)، مسند أحمد (18/3)۔

عظمت ام المومنین

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نہایت عالمہ، فاضلہ، مبلغہ اور خطیبہ' قرآن مجید کی حافظہ اور ہزاروں احادیث کی راویہ تھیں۔ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

«مَا أَشْكَلَ عَلَيْنَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللهِ ﷺ حَدِيثٌ قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ إِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْمًا».

''ہم صحابۂ کرام کو جب بھی کسی حدیث میں اشکال ہوتا تو اس کی توضیح کے لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف رجوع کرتے اور ان کے پاس ہمیں اس سلسلے کوئی وضاحت ضرور ہی مل جایا کرتی'' (1)۔

بلاغت میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ احنف کہتے ہیں: میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خطبہ سنا۔حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خطبے سنے۔ بڑے بڑے قادر الکلام، بڑے بڑے مقررین اور خطباء کو سنا لیکن:

«فَمَا سَمِعْتُ الكَلَامَ مِنْ فَمِ مَخْلُوقٍ أَفْخَمَ وَلَا أَحْسَنَ مِنْهُ مِنْ فِي عَائِشَةَ».

''میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی شخص کو عمدہ اور خوبصورت کلام کہتے ہوئے نہیں سنا۔'' (الحاکم)

وہ نہایت سخی تھیں، دل بہت غنی تھا۔ ہر چند کہ اللہ کے رسول ﷺ کے گھر میں فقر و فاقہ کے دن گزارے۔کئی کئی ہفتے گزر جاتے ان کے گھر میں روٹی پکنے یا سالن تیار کرنے کے لیے چولھا نہ جلتا تھا۔گزارہ صرف کھجور اور پانی پر ہوتا تھا۔اس کے

باوجود کبھی شکوہ نہ کیا۔

ان کے بھانجے عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے۔ اللہ کی قسم! شام ہونے تک انہوں نے اس لاکھ درہم کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ شام کو ان کی لونڈی نے عرض کیا: اگر اس رقم میں سے ایک درہم کا گوشت خرید لیتیں تو رات کے کھانے کا بندوبست ہو جاتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم نے پہلے مجھے کیوں نہ بتلایا کہ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے؟

اسی واقعے سے ملتا جلتا ایک دوسرا واقعہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی ام ذر بیان کرتی ہے کہ ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے دو تھیلیوں میں درہم ارسال کیے جو ایک لاکھ درہم کے برابر تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک تھال منگوایا' تمام درہم اس میں رکھ دیے اور اسے لوگوں میں تقسیم کرنے لگیں۔ اس روز اُمّ المومنین خود روزے سے تھیں۔ شام ہوئی تو خادمہ سے بولیں کہ روزہ کھولنے کے لیے افطاری کا سامان لاؤ۔

خادمہ (ام ذر) نے عرض کیا: ''اے ام المومنین! آپ نے لاکھ درہم تقسیم کر دیے' ان میں سے ایک درہم کا گوشت ہی خرید لیتیں کہ افطاری کا بندوبست ہو جاتا۔''

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''میری سرزنش مت کر۔ اگر تو مجھے پہلے بتاتی کہ گھر میں کچھ کھانے کو نہیں ہے تو میں ضرور خرید لیتی۔''

مشہور مؤلف زرکشی نے اپنی کتاب ''الاجابۃ'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے چالیس مناقب بیان کیے ہیں جو دیگر ازواج مطہرات کے مقابلے میں زیادہ ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر شادیاں بھی کیں مگر وہ تمام خواتین یا تو بیوہ تھیں یا مطلقہ۔ اور یہ

شادیاں قبائل سے تعلقات قائم کرنے یا امت کو تعلیم دینے کی غرض سے کی گئی تھیں۔ مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ واحد شخصیت ہیں جو کنواری تھیں۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام بیویوں سے زیادہ محبوب تھیں۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو انہی کے پاس قیام پذیر ہوئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوئے تو جسم مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھا۔ انہی کے گھر کو یہ فضیلت نصیب ہوئی کہ اس میں قبر مبارک بنائی گئی۔

جب حبشی غلام مسجد نبوی میں جنگی کرتب دکھا رہے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دکھلانے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کندھا پیش کیا۔ انہوں نے اپنا چہرہ آپ کے مبارک کندھے پر رکھ کر کھیل دیکھا حتی کہ وہ سیر ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ دو مرتبہ دوڑ لگائی۔ پہلی مرتبہ عائشہ رضی اللہ عنہا سبقت لے گئیں اور دوسری مرتبہ جب جسم بھاری ہو گیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جیت گئے اور آپ نے ارشاد فرمایا:

«هَذِهِ بِتِلْكَ».

''عائشہ! یہ اس دن کا بدلہ ہے'' (2)۔

ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی کے گھر آئے اور یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معاملے میں بحث مباحثہ کر رہی تھیں جیسا کہ عورتیں بعض اوقات اپنے خاوندوں سے کرتی ہیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غصے میں آئے اور اپنی بیٹی کو مارنا چاہا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے، اٹھے ہوئے ہاتھ کو روک دیا۔ چند لمحات میں معاملہ ختم تھا۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر سے واپس چلے گئے تو ارشاد فرمایا:

«أَلاَ تَرَيْنَ أَنِّي قَدْ حُلْتُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَكِ؟»

''تم نے دیکھا نہیں کہ میں تمھارے اور آدمی (تمھارے والد) کے درمیان حائل

ہوگیا (اور تم پٹتے پٹتے بچیں)؟!"(3)

اللہ کے رسول ﷺ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ ایک مرتبہ ایک فارسی نے آپ کو دعوت ولیمہ پر بلایا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب پردے کے احکامات نازل نہیں ہوئے تھے اور ازواج مطہرات پردہ نہیں کرتی تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے کہا: "وَهَذِهِ مَعِي" یعنی میری زوجہ عائشہ رضی اللہ عنہا میرے ساتھ ہوگی۔ اس نے کہا: میرے پاس ایک ہی مہمان کا انتظام ہے۔ چند روز کے بعد پھر اس نے کھانے کی دعوت دی۔ آپ ﷺ نے پھر اس سے کہا کہ یہ میرے ساتھ ہوگی۔ اس نے پھر عائشہ رضی اللہ عنہا کو دعوت دینے سے معذرت کی۔ تیسری مرتبہ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا میرے ساتھ ہوگی۔

اب اس کے لیے رضامندی کے اظہار کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔ اس سے اللہ کے رسول ﷺ کی محبت کا اندازہ کریں کہ بار بار اس شخص سے فرما رہے ہیں کہ میں اکیلا نہیں آؤں گا: بلکہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی میرے ساتھ ہوگی اور اس شخص کی صراحت دیکھئے کہ اس نے دو مرتبہ انکار کیا' پھر تیسری مرتبہ ہاں کہا(4)۔

پھر ایک دن ایسا بھی آیا جب قرآن میں اختیار دینے والی آیات نازل ہوئیں کہ اگر زوجات رسول ﷺ دنیا چاہتی ہیں تو ان کو دے دلا کر رخصت کر دیا جائے یعنی طلاق دے دی جائے۔

اب ذرا محبت کا اندازہ دیکھیے اللہ کے رسول ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس مسئلے میں ان کی مرضی دریافت کر رہے ہیں۔ تو کیا فرمایا:

«لَا تُبَادِرِينِي بِالْجَوَابِ حَتَّى تَسْتَأْمِرِي أَبَوَيْكِ».

"جب تک تم اپنے والدین سے مشورہ نہ کرلو جواب دینے میں جلدی نہ کرنا۔"

ڈر یہ تھا کہ کہیں جلد بازی میں دنیا کا انتخاب نہ کر لیں۔ مگر ادھر بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں، فوراً بولیں:

«أَفِيكَ أَسْتَأْمِرُ؟ أُرِيدُ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ».

''یہ بھی کوئی مشورہ کرنے کی بات ہے۔ بات صاف ہے میں اللہ، اس کے رسول اور آخرت کے گھر کی طلب گار ہوں(5)۔''

انہوں نے مال و دولت دنیا کو ذہن سے نکال دیا پھر دیگر امہات المومنین نے بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نقش قدم پر چلنا پسند کیا۔ اور سبھی نے اللہ، اس کے رسول اور دارِ آخرت کو پسند کیا۔ دنیا جس قدر گزارے لائق ملی اسی پر صبر و شکر کر کے اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئیں۔ رضی اللہ عنہن۔

---

(1) سنن ترمذی:3883۔

(2) [صحیح] مسند احمد:264/6، ابن ماجہ:1979، ابوداود:2578۔

(3) مسند احمد(272/4)، سنن نسائی کبری(9155)۔

(4) صحیح ابن حبان:5301۔

(5) مسند احمد:328/3، سنن النسائی الکبری:383/5۔

پہلے تولو پھر بولو

امام کسائی کا شمار سات مشہور قُرّاء میں ہوتا تھا اور یزیدی بھی معروف اور اچھے قراء میں سے تھے۔ یہ دونوں خلیفہ ہارون رشید کے زمانۂ حکومت میں بغداد کی ایک ہی مسجد میں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ امام کسائی ہارون رشید کے صاحبزادے امین کی تربیت وتادیب پر مامور تھے اور یزیدی مامون کو ادب سکھلاتے تھے۔

ایک مرتبہ امام کسائی اور یزیدی دونوں خلیفہ ہارون رشید کی خدمت میں حاضر تھے۔ اتنے میں نمازِ مغرب کا وقت آ گیا۔ لوگوں نے امام کسائی کو امامت کے لیے آگے بڑھایا۔ انھوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی لیکن سورۃ الکافرون کی تلاوت میں اٹک اٹک جاتے تھے، چنانچہ غلط پڑھی یا بھول گئے۔ جب سلام پھیرا تو قاری یزیدی نے کہا: اہل کوفہ کے امام وقاری اور وہ بھی سورۃ الکافرون میں بھول جائیں یا اٹک جائیں یا غلطی کریں؟؟!

جب عشاء کی نماز کا وقت آیا تو یزیدی نے لوگوں کو نماز پڑھائی لیکن ان پر قراءت مشکل ہوگئی اور سورۃ الفاتحہ ہی کی تلاوت میں غلطی کی اور بھول بھی گئے۔ جب نماز سے سلام پھیرا تو امام کسائی نے ان سے فرمایا:

«احْفَظْ لِسَانَكَ لاَ تَقُولُ فَتُبْتَلٰى إِنَّ الْبَلاَءَ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ»

''اپنی زبان کی حفاظت کا اہتمام رکھو اور کوئی ایسی بات مت کہو، کہ کہیں اس کی وجہ سے تم آزمائش میں گرفتار نہ ہو جاؤ کیونکہ آزمائش اکثر وبیشتر انسان کی گفتگو کے باعث ہی آتی ہے۔''

((نابینا بھی جماعت ترک نہ کرے))

رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک نابینا آدمی حاضر ہوا۔ اس کی آنکھیں بصارت سے ضرور محروم تھیں لیکن اس کا دل بصیرت سے پوری طرح منور تھا۔ یہی وہ مرد مومن تھا جس کو تاریخ اسلامی عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ[1] کے نام سے جانتی ہے اور جو توحید کا ایک عظیم اور بلند و بالا منارہ تھا۔

عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ معرکوں میں شریک ہوتے رہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بصارت سے محروم لوگوں کو جنگوں میں شرکت سے مستثنیٰ قرار دیا تھا۔ لیکن عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ جنگوں میں شرکت کرتے اور باضابطہ قتال کرتے تھے، چنانچہ وہ اللہ کی راہ میں شہادت کے شرف سے مشرف ہوئے۔

عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ایک دن رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں ایک نابینا آدمی ہوں، میرے اور مسجد کے درمیان راستہ ناہموار ہے درختوں اور جھاڑیوں کی رکاوٹیں بھی ہیں' میرا گھر بھی مسجد سے خاصا دور ہے اور میرے پاس کوئی آدمی بھی نہیں ہے جو میری رہنمائی کر سکے اور ہاتھ پکڑ کر مسجد تک لا سکے۔

«فَهَلْ تَجِدُ لِي رُخْصَةً أَنْ أُصَلِّيَ فِي بَيْتِي؟»

''تو کیا آپ میرے لیے اس بات کی کوئی رخصت پاتے ہیں کہ میں اپنے گھر ہی میں نماز پڑھ لیا کروں (اور مسجد میں حاضری کی مشقت سے بچ جاؤں؟)[2]

رسول اکرم ﷺ نے عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی مشقت و پریشانی دیکھی، عذر

معقول تھا، چنانچہ آپ نے فرمایا: ''ہاں، گھر میں نماز پڑھ سکتے ہو۔'' عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جب واپس ہو گئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی ان کے پیچھے روانہ کیا، آپ نے فرمایا:

«عَلَيَّ بِهِ»

''اسے میرے پاس بلا کر لاؤ۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت تو عطا فرما دی تھی مگر جماعت کی فرضیت و اہمیت کے پیش نظر انہیں واپس بلا لیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

«هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ ؟»

''کیا تم نماز کے لیے اذان سنتے ہو؟

عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے عرض کی: جی ہاں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَأَجِبْ» ''پھر تو تمہیں مسجد میں نماز کے لیے آنا ہوگا۔''(3)

ایک دوسری روایت میں ہے:

«مَا أَجِدُ لَكَ رُخْصَةً»

''میں تمہارے لیے (گھر میں نماز پڑھنے کی) کوئی رخصت نہیں پاتا ہوں۔''

مطلب یہ تھا کہ میں تمھارے لیے جماعت چھوڑ کر گھر میں نماز پڑھنے کی کوئی رخصت، کوئی گنجائش نہیں پاتا ہوں، اگر چہ تم نابینا ہو، اگر چہ تمھارے اور مسجد کے درمیان رکاوٹیں ہیں، اگر چہ تمھارا گھر دور بہت دور ہے، اگر چہ تمھارے پاس کوئی آدمی نہیں ہے جو مسجد تک تمھاری رہنمائی کر سکے، اور اگر چہ تم

اس (اندھے پن کی) مصیبت میں پھنسے ہو۔ لیکن جب اذان کی آواز تمھارے کانوں سے ٹکراتی ہے، یہ ربانی آواز تمھارے دل کے شعور و احساس تک رسائی حاصل کرتی ہے تو پھر تمھارے لیے مسجد کی جماعت چھوڑ کر گھر کے اندر نماز پڑھنا درست نہیں، مسجد میں ضرور حاضر ہوا کرو!!

(1) ان کے نام میں اختلاف ہے۔ اہل مدینہ ان کا نام عبداللہ بن قیس جبکہ اہل عراق ان کا نام عمرو بتاتے ہیں۔ بہرحال آپ اپنی کنیت ابن ام مکتوم ہی سے معروف ہیں۔ ان کی والدہ ام مکتوم عاتکہ بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا سابقین مہاجرین میں سے تھیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ بچپن ہی میں ان کی بینائی جاتی رہی۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت کرتے تھے۔ وہ مدینہ میں ایک یہودیہ کے ہاں رہتے تھے جو ان کا بہت خیال رکھتی تھی لیکن تھی گستاخ رسول، چنانچہ انھوں نے اسے قتل کر دیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گستاخ رسول یہودیہ کے خون کو رائیگاں قرار دے دیا۔ عہد فاروقی میں انھوں نے معرکۂ قادسیہ میں شرکت کی اور وہیں شہید ہوئے۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:1 ص:360-365)

(2) مسند احمد: 423/3

(3) صحیح مسلم، المساجد، باب یجب اتیان المسجد علی من سمع النداء، حدیث: 653
و ابن ماجه، المساجد و الجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، حدیث: 791

پادری کا قتل

گیند اچانک بڑے پادری کے سینے سے جا ٹکرائی اس نے گیند کو دبوچ لیا۔ بچوں نے اس سے اپنی گیند مانگی۔ اس نے گیند دینے سے انکار کر دیا۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا اور یہ علاقہ تھا بحرین کا، بحرین کے کچھ بچے گیند سے کھیل رہے تھے۔ شہر کا پادری انھیں کھیلتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ ایسے میں گیند اسے جا لگی۔

بچوں نے پھر اس سے کہا: مہربانی فرما کر ہماری گیند دے دیں۔

نہیں دوں گا۔ پادری نے بھنا کر کہا۔

اس پر ایک بچے نے کہا:

''میں آپ کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کا واسطہ دے کر کہتا ہوں، ہماری گیند دے دیں، ہمیں کھیلنا ہے''۔

''ہرگز نہیں دوں گا''۔ اس نے اور زیادہ سخت لہجے میں کہا۔

ساتھ ہی وہ بدبخت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا الفاظ کہنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہنے لگا۔

بچے تو غصے میں آ گئے، بپھر گئے۔ انھوں نے اپنی لاٹھیاں اٹھائیں اور پادری پر برسا دیں۔ اسے اتنا مارا، اتنا مارا کہ بدبخت جہنم رسید ہو گیا۔

اب یہ مقدمہ سیدنا فاروق اعظم امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پہنچا۔ انھوں نے مقدمے کی تفصیلات کو غور سے سنا۔ عیسائی اپنا زور اس بات پر صرف کر رہے تھے کہ ان بچوں کو قتل کا مجرم ثابت کر دیں۔ بچوں نے اپنے دلائل پیش کیے۔ اس نے جو

الفاظ نبی کریم ﷺ کی شان میں کہے تھے، وہ دہرائے۔ جب انھوں نے اپنی بات ختم کی تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ انھیں اس پادری کے قتل سے اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے، شاید اتنی خوشی کسی علاقے کی فتح کی خبر سن کر یا بہت زیادہ مال غنیمت ملنے سے نہیں ہوئی ہوگی۔ پھر آپ نے فرمایا:

''آج اسلام کو عزت نصیب ہوئی ہے، یہ چھوٹے چھوٹے بچے مبارک باد کے قابل ہیں، مجھے ان پر فخر ہے کہ جب ان کے سامنے ان کے نبی ﷺ کو برا کہا گیا اور گالی دی گئی تو انھیں غیرت آئی، اتنی غیرت کہ انھوں نے اس بدبخت کو قتل کر دیا۔ ایسے شخص کا قتل جائز ہے''۔ (1)

(1) عرصہ ہوا میں نے تاریخ کی کسی کتاب میں اس واقعہ کو پڑھا تھا مگر تلاشِ بسیار کے باوجود ابھی اس کا حوالہ نہیں مل سکا۔

نوخیز بچے کی اسلامی غیرت وحمیت

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اور اپنے اصحاب کو دین کی باتیں سکھلا رہے تھے اور ان کی تربیت وتزکیہ فرما رہے تھے۔ اس مجلس میں ایک نوخیز لڑکا تھا جس کا دل ایمان سے مالا مال اور حکمت اسلامی سے لبریز تھا۔ وہ مجلس سے اٹھ کر چھوٹے چھوٹے قدموں پر چلتا سیدھا اپنے چچا جُلاّس بن سوید کی خدمت میں حاضر ہوا جس کی عمر ساٹھ سال کی ہو چکی تھی لیکن اس کے دل میں نفاق سخت چٹان کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ وہ دیگر مسلمانوں کے ساتھ مل کر رسول اکرم ﷺ کی اقتدا میں پانچوں وقت نمازوں کی ادائیگی کرتا تھا، روزے رکھتا تھا اور خانہ کعبہ کی زیارت (عمرہ) بھی کرتا تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ رسول اکرم ﷺ اور آپ کی رسالت کو جھٹلاتا تھا۔

معصوم بچہ گویا ہوا:

«يَا عَمَّاهُ! سَمِعْتُ الرَّسُولَ ﷺ يُخْبِرُنَا عَنِ السَّاعَةِ حَتَّى كَأَنِّي أَرَاهَا رَأْيَ الْعَيْنِ»

''چچا جان! میں نے رسول اکرم ﷺ کو قیامت کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا تو مجھے ایسا لگا جیسے میں اپنی ان آنکھوں سے قیامت کو دیکھ رہا ہوں۔''

چچا جلاس بن سوید اپنے نوخیز بھتیجے سے یوں مخاطب ہوا:

او بچے! قسم ہے اللہ کی! اگر محمد سچا ہے تو ہم لوگ گدھوں سے گئے گزرے ہیں!!

یہ سننا تھا کہ بچے کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور اس کا جسم تھرا سا اٹھا۔ ایسا لگا جیسے کسی نے اس کے ضمیر کو جھنجھوڑ دیا ہو، چنانچہ وہ طیش میں آ کر بولا:

«يَا عَمِّ! وَاللهِ! إِنَّكَ كُنْتَ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلٰى قَلْبِى، وَاللهِ! لَقَدْ أَصْبَحْتَ الْآنَ أَبْغَضَهُمْ إِلٰى قَلْبِى جَمِيعًا، يَا عَمِّ! أَنَا بَيْنَ اثْنَتَيْنِ، إِمَّا أَنْ أَخُونَ اللهَ وَرَسُولَهُ فَلَا أُخْبِرُ الرَّسُولَ ﷺ وَإِمَّا أَنْ أُخْبِرَ الرَّسُولَ ﷺ وَلْيَكُنْ مَا يَكُونُ»

''چچا جان! اللہ کی قسم! آپ لوگوں میں سب سے زیادہ مجھے محبوب تھے لیکن اب میری نگاہ میں آپ سے زیادہ مبغوض کوئی نہیں ہے۔ چچا جان! اب میں دو میں سے صرف ایک ہو سکتا ہوں۔ یا تو میں آپ کی لب کشائی کے متعلق رسول اکرم ﷺ کو اطلاع نہ دے کر اللہ اور اس کے رسول کے معاملے میں خیانت کا مرتکب ہو جاؤں، یا آپ کے گستاخانہ کلمات سے رسولِ اکرم ﷺ کو آگاہ کر دوں، اور پھر جو ہو سو ہو!!''

جلاس بن سوید بولا:

«أَنْتَ طِفْلٌ غِرٌّ لَا يُصَدِّقُكَ النَّاسُ، فَقُلْ مَا شِئْتَ»

''تو ایک بے سمجھ بچہ ہے، لوگ تیری بات کی تصدیق تو کریں گے نہیں (بھلا تیری بات کون سنے گا؟) جاؤ تم جو کہنا چاہتے ہو کہو۔''

چھوٹا سا بچہ اپنے چھوٹے چھوٹے کمزور قدموں پر چلتا ہوا دربارِ نبوی میں حاضر ہوتا ہے اور رسول اکرم ﷺ کے سامنے بیٹھ کر گویا ہوتا ہے:

«يَا رَسُولَ اللهِ! الْجُلَاسُ بْنُ سُوَيْدٍ خَانَ اللهَ وَرَسُولَهُ، وَهُوَ عَمِّي، وَقَدْ تَبَرَّأْتُ إِلَى اللهِ ثُمَّ إِلَيْكَ مِنْهُ»

''اے اللہ کے رسول! یہ جلاس بن سوید جو میرا چچا ہے، یہ اللہ اور اس کے رسول کی شان میں گستاخی کر کے خیانت کا مرتکب ہوا ہے۔ میں پہلے اللہ کی

بارگاہ میں اور پھر آپ کے سامنے اس سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں۔"

رسولِ اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا:

«وَمَاذَا قَالَ؟»

"آخر اس نے کہا کیا ہے؟"

بچے نے بتایا کہ میرے چچا نے یہ گستاخ آمیز جملہ کہا ہے:

«وَاللهِ! لَوْكَانَ مُحَمَّدٌ صَادِقًا لَنَحْنُ شَرٌّ مِنَ الْحَمِيرِ!!»

"اللہ کی قسم! اگر محمد سچا ہے تو بلاشبہ ہم گدھوں سے بھی زیادہ برے اور گئے گزرے ہیں!!"

چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اکٹھا کیا اور ان سے اس معاملے میں مشورہ طلب کیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی:

«هٰذَا طِفْلٌ صَغِيرٌ لَا تُصَدِّقْهُ فَهُوَ لَا يَعِي مَا يَقُولُ وَالْجُلَاسُ ابْنُ سُوَيْدٍ يُصَلِّي مَعَنَا وَهُوَ شَيْخٌ كَبِيرٌ وَعَاقِلٌ»

"اے اللہ کے رسول! یہ چھوٹا بچہ ہے، آپ اس کی تصدیق نہ کریں، یہ تو اپنی بات کا مطلب بھی نہیں سمجھتا جبکہ جلاس بن سوید ایک عمر رسیدہ ہوش مند بزرگ ہیں، اور ہم لوگوں کے ساتھ نماز کی ادائیگی بھی کرتے ہیں۔"

صحابہ کرام کا مشورہ سن کر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو رہے اور اس چھوٹے بچے کی تصدیق نہیں کی۔

جب اس معصوم بچے نے فیصلہ اپنے خلاف سنا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر موتیوں کی لڑی کی طرح ٹپ ٹپ اس کے سرخ رخساروں پر گرنے لگے اور

اس کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی۔ اس نے انتہائی حزن و ملال اور رنج وغم کے عالم میں آسمان کی طرف اپنی نظر اٹھائی اور اس ہستی کی طرف متوجہ ہو گیا جو باریک بین ہے اور جس سے کوئی بھی بات مخفی نہیں بلکہ وہ دلوں کی بات سے بھی آگاہ و باخبر ہے، پھر یہ دعا کی:

«اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتُ صَادِقًا فَصَدِّقْنِي وَ إِنْ كُنْتُ كَاذِبًا فَكَذِّبْنِي»

''میرے پروردگار! اگر میں اپنی بات میں سچا ہوں تو تو مجھے سچا ثابت کر دے اور اگر میں جھوٹا ہوں تو تو مجھے جھوٹا ثابت کر دے!!''

اللہ کی قسم! ابھی وہ بچہ اس مجلس سے رخصت بھی نہیں ہوا تھا اور مسجد کے اندر ہی بیٹھا تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام ساتویں آسمان کے اوپر سے اس کی تصدیق کا پروانہ لے کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے:

﴿ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا ۖ وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ ﴾

''یہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انھوں نے نہیں کہا، حالانکہ یقیناً کفر کا کلمہ ان کی زبان سے نکل چکا ہے اور یہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے ہیں۔'' (التوبۃ 74/9)

پھر رسولِ اکرم ﷺ نے جلاس بن سوید کو بلا کر پوچھا تو وہ اپنی بات سے مکر گیا اور قسم کھا کر کہنے لگا کہ اس نے نبی کریم ﷺ کے خلاف کچھ بھی زبان درازی نہیں کی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا:

يَقُولُ اللَّهُ: ﴿ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا ۖ وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ ﴾

أَمَّا أَنْتَ يَا جُلَاسُ، فَقَدْ كَفَرْتَ بِاللَّهِ، فَاسْتَأْنِفْ تَوْبَتَكَ،

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انھوں نے نہیں کہا، حالانکہ یقیناً کفر کا کلمہ ان کی زبان سے نکل چکا ہے اور یہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے ہیں۔' (التوبۃ:74/9)

'اے جلاس! تم نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ہے، اب تم اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَإِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ﴾

''یہ اگر اب بھی توبہ کر لیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے۔'' (التوبۃ:74/9)

اس کے بعد رسول اکرم ﷺ نے اس چھوٹے سے بچے کو اپنی خدمت میں بلا کر اس سے فرمایا:

«مَرْحَبًا بِالَّذِي صَدَّقَهُ رَبُّهُ مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمَاوَاتٍ»

''اس خوش نصیب بچے کو خوش آمدید جس کی تصدیق اس کے پروردگار نے سات آسمانوں کے اوپر سے کی ہے۔''(1)

قارئین کو معلوم ہونا چاہیے کہ صداقت ونجابت اور غیرت وحمیت کا یہ معصوم پُتلا وہی جلیل القدر صحابی ہے جس کو تاریخ اسلامی عمیر بن سعد بن عبید بن نعمان انصاری(2) کے نام سے جانتی ہے اور جن کی صداقت کے بارے میں جب قرآن نازل ہوا تو رسول اکرم ﷺ نے ان کا کان پکڑ کر فرمایا تھا:

«وَفَتْ أُذُنُكَ يَا غُلَامُ، وَصَدَّقَكَ رَبُّكَ»

''اے بچے! تیرے کان نے ٹھیک سنا اور تیرے پروردگار نے تیری تصدیق فرمائی۔''(3)

اور یہی وہ عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ ہیں جن کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حمص کا گورنر بنا کر بھیجا تھا اور جو شام میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اور وہیں وفات پائی۔

(1) سیوطی نے ''الدر المنثور: 464,463/3 میں اسے بیان کیا ہے۔ اور اس کی نسبت ابن ابی حاتم، عبدالرزاق اور ابن منذر کی طرف کی ہے۔

(2) عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کا شمار فضلا و زہاد صحابہ میں ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں حمص کا عامل مقرر کیا۔ اہل کوفہ کا خیال ہے کہ عہد نبوی میں جس ابوزید نامی صحابی نے قرآن کو جمع کیا تھا جس کا نام سعد تھا، وہ ان کے والد تھے لیکن بعض لوگوں کی رائے اس کے خلاف ہے۔ انھوں نے شام میں وفات پائی۔ ان کی وفات کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کاش! عمیر کی طرح کا کوئی شخص ہو جس سے میں مسلمانوں کے اعمال کے متعلق مدد لوں۔ (اسد الغابہ، ج:4)

(3) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: 290/3، رقم: 2006

دربارِ قیصر میں اذان کا مقصد

ابو محمد بن قتیبہ، ابوابراہیم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عمر رسیدہ ہو گئے تو انھیں بے خوابی کا مرض لاحق ہو گیا۔ رات کو جب وہ سوتے تو بسا اوقات عیسائیوں کے گرجا گھر سے اٹھنے والی ناقوس کی آواز ان کے کانوں سے ٹکراتی اور ان کی نیند اڑ جاتی۔ ایک دن صبح سویرے جب ان کی خدمت میں لوگ حاضر ہوئے تو فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ! هَلْ فِيكُمْ مَنْ يَفْعَلُ مَا اٰمُرُهُ بِهِ وَ أُعْطِيهِ ثَلَاثَ دِيَاتٍ أُعَجِّلُهَا لَهُ وَدِيَتَيْنِ إِذَا رَجَعَ»

''اے عرب قوم! کیا تم میں کوئی ایسا بہادر ہے جو میرے حکم کی تعمیل کر سکے اسے میں مہم کی انجام دہی سے قبل تین دیت کے مساوی رقم دوں گا اور جب وہ مہم سے واپس آئے گا تو مزید دو دیت کے مساوی انعام سے نوازوں گا۔''

امیر معاویہ کی بات سن کر غسان کا ایک نوجوان اٹھ کھڑا ہوا اور گویا ہوا:

«أَنَا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ!»

''امیر المومنین! آپ کے حکم کو سرانجام دینے کے لیے ناچیز حاضر خدمت ہے۔''

امیر معاویہ نے فرمایا:

«تَذْهَبُ بِكِتَابِي إِلٰى مَلِكِ الرُّومِ فَإِذَا صِرْتَ عَلٰى بِسَاطِهِ أَذَّنْتَ»

''تم میرا خط لے کر شاہِ روم کے پاس جاؤ گے، جب اس کے دربار میں پہنچ جاؤ تو بلند آواز سے اذان کہو گے۔''

غسانی نوجوان نے عرض کیا: پھر کیا حکم ہے؟

امیر معاویہ نے فرمایا: صرف یہی درکار ہے۔

غسانی نوجوان گویا ہوا:

«لَقَدْ كَلَّفْتَ صَغِيرًا وَأَعْطَيْتَ كَبِيرًا»

''آپ نے کام تو بہت معمولی دیا مگر معاوضہ بہت زیادہ رکھا۔''

اس کے بعد نوجوان روم کو روانہ ہو گیا۔ شاہِ روم کا دربار لگا ہوا ہے، چاروں طرف سے وزرا اور درباریوں کا گروہ اسے گھیرے ہوئے ہے، بادشاہ ان کے مابین جلوہ افروز ہے۔ فوجیوں کا دستہ چاق و چوبند، مخصوص وردی میں حفاظتی فرائض انجام دے رہا ہے۔ قالین بچھا ہوا ہے۔ ہیرے جواہرات کی رنگینیاں شاہِ روم کے دربار کی خوبصورتی میں چار چاند لگائے ہوئے ہیں اور کسی اہم موضوع پر دلچسپ بحث چل رہی ہے۔ اسی دوران میں امیر معاویہ کا نمائندہ غسانی نوجوان بلا جھجک شاہِ روم کے دربار میں داخل ہو جاتا ہے، اور محافظین کے دستے کی صفوں کو چیرتا ہوا آگے کو بڑھتا ہے اور اچانک وہاں موجود لوگوں کے کانوں سے اذان کا یہ کلمہ ٹکراتا ہے:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ . . .»

اور امیر معاویہ کا ایلچی نوجوان پوری اذان سنا کر درباریوں کو متحیر کر دیتا ہے۔

شاہِ روم کے ارد گرد فوجیوں اور محافظین کا دستہ ہے، وہ اپنی تلواریں فوراً سونت کر آگے بڑھتے ہیں کہ اس گستاخ مسلمان نے ہمارے شاہ کی توہین کی ہے، اب اس کا سرتن سے جدا ہونا چاہیے۔ اچانک شاہِ روم بلند آواز سے اپنے فوجیوں کو آگے قدم بڑھانے سے روک دیتا ہے۔ فوجیوں کے جذبات بھڑکے ہوئے ہیں۔ انھیں ایک ہی فکر ہے کہ اس گستاخ مسلم کا سر چاہیے اور بس!! اتنے میں بادشاہ کی

آواز گونجتی ہے: ''اپنی تلواریں میان میں رکھ لو۔'' اور کچھ ہی لمحے بعد بادشاہ فوجیوں سے پہلے مسلمان ایلچی کے سامنے آتا ہے اور گھٹنے ٹیک کر بیٹھ جاتا ہے۔

اب جب کہ فوجیوں کی تلواریں میان میں واپس جا چکی ہیں، بادشاہ درباریوں سے مخاطب ہوتا ہے: ''کیا تمھیں معلوم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اوپر تمھارا اور تمھارے اوپر ان کا کیا حق ہے؟'' غالباً بادشاہ اس جملے کے ذریعے سے اپنے درباریوں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنا چاہتا تھا اور یہ بتانا چاہتا تھا کہ اس طرح کسی ایلچی کو قتل کرنا عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔

غرض معاملہ ٹھنڈا کرنے کے بعد بادشاہ مسند پر جا بیٹھا اور درباریوں سے مخاطب ہوا:

«يَا مَعْشَرَ الْبَطَارِقَةِ! إِنَّ مُعَاوِيَةَ قَدْ أَسَنَّ وَمَنْ أَسَنَّ أَرِقَ وَقَدْ أَذَتْهُ النَّوَاقِيسُ فَأَرَادَ أَنْ يُقْتَلَ هٰذَا عَلَى الْأَذَانِ فَيَقْتُلُ مَنْ بِبِلَادِهِ عَلٰى ضَرْبِ النَّوَاقِيسِ وَبِاللهِ لَيَرْجِعَنَّ إِلَيْهِ عَلٰى خِلَافِ مَا ظَنَّ»

''اے فوجیوں کی جماعت! معاویہ بوڑھے ہو چکے ہیں اور جو آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے وہ بے خوابی کا مریض بن جاتا ہے (اور رات کو اسے بہت ہی کم نیند آتی ہے،) ناقوس کی آواز سے انھیں تکلیف ہوتی ہے، اس لیے انھوں نے اپنے اس نوجوان ایلچی کو میرے دربار میں اذان دینے کے لیے بھیجا ہے تاکہ اذان کے جرم میں اگر اسے قتل کر دیا گیا تو وہ ناقوس بجانے کے جرم میں اپنے ملک کے سارے عیسائیوں کا خون کر دیں، اس لیے اللہ کی قسم! ان کا یہ ایلچی ان کے خلافِ توقع ان کے پاس واپس جائے گا (ہم اسے کوئی زک نہیں پہنچائیں گے۔)''

چنانچہ شاہِ روم نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس نوجوان ایلچی کو کپڑے کے

جوڑے عنایت کیے اور انعام واکرام کے ساتھ سواری دے کر اسے روانہ کیا۔ جب وہ نوجوان واپس امیر معاویہ کی خدمت میں آیا تو انھوں نے پوچھا:

«أَوَ قَدْ جِئْتَنِي سَالِمًا؟»

''کیا تم صحیح سالم میرے پاس واپس آ گئے؟''

نوجوان نے جواب دیا:

«أَمَّا مِنْ قِبَلِكَ فَلاَ»

''میں آپ کی کرم فرمائی سے تو نہیں البتہ شاہِ روم کی کرم فرمائی سے واپس آ رہا ہوں۔''

کہتے ہیں کہ جس زمانے میں مسلمانوں کا خلیفہ جس صلاحیت کا مالک ہوتا تھا، روم کا بادشاہ بھی اسی صفت کا حامل ہوا کرتا تھا۔ اگر مسلمانوں کا خلیفہ ہوشیار اور سیاستدان ہوتا تو روم کا بادشاہ بھی اسی کی طرح ہوتا اور اگر مسلم خلیفہ کچھ کم لیاقت والا ہوتا تو شاہ روم بھی اسی کے مانند ہوتا۔ جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں شاہ روم بہت ہی ہوشیار اور سیاستدان تھا، اس نے اپنی رعایا کے لیے دیوان بنوایا اور دشمنوں کی سازشوں کو ناکام کر کے اُنھیں سرنگوں کر دیا تھا، اسی طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جو روم کا بادشاہ بنا وہ بھی انھی کی طرح ذہین وفطین تھا۔ [1]

(1) دیکھیے اخبار الاذکیاء لابن جوزی، ص:147

رسول اکرم ﷺ کے ادب واحترام کا تقاضا

جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴾

''اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو، اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال اکارت جائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو۔'' (الحجرات:2/49)

آیت کریمہ میں رسول اکرم ﷺ کے لیے ادب و احترام اور تعظیم و تکریم کا بیان ہے جس کا ہر مسلمان سے تقاضا ہو رہا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی موجودگی میں ادب کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کی مجلس میں بلند آواز سے گفتگو نہ کی جائے اور آپ سے کلام کرتے وقت وقار و سکون کا غایت درجے لحاظ رکھا جائے۔ نیز رسول اکرم ﷺ سے اس طرح اونچی اونچی آواز سے بات نہ کی جائے جس طرح آپس میں بے تکلفی سے ایک دوسرے سے کی جاتی ہے۔

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ (1) اپنے گھر آئے اور دروازہ بند کر لیا۔ یہ رسول اکرم ﷺ کے خطیب تھے۔ اسلام کی حمایت میں تقریر کیا کرتے تھے اور اسلام پر اعتراضات کا دفاع کرتے تھے۔ بسا اوقات ان کی آواز رسول اکرم ﷺ کی آواز سے اونچی ہو جایا کرتی تھی کیونکہ ان کی آواز قدرتی طور پر بلند تھی، حالانکہ آیت میں مقصود یہ نہیں ہے بلکہ یہاں ان

لوگوں کے بارے میں کہا گیا جو ادب و احترام کو ملحوظِ خاطر رکھے بغیر اونچی آواز سے رسول اکرم ﷺ سے بے تکلف باتیں کرتے تھے۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی آواز تو اسلام کی سر بلندی کے لیے اونچی ہوا کرتی تھی، اس لیے وہ اس آیت کے مصداق نہیں تھے۔

غرض حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے خود کو گھر کے اندر بند کر لیا اور زار و قطار رونے لگے یہاں تک کہ ان کی پسلیاں ٹوٹنے کے قریب ہو گئیں۔ انھوں نے کہا:

«وَالَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ لَا أَخْرُجُ مِنْ بَيْتِي حَتَّى يَتُوبَ اللهُ عَلَيَّ أَوْ أَمُوتَ فِي بَيْتِي»

''قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، میں اپنے گھر سے اس وقت تک نہیں نکل سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ کر لے یا میں گھر ہی کے اندر مر نہ جاؤں۔''

جب رسول اکرم ﷺ نے اپنی مجلس سے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو غائب پایا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ (2) سے پوچھا:

«يَا أَبَا عَمْرٍو! مَا شَأْنُ ثَابِتٍ؟ أَشْتَكَى؟»

''اے ابو عمرو! ثابت کا کیا حال ہے؟ کہیں وہ بیمار تو نہیں؟''

حضرت سعد بن معاذ نے عرض کی:

«إِنَّهُ لَجَارِي وَمَا عَلِمْتُ لَهُ بِشَكْوَى»

''وہ میرے پڑوسی ہیں، مجھے ان کی بیماری کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔''

جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے گھر آئے تو ان سے

رسول اللہ ﷺ کی بات کا تذکرہ کیا۔ ان کے جواب میں حضرت ثابت نے کہا: یہ (مذکورہ) آیت کریمہ نازل ہوئی ہے، اور آپ لوگ جانتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی مجلس میں سب سے اونچی آواز میری ہی ہوتی ہے، اس لیے میں تو جہنمی ہو گیا ہوں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آ کر رسول اکرم ﷺ سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

«بَلْ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ»

"بلکہ وہ تو جنتیوں میں سے ہیں۔"(3)

یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول اکرم ﷺ زندہ تھے اور صحابہ کرام کے ساتھ آپ کی نشست و برخواست تھی۔ لیکن آج رسول اکرم ﷺ کا وجود ہم میں نہیں ہے اس لیے آپ کے حق میں ادب و احترام اور تعظیم و تکریم یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی بتلائی ہوئی تعلیمات کے مطابق عمل کیا جائے اور جن جن باتوں سے آپ ﷺ نے روکا ہے ان سے کلی طور پر اجتناب کیا جائے۔ رسول اکرم ﷺ کا کوئی بھی حکم جب ہمارے سامنے آ جائے اور وہ صحیح سند سے ثابت ہو تو پھر ہمیں چاہیے کہ فوراً اس حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیں، خواہ ہماری فکر اس سے متصادم کیوں نہ ہو؟ اور جن باتوں سے روکا ہے ان سے رک جائیں خواہ ان کی تائید میں بڑے بڑے لوگوں کے اقوال و آرا کیوں نہ موجود ہوں۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے حق ادب و احترام کا تقاضا یہی ہے، یہی محبتِ رسول بھی ہے اور اسی میں مسلمانوں کی کامیابی کا راز بھی مضمر ہے:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾

''اور (اللہ کا) رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے منع کرے تو اس سے رک جاؤ۔'' (الحشر 7/59)

---

(1) ثابت بن قیس بن شماس انصاری نبی ﷺ کے خطیب تھے۔ ان کی والدہ بنو طے سے تھیں۔ ان کی کنیت ابو محمد تھی۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ انھوں نے خلافت صدیقی میں جنگ یمامہ میں جام شہادت نوش کیا۔ (اسد الغابہ، ج:1)

(2) سعد بن معاذ بن نعمان ایک جلیل القدر صحابی اور مدینہ منورہ میں اوس کے ایک بڑے قبیلے بنو عبدالاشہل کے نامور اور معزز سردار تھے۔ وہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ سریہ بواط کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے انھیں اپنا جانشین مقرر کیا۔ تمام غزوات میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔ غزوۂ خندق میں ایک مشرک کے تیر سے ان کا بازو شدید زخمی ہو گیا۔ یہی زخم ان کی شہادت کا سبب بنا۔ ان کی وفات کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سعد کی موت سے عرش عظیم جنبش میں آ گیا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:11)

(3) دیکھیے صحیح بخاری: 3613، 4846، و مسلم: 119۔

(((خلیفہ جس پر رشک کرے!)))

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک حرم شریف میں داخل ہوا تو اس کے ہمراہ وزرا و امراء اور حفاظتی دستے کے علاوہ بری فوج کے لوگ بھی تھے۔ اس نے دریافت کیا کہ مکہ کے عالم کون ہیں؟

لوگوں نے بتایا: عطا بن ابی رباح[1] ہیں۔

سلیمان بن عبدالملک نے حکم دیا کہ مجھے عطا بن ابی رباح دکھلاؤ۔

سلیمان بن عبدالملک کو بتلایا گیا کہ وہ سامنے بیٹھے ہوئے صاحب عطا بن ابی رباح ہیں۔ خلیفہ نے دیکھا کہ وہ ایک معمولی آدمی لگ رہے ہیں جن کا بے حس و حرکت چھوٹا سا سر، آنکھیں نیلی اور بال گھونگریالے ہیں، دینار و درہم کے مالک بھی نہیں معلوم ہوتے۔

خلیفہ نے ان سے پوچھا:

«أَأَنْتَ عَطَاءُ بْنُ أَبِي رِبَاحٍ الَّذِي طَوَّقَ ذِكْرُكَ الدُّنْيَا؟»

''کیا آپ ہی عطا بن ابی رباح ہیں جن کے چرچے دنیا بھر میں ہیں۔

عطاء بن ابی رباح: «يَقُولُونَ ذٰلِكَ»

''لوگ یہ کہتے ہیں۔''

خلیفہ سلیمان: کس طرح آپ نے یہ علم حاصل کیا؟

عطا بن ابی رباح:

میں نے اس علم کے حصول میں مسجد حرام میں تیس برسوں تک اپنا بستر رکھ چھوڑا اور اس مدت میں مسجد حرام ہی میں مقیم رہا۔

پھر خلیفہ سلیمان نے یہ اعلان کر دیا:

«يَا أَيُّهَا الْحُجَّاجُ لاَ يُفْتِي فِي الْمَنَاسِكِ إِلاَّ عَطَاءٌ»

''اے حاجیو! مناسکِ حج کا فتویٰ عطا بن ابی رباح کے علاوہ کوئی اور نہیں دے گا۔''

یہ تھے ہمارے اسلاف' جو علمِ دین' تقوی و پرہیز گاری اور گم نامی کی زندگی اختیار کرنے کے باوجود بھی خلفا وسلاطین کے لیے قابلِ رشک بنے رہے!!

(1) عطا بن ابی رباح فہری ؒ کبار تابعین میں سے تھے۔ دو سو سے زائد صحابہ کرام کو پایا۔ یہ نہایت ثقہ، فقیہ، محدث، امام اور عالم دین تھے۔ حدیث کے استاد تھے اور حج وعمرہ کے مسائل کو اپنے وقت میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ انھوں نے 70 حج کیے اور 100 سال کی عمر میں وفات پائی۔

(((درویش خلیفہ)))

عمر بن عبدالعزیز نے جب خلافت کی باگ ڈور سنبھالی، اس وقت آپ عنفوانِ شباب کے ایام میں تھے۔آپ بنوامیہ کے کھاتے پیتے گھرانے کے ایک لاڈلے فرزند تھے۔ایک دن میں تین تین دفعہ سے زیادہ اپنی پوشاک بدلتے۔ جب کسی گلی سے آپ کا گزر ہو جاتا تو لوگ تا دیر آپ کی خوشبو سے محظوظ ہوتے رہتے۔ آپ کا مسکن مدینہ کے ایک قصر میں تھا۔آپ کے والد کے پاس اس کے علاوہ بھی مصر،شام،عراق اور یمن میں بھی ایک ایک محل تھا مگر جب اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لیے خیر اور بھلائی چاہی تو عمر بن عبدالعزیز کو خلافت کے لیے چن لیا!!

اس زمانے میں مسلمانوں کا خلیفہ سلیمان بن عبدالملک تھا۔اسے اللہ کی طرف سے بلاوا آ پہنچا۔عمر بن عبدالعزیز اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ یہ بے رحم موت کیسے کیسے حکمرانوں کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیتی ہے، کیسے کیسے بادشاہوں کو اپنا لقمہ بنا لیتی ہے اور کیسے کیسے عظیم المرتبت رؤسا کی خواہشات کے مضبوط قلعوں کو پل بھر میں ریزہ ریزہ کر دیتی ہے؟!!

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک شاہی پلنگ پر جانکنی کے عالم میں بے حس وحرکت پڑا ہوا تھا اور آخرت کو سدھار رہا تھا۔

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۖ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴾

''ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔اور قیامت کے دن تم اپنے اپنے

اعمال کا پورا پورا بدلہ دیے جاؤ گے۔ جو شخص آگ سے ہٹا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ بے شک وہ کامیاب ہو گیا۔ دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کی جنس ہے''۔ (آل عمران:185)

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کو اب اپنی زندگی کے خاتمہ کا یقین ہو چلا تھا' اس جانکنی کے عالم میں وہ اپنے پروردگار کے سامنے پڑا یوں کہہ رہا تھا:

«يَا مَنْ لَا يَزُولُ مُلْكُهُ، ارْحَمْ مَنْ زَالَ مُلْكُهُ»

''اے وہ ہستی جس کی حکومت کو کبھی زوال نہیں، اس عاجز پر رحم فرما جس کی سلطنت زائل ہو گئی۔''

پھر اس نے یہ شعر پڑھا۔

أَفْلَحَ مَنْ كَانَ لَهُ كِبَارُ　　　إِنَّ بَنِيَّ فِتْيَةٌ صِغَارُ

''کامیاب و کامران ہے وہ شخص جس کے بچے جوان ہو چکے ہیں لیکن ابھی میرے بچے تو ابھی چھوٹے چھوٹے ہیں۔''

وہ کہنا یہ چاہ رہا تھا کہ اے کاش! میرے بیٹے بھی بڑے ہوتے تا کہ میرے بعد سلطنت کی باگ ڈور اُن کے ہاتھ لگتی اور وہ حکمران بنتے۔ یقیناً وہ شخص کامیاب وکامران ہے جس کے بیٹے اس کی زندگی ہی میں بڑے ہو چکے ہوں۔

عمر بن عبدالعزیز خلیفہ کے سامنے ہی کھڑے تھے، خلیفہ کی زبانی جب آپ نے یہ شعر سنا تو فوراً بول اٹھے: نہیں، اللہ کی قسم!

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ﴾

''بے شک اس نے فلاح پالی جو (اپنے نفس کو اخلاقِ رذیلہ سے اور شرک ومعصیت کی آلودگیوں سے صاف کر کے) پاک ہوگیا، اور جس نے اپنے رب کا نام یاد رکھا اور نماز پڑھتا رہا۔'' (الاعلیٰ:87/14-15)

خلیفہ سلیمان کا انتقال ہوگیا اور وہ ایک خفیہ خط کے اندر ایک آدمی کے لیے خلافت کی وصیت لکھ گیا جس کے متعلق فوری طور پر کچھ معلوم نہ ہوسکا۔

جب وہ مدفون ہوگیا تو ایک جلیل القدر عالم رجاء بن حیوہ منبر پر تشریف لائے اور اعلان عام کر دیا کہ آج کے بعد مسلمانوں اور عالمِ اسلامی کے خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ہوں گے۔

جب خلافت کا یہ اعلان عمر بن عبدالعزیز نے سنا تو شدت گریہ وغم سے ان کا دل پھٹنے لگا۔ وہ پہلی صف میں تھے۔ علماء نے انھیں منبر پر لا کھڑا کیا۔ عمر بن عبدالعزیز کا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا لیکن اس کے باوجود علمائے کرام نے انھیں لوگوں کے سامنے کھڑا کر دیا۔

عمر بن عبدالعزیز نے لوگوں سے بات کرنا چاہی لیکن رونے کی وجہ سے ان کی ہمت نہ ہوسکی کہ وہ لوگوں سے خطاب کرسکیں۔ انھوں نے لوگوں سے فرمایا:

«بَيْعَتُكُمْ بِأَعْنَاقِكُمْ لاَ أُرِيدُ خِلاَفَتَكُمْ»

''تم اپنی اپنی بیعت اپنی گردنوں سے لگائے رکھو۔ مجھے تمھاری خلافت کی ہرگز خواہش نہیں۔''

لوگوں نے جب عمر بن عبدالعزیز کا یہ دوٹوک جواب سنا تو وہ رو پڑے اور کہنے لگے: «لاَ نُرِيدُ إِلاَّ أَنْتَ» ''ہم آپ کے علاوہ کسی کو خلیفہ بنانا نہیں چاہتے۔''

چنانچہ عمر بن عبدالعزیز نے لوگوں کے سامنے گفتگو کی۔ اس میں موت اور

اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ کرائی اور اس قدر اثر انگیز تقریر کی کہ حاضرین کے رونے کی آواز سے مسجد گونج اٹھی۔

رجاء بن حیوہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں مسجد اُموی کے در و دیوار دیکھ رہا تھا کہ کیا یہ بھی ہمارے ساتھ محوِ آہ و بکا تو نہیں ہیں؟!! پھر عمر بن عبدالعزیز منبر سے اتر گئے تو لوگوں نے آپ کی خدمت میں سواریاں اور ساتھ ساتھ چلنے کے لیے قافلے کی صورت میں افراد کو پیش کیا تاکہ جلوس کے ساتھ آپ گھر کو روانہ ہوں کیونکہ آپ سے پہلے خلیفہ کے لیے لوگوں نے اسی طرح کی شان و شوکت کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ لیکن آپ نے فرمایا:

«لاَ، إِنَّمَا أَنَا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ غَيْرَ أَنِّي أَكْثَرُ الْمُسْلِمِينَ حِمْلاً وَ عِبْئًا وَمَسْئُولِيَّةً أَمَامَ اللهِ قَرِّبُوا الِي بَغْلَتِي فَحَسْبُ»

''نہیں، (میں خصوصی اہتمام کے ساتھ نہیں چلوں گا) میں بھی مسلمانوں کا ایک فرد ہوں۔ فرق صرف یہ ہے کہ سب مسلمانوں سے زیادہ میرے اوپر ذمہ داری کا بوجھ ہے اور اللہ کے سامنے میں اس کا جوابدہ ہوں گا۔ میرا خچر لاؤ، وہی میری سواری کے لیے کافی ہے۔''

چنانچہ خچر پر سوار ہو کر اپنے محل میں پہنچے اور اس کے اندر کا سارا مال و متاع اور اثاثہ مسلمان فقرا کے درمیان صدقہ و خیرات کر دیا۔

پھر عمر بن عبدالعزیز دمشق جا کر ایک کمرے میں لوگوں کے درمیان قیام پذیر ہوئے تاکہ مساکین و فقرا اور بیواؤں کے قریب ہو کر ان کے درد کا درماں بن سکیں۔ پھر اپنی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک کو اپنی خدمت میں بلایا اور فرمایا: اے فاطمہ! امت محمدیہ کے امور کی ذمہ داری میرے سر آ چکی ہے، اور تم لوگوں کو معلوم ہے کہ حضرت عمر بن

خطاب رضی اللہ عنہ جس جغرافیائی نقشے پر حکومت کرتے تھے اس کا رقبہ مشرق میں سندھ سے لے کر مغرب میں طرابلس تک، اور شمال میں ترکستان سے لے کر جنوب میں افریقیہ تک پھیلا ہوا تھا۔ اے فاطمہ! اگر تو اللہ اور آخرت کو محبوب رکھتی ہے تو اپنا سارا زیور اور سونا چاندی بیت المال کے حوالے کر دے۔ اور اگر تجھے دنیوی زندگی سے پیار ہے تو آؤ میں تجھے دے دلا دوں اور اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں، اور پھر تو اپنے باپ کے گھر چلی جا۔ بیوی نے جواب دیا: نہیں، اللہ کی قسم! آپ کی زندگی میری زندگی ہے اور آپ کی موت میری موت ہے۔ پھر اس نے اپنا سارا زیور اور سونا چاندی اپنے شوہر عمر بن عبدالعزیز کے حوالے کر دیا، چنانچہ انھوں نے وہ سارا مال مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کر دیا۔ یہ وہی فاطمہ ؒ وہی شہزادی ہے جس کے بارے میں شاعر نے کہا ہے:

بِنْتُ الْخَلِيفَةِ وَالْخَلِيفَةُ جَدُّهَا
أُخْتُ الْخَلَائِفِ وَالْخَلِيفَةُ زَوْجُهَا

”خلیفہ (عبدالملک) کی بیٹی' خلیفہ (مروان بن حکم) کی پوتی' خلفا (ولید' سلیمان اور هشام) کی بہن اور خلیفہ (عمر بن عبدالعزیز) جس کا شوہر ہے“۔

خلافت کے پہلے دن عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ قیلولے کے لیے آرام فرما رہے تھے کہ اتنے میں ان کا صالح بیٹا عبدالملک بن عمر بن عبدالعزیز حاضر ہوا اور عرض کی: ابو جان! آپ سو رہے ہیں جبکہ امتِ محمدیہ کے امور کی نگرانی آپ کے ناتواں کندھوں پر آ پڑی ہے اور رعایا میں فقرا و مساکین، بھوکے اور بیوائیں ہیں۔ یہ سب کے سب قیامت کے دن آپ کا گریبان پکڑیں گے!

اپنے نیک صاحبزادے کی یہ بات سن کر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رو پڑے اور

اٹھ کر بیٹھ گئے۔ آپ کا یہ نیک طینت فرزند اپنی زندگی کے بیس سال پورے کرنے سے پہلے ہی اللہ کو پیارا ہو گیا۔

حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے باوجود عمر بن عبدالعزیز فقر و فاقہ کی زندگی گزارتے تھے۔ آپ جو کی روٹی روغنِ زیتون سے تناول فرماتے اور بسا اوقات منقی (خشک انگور) کی ایک مٹھی ہی سے ناشتہ فرمالیا کرتے تھے۔ اور اپنے بچوں سے کہا کرتے تھے:

«هٰذَا خَيْرٌ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ»

''یہ آتشِ جہنم سے بہتر ہے۔'' (1)

---

(1) عمر بن عبدالعزیز کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے: البداية والنهاية (720-676/12)' دار هجر' طبقات ابن سعد (330/5)' تاريخ دمشق (257/13)' سير اعلام النبلاء (114/5) وغیرہ۔

حکمرانی کے نئے انداز

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے زمام خلافت سنبھالنے کے بعد گھر سے نکل کر مسلمانوں کو نماز پڑھانے کے بعد سب سے پہلا جو کام انجام دیا وہ یہ کہ ظلم وزیادتی کرنے والے دھوکے باز اور خیانت کرنے والے وزیروں کو معزول کر دیا جو خلیفہ سلیمان کے عہد میں وزارت کے عہدے پر پہنچے تھے۔ آپ نے ان وزرا کو اپنے پاس بلایا اور شریک بن عرضاء سے کہا:

«اغْرُبْ عَنِّي يَا ظَالِمُ! رَأَيْتُكَ تُجْلِسُ النَّاسَ فِي الشَّمْسِ وَ تَجْلِدُ بَشَرَهُمْ بِالسِّيَاطِ وَتُجَوِّعُهُمْ وَأَنْتَ فِي الْخِيَامِ وَالإِسْتَبْرَقِ»

''چل میری نظروں سے دور ہو جا اے ظالم! میں نے دیکھا ہے کہ تو لوگوں کو سورج کی گرمی میں بٹھا کر کوڑوں سے ان کی چمڑی ادھیڑتا اور انھیں بھوکے پیاسے رکھتا تھا، اور خود عمدہ ریشم کی پوشاک میں خیمے کے اندر جلوہ افروز رہا کرتا تھا۔''

پھر دوسرے وزیر کو بلایا اور فرمایا:

«اغْرُبْ عَنِّي وَاللهِ! لاَ تَلِي لِي وِلاَيَةً، رَأَيْتُكَ تُقَدِّمُ دِمَاءَ الْمُسْلِمِينَ لِسُلَيْمَانَ بْنِ عَبْدِالْمَلِكِ»

''چل میری نظروں سے اوجھل ہو جا، اللہ کی قسم! تو میرے نزدیک ولایت کا مستحق ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ تو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی خاطر مسلمانوں کا ناجائز خون بہایا کرتا تھا۔''

اسی طرح ایک ایک کر کے ان تمام ظالم وسفاک اور خائن اور دھوکے باز وزرا کو معزول کر دیا جو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے عہدِ خلافت میں دندناتے پھر رہے تھے۔ اور اس کے بعد فوراً ہی علماء وصلحا کے درمیان سے وزرا و امراء کا انتخاب فرمایا۔

پھر عالمِ اسلامی کے علماء کی خدمت میں خطوط روانہ کیے جن میں سرفہرست حسن بصری، مطرف بن عبداللہ بن شخیر اور سالم بن عبداللہ بن عمر تھے اور ان سے یہ تقاضا کیا کہ آپ لوگ مجھے پند و نصائح لکھ کر بھیجیں تا کہ میری غلطیوں کی نشاندہی ہو اور میں حقوق العباد کی ادائیگی میں پورا اتر سکوں اور کسی قسم کا ظلم میری طرف سے سرزد نہ ہو سکے اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت ظالموں کی فہرست میں میرا نام نہ آئے۔ چنانچہ ان علمائے کرام نے جواباً خلیفہ کی خدمت میں انتہائی جرأت کے ساتھ خیر خواہانہ خطوط روانہ کیے اور خلیفہ کو نصیحتیں کیں۔

حسن بصری نے اپنے خط کے اندر لکھا:

«يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ! صُمْ يَوْمَكَ لِتُفْطِرَ غَدًا»

''اے امیر المؤمنین! آپ اپنا دن روزے کی حالت میں گزار دیں تا کہ کل کو افطار کر سکیں۔''

یعنی جس طرح ایک روزہ دار فسق و فجور، حق تلفی و ناانصافی، لہو و لعب، ظلم و زیادتی، گالی گلوچ، بے حیائی و بداخلاقی اور اسی طرح کی ممنوعہ اشیا سے باز رہتا ہے اور اسلامی احکام کو بجا لاتے ہوئے حقوق العباد کا بھی پورا پورا خیال رکھتا ہے تا کہ اس کے روزے کے ثواب میں کمی نہ آ جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ افطار کے وقت اس کی دعائیں سنتا ہے اور اسے اپنے انعام و اکرام سے نوازتا ہے۔ اسی طرح اگر آپ رعایا کی دیکھ بھال، ان کے ساتھ عدل و انصاف، ان کے امور کی اچھی نگرانی اور ان کے شب و روز کی تگ و دو کا لحاظ رکھیں گے، ان کے نیک جذبات کا خیال کریں گے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں گے، مساوات و خیر خواہی

کے مطابق ان کے معاملات حل کریں گے، ظلم و زیادتی اور ناانصافی کو جڑ سے ختم کریں گے اور عوام الناس کے فائدے کے لیے کام انجام دیں گے تو کل قیامت کے روز آپ کا گریبان محفوظ رہ سکے گا اور عوام الناس کو اللہ کے سامنے مسئولیت و ذمہ داری میں آپ کی طرف سے کسی قسم کی کوتاہی کے متعلق کوئی شکوہ نہ رہے گا اور پھر آپ اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعام و اکرام اور جنت الفردوس کے مستحق ٹھہریں گے!!

سالم بن عبداللہ بن عمر نے اپنے خط کے اندر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کو یہ لکھ بھیجا:

«يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ! إِنَّكَ آخِرُ خَلِيفَةٍ تَوَلّٰى وَ سَوْفَ تَمُوتُ كَمَا مَاتَ مَنْ قَبْلَكَ»

''اے امیر المؤمنین! آپ سلسلۂ خلفائے راشدین کی آخری کڑی ہیں جو خلافت کے منصب پر فائز ہیں اور دیر یا سویر آپ کو بھی اللہ کے دربار میں چلے جانا ہے جیسے آپ سے پہلے کے خلفاء انتقال کر گئے۔''

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے سات علماء کو منتخب کیا تاکہ وہ عشاء کی نماز کے بعد ان کے ساتھ محو گفتگو ہوں اور کچھ سناتے رہیں۔ مگر ان کے سامنے تین شرائط رکھی تھیں:

1- مجلس کے اندر کسی مسلمان کی غیبت نہیں ہونی چاہیے۔
2- کسی مسلمان کی شان میں مضحکہ خیز الفاظ استعمال نہیں کریں گے، نہ کسی کی بات کا غلط مفہوم لیں گے اور نہ مسلمانوں کی مجلسوں کا مذاق اڑائیں گے۔ نیز سختی کے ساتھ اس بات سے منع کر دیا تھا کہ کسی قسم کا بے جا شکوہ ان کی خدمت میں پیش کیا جائے۔
3- مجلس کے اندر ہنسی مذاق کا ماحول نہیں ہونا چاہیے بلکہ دین اور آخرت سے

متعلق باتیں ہونی چاہئیں۔

چنانچہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز ان علماء کی مجلس میں بیٹھتے جن کی آہ وزاری سے لگتا کہ کسی جنازے پر وہ رو رہے ہیں۔

علماء کے سامنے شرائط رکھنے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز منبر پر تشریف لائے اور اپنی نئی حکومت کی سیاست کا لوگوں کے سامنے اعلان کیا۔ آپ کے حکم سے آپ کے کالے کلوٹے مگر طاقت ور غلام مُزاحم کو آپ کی خدمت میں حاضر کیا گیا جو اللہ کے خوف سے ہمیشہ لرزہ براندام رہتا تھا۔ آپ نے فرمایا:

«يَا مُزَاحِمُ! وَاللهِ إِنِّي أُحِبُّكَ فِي اللهِ ، أَنْتَ وَزِيرِي»

''اے مزاحم! اللہ کی قسم! میں تجھ سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں۔ آج سے تو میرا وزیر ہے۔''

آپ کے غلام مزاحم نے عرض کیا: آخر کیوں اے امیر المؤمنین؟!

آپ نے فرمایا: ''میں نے ایک دن تجھے تن تنہا بیابان صحرا کے اندر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جہاں تجھے اللہ کے سوا کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ نیز میں نے تجھے دیکھا کہ تو قرآن کریم سے بہت زیادہ شغف رکھتا ہے، اس لیے اب تو میرے ساتھ ہو جا۔''

مزاحم نے عرض کیا: میں آپ کے ساتھ ہوں۔

پھر امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز منبر پر کھڑے ہوئے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک رجسٹر تھا، آپ نے اس میں اپنی حکومت وخلافت کے لیے بڑے بڑے حروف میں ضروری معلومات تحریر کر رکھی تھیں۔ آپ کے سامنے مزاحم تلوار لے کر بحیثیت وزیر کھڑا ہوا اور آپ نے بنوامیہ کے ظالم امراء کو صفِ اول میں بیٹھے پایا جنھوں نے لوگوں کی زمینوں اور گھروں پر ناجائز قبضہ کر رکھا تھا اور برسرِ عام لوگوں کی

جائدادیں ہڑپ کرکے انھیں ستاتے رہتے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا: ''اے بنومروان! یہ دستاویز ہے جس میں عبدالملک بن مروان نے تمھارے لیے زمینیں ناجائز طور پر الاٹ کی تھیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان بجا ہے اور عبدالملک کی بات غلط ہے۔'' پھر آپ نے وہ دستاویز پھاڑ ڈالی اور فرمایا: ''بنوامیہ سے منسلک دستاویزات میرے پاس لاؤ۔''

چنانچہ آپ نے عباس بن ولید بن عبدالملک کی دستاویز منگوائی جس میں اس کے لیے ایک لمبی چوڑی زمین الاٹ کی گئی تھی جس میں ایک بڑا شہر آباد ہوسکتا تھا۔ آپ نے وہ دستاویز پھاڑ کر اسے اکارت کر دیا اور فرمایا:

«لَا حَقَّ لَكَ فِي دِيَارِ الْمُسْلِمِينَ»

''تجھے مسلمانوں کے علاقے میں کوئی حق نہیں پہنچتا۔''

عباس بن ولید نے دھمکی آمیز جملہ کہا کہ میری زمین مجھے واپس کر دیں ورنہ......!!

عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا:

«وَاللهِ! إِنْ لَمْ تَسْكُتْ لَيَأْتِيَنِّي مُزَاحِمُ بِرَأْسِكَ الْآنَ»

''اللہ کی قسم! اگر تو نے خاموشی اختیار نہ کی تو مزاحم ابھی تیرا سر کاٹ کر میرے پاس حاضر کر دے گا۔''

چنانچہ وہ خاموش ہوگیا۔

پھر امیر المومنین نے تمام دستاویزات کو منگوایا اور ان کو ایک ایک کر کے پھاڑ ڈالا کیونکہ یہ دستاویزات ظلم و زیادتی پر مبنی تھیں۔

عمر بن عبدالعزیز کی خلافت اسی اصول و منہج کے مطابق کام کرتی تھی۔ آپ نے

مہاجر نامی ایک وزیر کو اپنے پاس رہنے کے لیے منتخب فرما لیا تھا اور اس سے کہہ رکھا تھا کہ میرے ساتھ ساتھ رہنا اور جب کبھی دیکھنا کہ میں کسی مسلمان پر ظلم کر رہا ہوں یا کسی کی ہتک عزت کر رہا ہوں یا کسی مومن کو گالی دے رہا ہوں تو میرا دامن پکڑ کر یاددہانی کے طور پر مجھ سے کہہ دیا کرنا:

«اتَّقِ اللهَ يَا عُمَرُ!»

''عمر! اللہ کا خوف کھاؤ۔'' (1)

(1) عمر بن عبدالعزیز کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے: البداية والنهاية (720-676/12)' دار هجر' طبقات ابن سعد (330/5)' تاريخ دمشق (257/13)' سير اعلام النبلاء (114/5) وغیرہ۔

(((مناقبِ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ)))

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی شخصی زندگی ان کے مناقب کا صحیح عکس پیش کرتی ہے۔ وہ بہت ہی تقویٰ شعار اور عبادت گزار تھے۔ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے مصلیٰ (نمازگاہ) میں داخل ہو جاتے اور قبلہ رخ ہو کر کھلی زمین پر بیٹھ جاتے اور اپنا چہرہ مٹی میں لوٹ پوٹ کر کے روتے رہتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔

ایک مرتبہ لوگوں نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد آپ کی اہلیہ محترمہ سے دریافت کیا کہ اللہ کے واسطے عمر بن عبدالعزیز کے متعلق کچھ بتائیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! وہ رات بھر نہیں سوتے تھے۔ اللہ کی قسم! ایک رات میں ان کے قریب ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں اور اپنی آنکھوں سے آنسو جھاڑ رہے ہیں جیسے بارش سے بھیگی ہوئی چڑیا اپنے جسم سے بارش کا پانی جھاڑتی ہے۔ میں نے عرض کیا: آپ کو ہو کیا گیا ہے اے امیر المؤمنین؟! فرمایا: تم پوچھتی ہو مجھے ہو کیا گیا ہے؟! امتِ محمدیہ کے امور کی ذمہ داری میرے ناتواں کندھوں پر آ چکی ہے۔ ان میں انتہائی کمزور بھی ہیں اور بھوکے پیاسے فقیر و مسکین بھی اور بیوائیں بھی ہیں۔ پھر کیوں نہ روؤں جبکہ اللہ تعالیٰ ان سبھوں کے بارے میں قیامت کے روز مجھ سے دریافت فرمائے گا، پھر میں کیا جواب دوں گا؟!

ایک دن خلیفہ عمر بن عبدالعزیز بیت المال (سرکاری خزانہ) کے معاینے کے لیے تشریف لائے۔ بیت المال کی خوشبو آپ کی ناک میں پہنچی تو آپ نے اپنی ناک بند کر لی۔ لوگوں نے پوچھا: ((مَالَكَ ؟)) کیا بات ہے؟ امیر المؤمنین نے فرمایا:

«أَخْشٰى أَنْ يَسْأَلَنِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِمَ شَمَمْتَ طِيبَ الْمُسْلِمِينَ فِي بَيْتِ الْمَالِ؟»

''مجھے خدشہ لاحق ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مجھ سے پوچھ نہ لے کہ تم نے بیت المال کے اندر مسلمانوں کی خوشبو کیوں سونگھی تھی؟''

ایک رات چند لوگ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے مہمان بنے۔ آپ کے کمرے کا چراغ گل ہو گیا۔ آپ فوراً اٹھے اور چراغ درست فرمانے لگے۔ مہمانوں نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! آپ بیٹھ جائیں ہم چراغ درست کیے دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں۔ پھر آپ نے چراغ درست کیا اور اپنی جگہ آ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: میں اٹھا تو عمر بن عبدالعزیز تھا، میں بیٹھا ہوں تو عمر بن عبدالعزیز ہوں یعنی چراغ درست کرنے سے میری عزت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

ایک مرتبہ عید کے روز مسلمانوں کو عید کی نماز پڑھانے کے بعد اپنے خچر پر سوار ہو کر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز مسلمانوں کے قبرستان سے گزرے۔ آپ نے ساتھیوں سے فرمایا: آپ لوگ تھوڑا سا میرا انتظار کریں۔ وزرا، امراء، صلحا اور عوام الناس سب ٹھہر گئے۔ آپ اپنے خچر سے اترے اور اس قبرستان میں جا کر کھڑے ہو گئے جس میں بنوامیہ کے خلفاء، امراء اور رؤسا مدفون تھے، اور وہاں آپ نے یہ اشعار پڑھے ؎

أَتَيْتُ الْقُبُورَ فَنَادَيْتُهَا أَيْنَ الْمُعَظَّمُ وَالْمُحْتَقَرْ؟

''میں ان قبروں کے پاس آیا اور بلند آواز سے ان سے پوچھا: کہاں ہیں بڑے لوگ اور چھوٹے لوگ؟''

تَفَانُوا جَمِيعًا فَمَا مُخْبِرٌ وَمَاتُوا جَمِيعًا وَمَاتَ الْخَبَرُ

''سب کے سب ختم ہو گئے، اس لیے کوئی خبر دینے والا نہیں اور سب کی موت کے ساتھ ہی خبر بھی فنا ہو گئی۔''

فَيَا سَائِلِي عَنْ أُنَاسٍ مَضَوْا أَمَا لَكَ فِيمَا مَضٰى مُعْتَبَرْ؟

''اے گزرے ہوئے لوگوں کے متعلق پوچھنے والے! کیا تمھارے لیے ان گزرے ہوئے لوگوں میں کوئی درسِ عبرت نہیں ہے؟''

پھر آپ قبرستان کے ایک کنارے کھڑے ہوئے اور فرمایا:

يَامَوْتُ! مَاذَافَعَلْتَ بِالأَحِبَّةِ؟ يَامَوْتُ! مَاذَافَعَلْتَ بِالأَحِبَّةِ؟

''اے موت! تو نے ان دوستوں کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا؟! اے موت! تو نے ان دوستوں کے ساتھ کیا طرزِ عمل اپنایا؟!''

پھر آپ روتے روتے بیٹھ گئے اور اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں، پھر لوگوں کے پاس واپس آئے اور فرمایا:

«أَتَدْرُونَ مَاذَا قَالَ الْمَوْتُ؟»

''تمھیں معلوم ہے کہ موت نے کیا جواب دیا ہے؟''

لوگوں نے عرض کی: نہیں۔

آپ نے فرمایا: موت کہہ رہی تھی: میں نے دونوں آنکھوں کی سیاہی سے ابتدا کی، چنانچہ پہلے میں نے دونوں آنکھیں کھالیں، پھر میں نے دونوں کہنیوں سے ہتھیلیاں الگ کیں، پھر دونوں کہنیوں کو بازوؤں سے الگ کیا، پھر دونوں بازوؤں کو کندھوں سے الگ کیا۔ پھر میں نے دونوں پاؤں کو پنڈلیوں سے الگ کیا، اور دونوں پنڈلیوں کو گھٹنوں سے علیحدہ کیا اور دونوں گھٹنوں کو رانوں سے الگ کیا، اور سب کو کھا گئی۔

ایک روز خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کھڑے ہوئے اور فرمایا:

«وَاللهِ! لاَ أَعْلَمُ ظَالِمًا إِلاَّ أَنْصَفْتُكُمْ مِنْهُ وَلاَ يَحُولُ بَيْنِي وَبَيْنَ الظَّالِمِ أَحَدٌ حَتّٰى اٰخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ وَلَوْكَانَ ابْنِي»

''اللہ کی قسم! جس ظالم کی خبر مجھے پہنچے گی میں تمھیں اس سے انصاف دلاؤں

گا۔ اور میرے اور ظالم کے درمیان کوئی آدمی رکاوٹ نہیں بن سکتا حتی کہ میں ظالم سے مظلوم کا حق نہ لے دوں، خواہ وہ ظالم میرا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔"

لوگوں نے آپ کی بات سن کر عرض کی: آپ کی بات مبنی برحق ہے۔

آپ رات کی تاریکی میں گھوم گھوم کر پوچھتے رہتے کہ ہے کوئی مریض جس کی میں عیادت کروں؟ ہے کوئی بیوہ جس کی دیکھ بھال کر سکوں؟ ہے کوئی بھوکا جس کو کھانا کھلا سکوں؟

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے مقرر کردہ ایک والی کا بیان ہے کہ میں افریقیہ زکوٰۃ کے اموال کی تقسیم کے لیے گیا۔ اللہ کی قسم! راستے میں کوئی ایک محتاج بھی نہ ملا جس کو مال کی ضرورت ہو۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے تمام فقرا کو مال سے بے نیاز فرما دیا۔ نہ تو مجھے کوئی فقیر مل سکا نہ کوئی بھوکا شخص، نہ قرض دار مل سکا نہ کوئی غیر شادی شدہ نوجوان دیکھنے کو مل سکا!!

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں یہ دستور تھا کہ نماز جمعہ کے بعد آپ کے نمائندے رجسٹر لے کر کھڑے ہو جاتے جس میں ضرورت مند لوگوں کے نام درج ہوتے۔ پھر آپ طالبعلموں، یتیموں، مسکینوں، مریضوں، بیواؤں محتاجوں اور مفلسوں کے درمیان عطیات تقسیم فرماتے تھے۔ نماز کے بعد یہ سارے محتاجین بیک زبان پکار اٹھتے:

«اَللّٰهُمَّ اسْقِ عُمَرَ بْنَ عَبْدِالْعَزِيزِ مِنْ سَلْسَبِيلِ الْجَنَّةِ»

"اے پروردگار! خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کو جنت کے چشمہ سلسبیل سے سیراب کر۔"

خلافت کا عہدہ سنبھالنے سے قبل خلیفہ عمر بن عبدالعزیز موٹے تازے تھے لیکن خلافت کے بعد انتہائی کمزور ہو گئے۔ ایک عالم دین کا کہنا ہے کہ جس زمانے میں عمر بن عبدالعزیز مدینہ منورہ میں والی تھے، میں نے دیکھا کہ آپ کا جسم بھرا ہوا، ملائم،

موٹا تازہ اور گورا تھا۔لیکن جب خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تو طواف کعبہ کے دوران میں نے دیکھا کہ کمزوری ولاغری کی وجہ سے آپ کی ہڈیاں نظر آ رہی تھیں۔

زیاد نامی ایک عالم خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ کے چہرے کا رنگ پھیکا پھیکا ہے، صورت رونے کی سی ہے، آنسوؤں کا اثر پلکوں سے عیاں ہے، بھوک اور فقر وفاقہ کا اثر رخساروں سے ظاہر ہے اور کپڑے پھٹے ہوئے اور ان کو پیوند لگے ہوئے ہیں۔زیاد نے پوچھا: اے امیر المؤمنین! وہ محل کہاں ہیں جن میں آپ رہائش پذیر تھے، وہ شاہی پوشاکیں کہاں گئیں جنھیں آپ زیب تن کیا کرتے تھے۔ وہ ناز ونعم کدھر گئے جن میں آپ خوش وخرم زندگی گزارا کرتے تھے؟

خلیفہ نے فرمایا:

«كَيْفَ بِي لَوْ رَأَيْتَنِي بَعْدَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِذَا طُرِحْتُ فِي الْقَبْرِ وَقُطِّعَتْ أَكْفَانِي وَسَارَتِ الدُّودُ عَلٰى خَدِّي وَأَكَلَ عَيْنِي وَوَقَعَ التُّرَابُ فِي أَنْفِي وَاللهِ! لَقَدْ كُنْتُ أَشَدَّ تَغَيُّرًا مِمَّا تَرَاهُ»

''کاش تم مجھے میرے دفن کیے جانے کے تین روز بعد دیکھو جب کہ میرا کفن چیتھڑا چیتھڑا ہو چکا ہو، میرے رخساروں پر کیڑے مکوڑے چل رہے ہوں، میری آنکھیں کھا چکے ہوں اور میری ناک پر مٹی پڑی ہو، اللہ کی قسم! جو تغیر آپ میرے اندر دیکھ رہے ہیں اس سے کئی گنا زیادہ قابل رحم حالت آپ کو نظر آئے گی۔'' (1)

(1) حضرت عمر بن عبدالعزیز کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے البداية والنهاية طبعة دارهجر ج:12 ص:676-720 اور طبقات ابن سعد:330/5، تاريخ دمشق:257/13 وسير أعلام النبلاء:114/5۔

بیت المال کی حفاظت

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز عید کے روز مسلمانوں کا استقبال فرما رہے تھے اور مؤمنوں کو مبارک باد پیش کر رہے تھے۔ اسی دوران میں ان کے کمرے کے باہر شعرا کی ایک جماعت آ دھمکی اور دربان سے اندر داخل ہونے کی اجازت مانگنے لگی۔ دربان نے خلیفہ کی خدمت میں جا کر عرض کی کہ شعرا کی جماعت دروازے پر کھڑی ہے۔ یہ لوگ اپنی عادت کے مطابق آپ کی خدمت میں داخل ہو کر کچھ سنانے کے خواہاں ہیں، کیونکہ گزشتہ خلفا کی خدمت میں یہ داخل ہو کر ان کی جھوٹی تعریف کرتے رہے ہیں اور ان سے عطیات و انعامات بدستور حاصل کرتے رہے ہیں۔

امیر المؤمنین نے دربان سے پوچھا: دروازے پر کون ہے؟

دربان نے عرض کی: فرزدق۔

امیر المومنین نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ اللہ کا دشمن میرے پاس نہ آنے پائے، کیونکہ میں نے مسلمانوں کی لڑکیوں کے بارے میں اسے غزل کہتے ہوئے سنا ہے۔ اور دوسرا کون ہے؟

دربان نے عرض کی: نصیب۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: اس کے لیے میرے پاس کوئی حصہ نہیں ہے، میں نے اسے شعر میں افترا پردازی کرتے ہوئے سنا ہے۔ اور تیسرا کون ہے؟

دربان نے بتایا: اخطل۔

امیر المومنین نے فرمایا: نصرانی عورت کے بیٹے پر حرام ہے کہ وہ میرا فرش روندے۔ اور چوتھا کون ہے؟

دربان نے بتایا: عمر بن ابی ربیعہ۔

امیر المومنین نے فرمایا: کیا اب بھی اس کے لیے اللہ سے توبہ کی گھڑی نہیں آئی، اللہ کی قسم! میری آنکھیں اس کا چہرہ دیکھنا گوارہ نہیں کرسکتیں۔ اور پانچواں کون ہے؟

دربان نے بتایا: جریر۔

امیر المومنین نے فرمایا: اگر اسے داخل ہونا ضرور ہی ہے تو میرے پاس اس کو بلاؤ۔

چنانچہ جریر نے داخل ہوتے ہی یہ اشعار پڑھے ۔

فَمَا كَعْبُ بْنُ أُمَامَةَ وَابْنُ سُعْدٰى   بِأَفْضَلَ مِنْكَ يَا عُمَرُ الْجَوَادَا

''کعب بن امامہ اور ابن سعدی آپ سے افضل نہیں ہو سکتے، اے سخی و فیاض عمر!''

تَعَوَّدْ صَالِحَ الأَخْلَاقِ إِنِّي   رَأَيْتُ الْمَرْءَ يَلْزَمُ مَا اسْتَعَادَا

''اچھے اخلاق کی عادت ڈالیں کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ آدمی اپنی عادت کو لازم پکڑے رہتا ہے۔''

امیر المؤمنین نے فرمایا: اے جریر! اللہ کا خوف کھاؤ، اور اپنے شعر میں جھوٹ سے کام نہ لو، کیونکہ جو کچھ تم کہتے ہو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں عنقریب پوچھے گا۔

جریر نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! مجھے کچھ عنایت کریں۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: قرآن کریم میں شعرا کو عطیہ دینے کے بارے میں کوئی حکم مجھے نہیں ملا، البتہ اگر تم فقیر، یا مسکین، یا مسافر ہو تو میں دینے کو تیار ہوں۔

جریر نے عرض کیا: میں واقعی فقیر انسان ہوں۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: مسلمانوں کے بیت المال سے نہیں بلکہ میرے ذاتی مال سے دو سو درہم لو۔

جریر کا بیان ہے:

«فَوَاللهِ لَقَدْ كَانَ هٰذَا الْمَالُ أَبْرَكَ مَالٍ رَأَيْتُهُ فِي الْحَيَاةِ»

''اللہ کی قسم! میں نے یہ (امیر المؤمنین کی جیبِ خاص سے ملا ہوا) مال اپنی زندگی کا سب سے زیادہ برکت والا مال پایا۔''

امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز نے صرف دو سال حکومت کی لیکن آپ کی خلافت اللہ تعالیٰ کے نزدیک خلافتِ راشدہ کے بعد کی پوری مدت میں افضل ترین خلافت تھی۔

جب آپ سکرات الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ نے اپنے سات یا آٹھ[1] بیٹوں کو اپنے پاس بلایا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو ان کی صورتیں دیکھ کر آپ کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور آپ رو پڑے۔ پھر آپ نے اپنے صاحبزادوں سے فرمایا:

«وَاللهِ! مَا خَلَّفْتُ لَكُمْ مِنَ الدُّنْيَا شَيْئًا إِنْ كُنْتُمْ صَالِحِينَ فَاللهُ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ وَإِنْ كُنْتُمْ فَجَرَةً فَلَنْ أُعِينَكُمْ بِمَالِي عَلَى الْفُجُورِ»

''اللہ کی قسم! میں نے وراثت میں تمھارے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے (صرف ایک کمرہ چھوڑا تھا،) اگر تم نیک اور صالح رہو تو اللہ تعالیٰ صالحین کا کفیل ہے، اور اگر فاجر ہو جاؤ تو معصیت و فجور پر میں اپنے مال سے تمھارے ساتھ تعاون نہیں کر سکتا۔''

پھر آپ کے سارے لڑکے ایک ایک کر کے آگے بڑھے اور آپ کو بوسہ دیا۔

آپ نے اپنے بیٹوں کے لیے دعا کی اور ماہ رجب 101ھ میں انتالیس سال چھ ماہ کی عمر پا کر داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور یہ وفات بنو امیہ کی سازش کے تحت زہر پی لینے کی وجہ سے ہوئی تھی جو آپ کے ایک غلام نے پلایا تھا۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے سات یا آٹھ بیٹوں کے لیے صرف بارہ بارہ درہم ترکے میں چھوڑے تھے جب کہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے اپنے ہر بیٹے کے لیے ایک ایک لاکھ دینار ترکے میں چھوڑے تھے۔

مگر ابھی بیس سال ہی کا عرصہ گزرا تھا کہ عمر بن عبدالعزیز کے صاجزادوں کے پاس اس کثرت سے مال و دولت اکٹھا ہو گیا کہ وہ اللہ کی راہ میں گھوڑوں پر گھوڑے صدقہ و خیرات کیا کرتے تھے جب کہ ہشام بن عبدالملک کے بیٹے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کے زمانے میں دارالسلام کی مسجد میں کھڑے ہو کر لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے ہوئے کہتے نظر آئے کہ

«مِنْ مَالِ اللهِ يَا عِبَادَ اللهِ»

''اللہ کے بندو! اللہ کی راہ میں ہمیں کچھ عطا کر دو!!''(2)

(1) البداية والنهاية : 715/21 میں لکھا ہے کہ بارہ بیٹے تھے۔

(2) حضرت عمر بن عبدالعزیز کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے البداية والنهاية طبعة دارهجر ج:12 ص:676-720 ' طبقات ابن سعد:330/5 ' تاريخ دمشق:257/13 وسير اعلام النبلاء:114/5 وغیرہ۔

(((رحمت عالم کا ایثار)))

صحیح بخاری کتاب ''الرقاق'' باب ''کیف کان عیش النبی ﷺ وأصحابه و تخلیهم من الدنیا'' میں مجاہد کا بیان ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے! میں بھوک کی شدت کی وجہ سے اپنا کلیجہ زمین سے لگا دیتا، اور کبھی ایسا ہوتا کہ شدت بھوک کے سبب اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا۔ ایک روز میں بھوک کے عالم میں شاہراہِ عام پر بیٹھ گیا جہاں سے لوگوں کا گزر ہوتا تھا۔ اتنے میں وہاں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ میں نے ان سے قرآن کریم کی ایک آیت کے متعلق دریافت کیا اور میرے پوچھنے کا مقصد اس کے سوا کوئی اور نہیں تھا کہ وہ مجھے لے جا کر کھانا کھلا دیں، مگر وہ گزر گئے اور میری بات کا مقصد نہ سمجھ پائے۔ پھر میرے پاس سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ میں نے ان سے بھی قرآن کریم کی ایک آیت کے متعلق پوچھا اور ان سے بھی پوچھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ مجھے آسودہ کر دیں لیکن مقصد پورا نہیں ہوا اور وہ چلتے بنے۔

اس کے بعد میرے پاس سے ابوالقاسم ﷺ کا گزر ہوا۔ آپ ﷺ کی نگاہِ مبارک جب میرے چہرے پر پڑی تو مسکرائے اور میرے چہرے سے میری اندرونی کیفیت کو بھانپ لیا۔(1) پھر فرمایا: یا ابا هر ''اے بلی والے!'' (پیار سے اس طرح کہا جیسے کہ عربوں کی عادت ہے) میں نے عرض کی: میں حاضر ہوں اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے ساتھ ساتھ آؤ۔'' آپ آگے چل پڑے اور میں پیچھے پیچھے ہولیا۔ آپ گھر کے اندر داخل ہوئے اور اجازت طلب کی، مجھے بھی آپ نے داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ آپ ﷺ

نے ایک پیالے میں کچھ دودھ دیکھ کر فرمایا: «مِنْ اَیْنَ هٰذَا اللَّبَنُ؟» ''یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟'' اہلِ خانہ نے جواب دیا: فلاں آدمی یا فلاں عورت نے اسے آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ابو ہریرہ!''

میں نے عرض کی: حاضر ہوں اے اللہ کے رسول!

آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِلْحَقْ إِلٰى أَهْلِ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ لِي»

''اہل صفہ کی خدمت میں جاؤ اور انھیں بلا کر میرے پاس لاؤ۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَهْلُ الصُّفَّةِ أَضْيَافُ الإِسْلاَمِ لاَ يَأْوُونَ إِلٰى أَهْلٍ وَلاَ مَالٍ وَلاَ عَلٰى أَحَدٍ، إِذَا أَتَتْهُ صَدَقَةٌ بَعَثَ بِهَا إِلَيْهِمْ وَلَمْ يَتَنَاوَلْ مِنْهَا شَيْئًا وَ إِذَا أَتَتْهُ هَدِيَّةٌ أَرْسَلَ إِلَيْهِمْ وَأَصَابَ مِنْهَا وَأَشْرَكَهُمْ فِيهَا»

''اصحابِ صُفّہ اسلامی مہمان تھے، راحت و آرام کے لیے ان کے پاس نہ تو اہل و عیال تھے اور نہ ہی مال و دولت، اور نہ ہی کسی پر کوئی ذمہ داری تھی۔ جب رسول اکرم ﷺ کے پاس کوئی صدقے کا مال آتا تو اسے اصحابِ صُفّہ کی خدمت میں بھیج دیا کرتے اور اس میں سے کچھ بھی تناول نہیں فرماتے تھے، البتہ اگر آپ کی خدمت میں ہدیہ آتا تو آپ اسے اصحابِ صفہ کے پاس بھیج دیتے اور اس میں سے خود بھی استعمال کرتے اور اصحابِ صفہ کو بھی شریک فرماتے تھے۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ نے اصحابِ صفہ کو بلانے کا حکم دیا تو مجھے ناگوار گزرا۔ میں نے دل ہی میں کہا: اصحابِ صفہ کا اتنے دودھ

سے کیا بنے گا۔ میں ہی اس کے لیے کافی اور زیادہ مستحق ہوں تا کہ مجھے کچھ تقویت پہنچے (کیونکہ دودھ کچھ زیادہ نہیں ہے) پھر جب اصحابِ صفہ تشریف لائیں گے تو مجھے ہی تقسیم کرنے کا حکم ہو گا، لہٰذا میں انھیں پلانے پر مامور ہوں گا اور یہ ناممکن ہے کہ ان کے بعد کچھ دودھ بچ رہے، اور ادھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بھی ضروری ہے۔

غرض میں نے اصحابِ صفہ کے پاس پہنچ کر انھیں رسول اکرم ﷺ کی دعوت سے آگاہ کیا۔ وہ لوگ آئے اور اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ رسول اکرم ﷺ نے انھیں اجازت مرحمت فرمائی۔ پھر اصحابِ صفہ گھر کے اندر اپنی اپنی جگہ لے کر بیٹھ گئے۔

اس کے بعد رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ابوہریرہ!'' میں نے عرض کی: حاضر ہوں اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا:

«خُذْ فَأَعْطِهِمْ»

''یہ دودھ کا پیالہ لو اور انھیں پینے کے لیے دو۔''

میں پیالہ لے کر ایک آدمی کو پینے کے لیے دیتا، جب وہ پی کر سیراب ہو جاتا تو مجھے واپس کر دیتا۔ پھر میں پیالہ دوسرے آدمی کو دیتا، جب وہ پی کر سیراب ہو جاتا تو پیالہ مجھے واپس کر دیتا۔ جب سارے لوگ دودھ نوش کر کے سیراب ہو گئے تو میں رسول اکرم ﷺ کے پاس پہنچا۔ رسول اکرم ﷺ نے پیالہ لے کر اپنے ہاتھ پر رکھا اور میری طرف دیکھ کر مسکرائے، پھر فرمایا: ''ابوہریرہ'' میں نے عرض کی: میں حاضر ہوں اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا:

«بَقِيتُ أَنَا وَأَنْتَ»

''میں اور تم باقی رہ گئے ہیں۔''

میں نے عرض کی: آپ نے سچ فرمایا اے اللہ کے رسول!

آپ نے فرمایا:

«اقْعُدْ فَاشْرَبْ»

''بیٹھو اور پیو۔''

میں بیٹھ گیا اور دودھ پینے لگا۔ آپ نے فرمایا: ''اور پیو'' میں نے اور پیا۔ آپ مسلسل کہے جا رہے تھے: ''پیو، اور پیو'' یہاں تک کہ مجھے کہنا پڑا کہ قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اب مجھ سے نہیں پیا جا سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پیالہ مجھے دو۔''

میں نے پیالہ رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی اور بسم اللہ کہہ کر بچا ہوا دودھ نوش فرمایا۔ (2)

---

(1) تَرَاهُ إِذَا مَا جِئْتَهُ مُتَهَلِّلاً كَأَنَّكَ تُعْطِيهِ الَّذِي أَنْتَ سَائِلُهُ!

جب تم اس کے پاس آؤ گے تو اسے مسکراتے ہوئے پاؤ گے، گویا کہ جس سے مانگ رہے ہو اس کو تم دے رہے ہو!! (دینے والا نہایت ہی عاجزی کے ساتھ سائل کے ساتھ پیش آنے والا ہے۔)

(2) صحیح البخاری، الرقاق، باب کیف کان عیش النبی ﷺ و اصحابه و تخلیهم عن الدنیا، حدیث: 6452 و مسند احمد: 515/2

(((خالق ومخلوق پر ایک دوسرے کا حق)))

امام احمد اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گدھے پر سوار ہوئے جس کا نام ''یعفور'' تھا' اور جس کی لگام کھجور کی چھال کی تھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار ہو کر فرمایا:

«ارْكَبْ يَا مُعَاذُ».

''اے معاذ! تم بھی سوار ہو جاؤ''۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ چلیں اے اللہ کے رسول۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم بھی سوار ہو جاؤ''۔

چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بھی سوار ہو گئے۔

قارئین کرام! ذرا دھیان سے اس منظر کو دیکھیں اور دماغ پر زور ڈالیں کہ وہ کونسی ہستی تھی جو گدھے پر سوار تھی؟ وہ ہستی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی جنہوں نے شرک کے اندھیرے میں پھنسی ہوئی انسانیت کو توحید کی روشنی کی طرف نکالا اور گمراہی کی دلدل میں پھنسے ہوئے لوگوں کو وحدانیت کی شادابی کی طرف نکال کر انہیں توحید کے چشمۂ صافی سے سیراب کیا جس کے سبب مردہ دلوں کو دوبارہ زندگی ملی اور مرجھائے ہوئے چہروں پر رونق و تازگی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ وہ عظیم ہستی گدھے پر سوار ہوئی اور ساتھ میں اپنے پیچھے ایک نجیب و شریف شاگرد معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھی سوار کیا۔

آگے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیچھے گدھے پر

سوار ہو گیا۔ اتنے میں گدھے کا پاؤں پھسل گیا اور وہ ہمیں لے کر گر پڑا۔ نبی کریم ﷺ جلدی سے زمین سے اٹھے اور ہنسنے لگے جبکہ میں اپنے دل میں افسوس کرتے ہوئے اٹھا۔

دراصل رسول اکرم ﷺ کی رسالت مسکراہٹ وتبسم اور بشارت وخوشخبری سے پر ہے۔آپ ﷺ ہر ایک کے لئے سراپا رحمت تھے۔ چنانچہ ہمہ وقت آپ اپنے محبین پر بشاشت نچھاور کرتے اور انہیں مختلف سعادتوں کے ذریعہ محظوظ کرتے رہتے۔ جریر بن عبداللہ کا بیان ہے:

«مَا رَآنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَّا تَبَسَّمَ فِي وَجْهِي».

''مجھ پر رسول اکرم ﷺ کی نظر جب بھی پڑی' آپ مجھے مسکراتے ہوئے نظر آئے''(1)۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم پھر گدھے پر سوار ہوئے اور پھر گر پڑے۔ پھر سوار ہوئے پھر گر پڑے۔اس کے بعد سوار ہو کر ہم چل پڑے۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ پیچھے بڑھایا اور اپنے ہاتھ میں موجود کوڑا یا عصا سے میری پیٹھ پر پیار سے ہلکی سی ضرب لگا کر فرمایا:

«يَا مُعَاذُ! هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ اللهِ عَلَى العِبَادِ؟».

''اے معاذ! تجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس کے بندوں پر کیا حق ہے؟''۔

میں نے عرض کیا: اس بارے میں اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنَّ حَقَّ اللهِ عَلَى العِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا».

''بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں اور اس کے

ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر ہم مزید آگے بڑھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ پیچھے کی جانب بڑھایا' اور میری پیٹھ پر پیار سے ایک اور ضرب لگائی اور فرمایا:

«يَا مُعَاذُ! يَا ابْنَ أُمِّ مُعَاذٍ! مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ إِذَا هُمْ فَعَلُوا ذٰلِكَ؟».

''اے معاذ! اے امِ معاذ کے بچے! کیا تجھے معلوم ہے کہ بندے جب اللہ کا حکم بجالائیں تو ان کا اللہ کے اوپر کیا حق ہے؟''۔

میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَإِنَّ حَقَّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ إِذَا هُمْ فَعَلُوا ذٰلِكَ أَنْ يُدْخِلَهُمُ الْجَنَّةَ».

''جب بندے یہ کام بجالائیں تو ان کا اللہ تعالیٰ پر حق یہ ہے کہ وہ انہیں جنت میں داخل کرے''(2)

قارئین کرام! ذرا اس واقعے کی لذت کو محسوس کریں کہ ایک استاذ کو اپنے شاگرد سے کتنا پیار تھا؟! اور شاگرد کے بارے میں بھی ذرا غور کریں کہ وہ اپنے استاذ کی ایک ایک ادا کو کیسے بیان کر رہا ہے؟!!

(1) سنن النسائی الکبری (82/5)، نیز یہ حدیث بخاری، مسلم اور ابن ماجہ وغیرہ میں بھی آئی ہے۔
(2) مسند احمد (238/5) نیز دیکھئے: بخاری (7273) و مسلم (30)۔

((ان گلی سڑی ہڈیوں کو دوبارہ کون زندہ کرسکتا ہے؟))

عاص بن وائل کو اللہ تعالیٰ نے کافی مال و دولت سے نوازا تھا، اس کی صحت بہت ہی اچھی تھی اور اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں میں اس کو عزت و شان والا بنایا تھا۔ لیکن کبر و نخوت میں وہ اپنے معبودِ حقیقی کو بھلا بیٹھا اور کلمہ لا الہ الا اللہ کا شدت سے انکار کر دیا۔

یہ مجرم ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کے پاس آیا۔ اس نے مٹھی میں ایک بوسیدہ ہڈی لے رکھی تھی، چنانچہ اسے ہتھیلی پر رکھ کر مسل دیا اور رسول اکرم ﷺ کے آگے پھونک کر اڑا دیا، پھر گویا ہوا:

«يَا مُحَمَّدُ! أَيَبْعَثُ اللهُ هٰذَا بَعْدَ مَا أَرَمَّ؟»

''اے محمد (ﷺ)! کیا تیرا رب اس ہڈی کو گل سڑ جانے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے گا؟''

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ! يَبْعَثُ اللهُ هٰذَا يُمِيتُكَ ثُمَّ يُحْيِيكَ ثُمَّ يُدْخِلُكَ نَارَ جَهَنَّمَ»

''ہاں! اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ کرے گا۔ تجھے بھی اللہ مارے گا پھر زندہ کرے گا اور پھر تجھے جہنم کی آگ میں داخل کرے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ○ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ○ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ﴾

’’کیا انسان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر یکا یک وہ صریح جھگڑالو بن بیٹھا۔ اور اس نے ہمارے لیے مثال بیان کی اور اپنی اصل پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا: ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ آپ جواب دیجیے کہ وہی انھیں زندہ کرے گا جس نے انھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے، جو ہر طرح کی پیدائش کا بخوبی جاننے والا ہے۔‘‘ (یٰسٓ: 36/77-79)(1)

یہی وہ عاص بن وائل مجرم ہے کہ جب اس کے پاس ایک تنگدست مسلمان (خباب بن ارت رضی اللہ عنہ) اپنی مزدوری مانگنے کے لیے آیا جس نے اس کے ہاں مزدوری کر رکھی تھی، تو وہ مجرم اس غریب کی بات کو نظر انداز کر کے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ غریب مسلمان گویا ہوا: اے ابوعمرو! میری مزدوری دو۔ عاص بن وائل نے پوچھا: کیا تو اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ہمیں اٹھائے گا؟ غریب مسلمان نے کہا: ہاں۔

عاص بن وائل نے ہنستے ہوئے کہا: جب اللہ تعالیٰ ہم سب کو دوبارہ زندہ کرنے ہی والا ہے تو میرا پروردگار مجھے بھی میری قبر سے اٹھائے گا اور اس وقت میرے پاس مال و دولت کے خزانے ہوں گے، میں اسی دن تمھارا حساب چکا دوں گا اور تمہاری مزدوری دے دوں گا۔(2)

اس موقعے پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴾

’’کیا تو نے اسے بھی دیکھا جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور کہا کہ مجھے تو

مال و اولاد ضرور ہی دی جائے گی، کیا وہ غیب پر مطلع ہے یا اللہ کا کوئی وعدہ لے چکا ہے؟ ہرگز نہیں، یہ جو بھی کہہ رہا ہے ہم اسے ضرور لکھ لیں گے اور اس کے لیے عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے۔ یہ جن چیزوں کا کہہ رہا ہے، وہ ہم اس کے بعد لے لیں گے۔ اور یہ تو بالکل اکیلا ہی ہمارے سامنے حاضر ہوگا۔'' (مریم:19/77-80)

(1) مستدرک حاکم:429/2، الدر المنثور للسیوطی:507/5۔ حاکم نے کہا ہے کہ یہ شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

(2) الدر المنثور:504/4، بخاری و مسلم میں بھی اس معنی کی روایت مروی ہے۔

(((اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ کیسے زندہ کرے گا؟)))

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گزر ایک مردہ آدمی کے پاس سے ہوا جو ساحلِ سمندر پر پڑا تھا اور جس کے بارے میں گمان تھا کہ وہ حبشی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ سمندری جانور اور زمینی درندے آ آ کر اس کے جسم سے نوچ نوچ کر کھاتے ہیں اور چڑیاں بھی اس کا گوشت کھا رہی ہیں۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے میرے پروردگار! یہ سمندری جانور اور یہ زمینی درندے پرندے اس آدمی کا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں، پھر تو انھیں بھی موت دے گا اور جب یہ گل سڑ جائیں گے تو پھر دوبارہ انھیں زندہ کرے گا۔ ذرا مجھے دکھا کہ تو مردوں کو زندہ کیسے کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے ابراہیم! کیا تجھے یقین نہیں ہے کہ میں مردوں کو زندہ کر دوں گا؟''

ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: کیوں نہیں اے میرے پروردگار! مجھے ضرور یقین ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہو جائے اور تیری نشانیوں کا بچشم خود مشاہدہ کر لوں اور مجھے معلوم ہو جائے کہ تو نے میری بات مان لی۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ چار پرندوں کو لے کر انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کو خلط ملط کر ڈالا اور انھیں چار پہاڑوں پر رکھا اور ان کے سر اپنے پاس ہی رکھے۔ پھر وادی میں اتر کر اللہ کا نام لے کر انھیں پکارا تو پرندوں کے پر، ہڈیاں اور گوشت اڑتے ہوئے آ آ کر اپنے اپنے سر کے ساتھ جڑ گئے اور سارے پرندے اپنے اپنے سر کے ساتھ ہی جڑے، ایک دوسرے میں خلط ملط نہ ہوئے۔ پھر پھڑ پھڑاتے ہوئے اڑ گئے جیسے پہلے تھے۔ (1)

اس قصے کے متعلق ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیات کریمہ نازل ہوئی ہیں:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِـۧمُ رَبِّ أَرِنِى كَيْفَ تُحْىِ ٱلْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَىٰ وَلَـٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِى قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ ٱلطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ ٱجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ٱدْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَٱعْلَمْ أَنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾

''اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ (جناب باری تعالیٰ نے) فرمایا: کیا تمھیں ایمان نہیں؟ جواب دیا: ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی، فرمایا: چار پرندوں کو لو، ان کے ٹکڑے کر ڈالو، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو، پھر انھیں پکارو، وہ تمھارے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے، حکمتوں والا ہے۔'' (البقرۃ:260/2)

ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: «نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ»

''ہم لوگ ابراہیم علیہ السلام کے مقابلے میں شک میں مبتلا ہونے کے زیادہ مستحق ہیں۔''[2] یعنی ابراہیم نے احیائے موتیٰ کے مسئلے میں شک نہیں کیا۔ اگر انھوں نے شک کیا ہوتا تو ہم یقیناً شک کرنے میں ان سے زیادہ حق دار ہوتے، لیکن چونکہ انھوں نے شک نہیں کیا، اس لیے ہم شک نہیں کر سکتے۔

---

(1) الدر المنثور فی التفسیر المأثور، اور اس کے علاوہ دیگر کتب میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

(2) صحیح البخاری، احادیث الانبیاء، باب و نبئهم عن ضیف ابراهیم، حدیث:3772 وصحیح مسلم، الایمان، باب زیادة طمأنینة القلب بظاهر الادلة، حدیث:151

حضرت طفیل بن عمرو دوسی کا اسلام

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ قبیلۂ دوس کے سردار اور ہر دلعزیز تھے۔ ان کی بات ان کے قبیلے کے لوگ غور سے سنتے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ وہ اپنے شہر سے بغرض تجارت مکہ مکرمہ تشریف لائے تو اشرافِ قریش ان کے اردگرد اکٹھے ہوگئے کیونکہ انھیں یہ خوف دامن گیر تھا کہ کہیں یہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر محمد کے پیروکاروں میں شامل نہ ہو جائیں، چنانچہ انھوں نے حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نفرت دلائی اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے یا آپ کی مجلس میں بیٹھنے اٹھنے سے منع کر دیا۔

اشرافِ قریش گویا ہوئے:

«يَا طُفَيْلُ! إِنَّكَ قَدِمْتَ بِلَادَنَا وَهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِي بَيْنَ أَظْهُرِنَا قَدْ اَعْضَلَ بِنَا، وَقَدْ فَرَّقَ جَمَاعَتَنَا وَشَتَّتَ أَمْرَنَا وَإِنَّمَا قَوْلُهُ كَالسِّحْرِ يُفَرِّقُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ أَبِيهِ وَبَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ أَخِيهِ وَبَيْنَ الرَّجُلِ وَزَوْجَتِهِ وَإِنَّا نَخْشٰى عَلَيْكَ وَعَلٰى قَوْمِكَ مَا قَدْ دَخَلَ عَلَيْنَا فَلَا تُكَلِّمَنَّهُ وَلَا تَسْمَعَنَّهُ مِنْهُ»

''اے طفیل! آپ ہمارے شہر میں تشریف لائے ہیں۔ ہمارے ہاں ایک آدمی ہے جس نے ہمارے معاملات بگاڑ کر رکھ دیے ہیں۔ اس نے ہم میں جدائی ڈال دی ہے اور شیرازہ منتشر کر دیا ہے۔ اس کی باتوں میں جادو ہے جس کے ذریعے سے وہ آدمی، اس کے والدین، اس کے بہن بھائیوں اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیتا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں وہ ہماری طرح آپ کو اور آپ

کی قوم کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے، لہٰذا آپ ہرگز اس سے کلام نہ کیجیے گا اور نہ اس کی باتوں پر کان دھریے گا۔''

حضرت طفیل کا بیان ہے: اللہ کی قسم! وہ مسلسل میرے کان (محمد ﷺ کے خلاف) بھرتے رہے، حتیٰ کہ میں نے عزم کر لیا کہ محمد ﷺ کی کوئی بات میرے کانوں سے نہ ٹکرا جائے۔ پھر میں بیت اللہ شریف گیا، دیکھا تو رسول اللہ ﷺ خانۂ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ میں بھی آپ ﷺ کے نزدیک ہی کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے نہ چاہنے کے باوجود آپ ﷺ کا کچھ کلام مجھے سنا دیا۔ واقعی مجھے آپ ﷺ کا کلام بہت اچھا لگا۔ میں نے دل ہی میں کہا: میری ماں مجھے گم کر دے، اللہ کی قسم! میں ایک چالاک اور ہوشیار شاعر ہوں۔ اچھے برے کلام کی تمیز کا مادہ بھی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ میں اس آدمی کا قول نہ سنوں؟ اگر کوئی اچھی بات بتلائے گا تو قبول کر لوں گا اور اگر کوئی ناگوار بات ہو گی تو چھوڑ دوں گا۔

میں بیٹھا ہی تھا کہ رسول اکرم ﷺ اٹھے اور اپنے گھر کو واپس ہو گئے۔ میں بھی پیچھے پیچھے چلتا ہوا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور عرض کی: اے محمد (ﷺ)! آپ کی قوم نے آپ کے متعلق مجھ سے یہ یہ بات کہی ہے، اللہ کی قسم! ان لوگوں نے آپ کے خلاف میرے کان اس قدر بھر دیے کہ میں نے آپ کی بات سننے کے ڈر سے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی، مگر اللہ تعالیٰ نے میرے نہ چاہنے کے باوجود مجھے آپ کے کلام کا کچھ حصہ سنا دیا۔ میں نے آپ کا کلام بہت ہی اچھا پایا، اس لیے اب آپ مجھے اپنی بات سنائیں۔

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے میرے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن کریم کی تلاوت فرمائی۔ اللہ کی قسم! میں نے اس سے اچھا کلام کہیں

اور نہیں سنا تھا اور نہ اس سے بہتر تعلیم مجھے کسی نے دی تھی۔ میں فوراً کلمۂ شہادت پڑھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا اور عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ میری قوم کے لوگ میری بات مانتے ہیں۔ ابھی میں ان کے پاس جاؤں گا اور انھیں اسلام کی دعوت دوں گا، اس لیے آپ میرے لیے کسی نشانی کی اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیں جو میری قوم کے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے اور میری دعوت قبول کرنے میں معاون ثابت ہو۔

رسول اکرم ﷺ نے میری بات سن کر یہ دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَّهُ آيَةً»

''اے اللہ! اس کے لیے کوئی نشانی عطا کر دے۔''

پھر میں اپنی قوم کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب میری قوم کے لوگ مجھے نظر آنے لگے تو یکا یک میری آنکھوں میں چراغ کے مانند ایک روشنی سی پیدا ہو گئی۔ میں نے کہا: اے اللہ! یہ روشنی میری آنکھ کے علاوہ کسی اور جگہ منتقل فرما دے، کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ یہ دیکھ کر کہیں میری قوم کے لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ چونکہ میں نے اپنا دین ترک کر دیا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بطور سزا میری آنکھ میں یہ عیب لگا دیا ہے۔ یہ دعا کرتے ہی روشنی میری آنکھ سے منتقل ہو کر میرے کوڑے کے اوپری حصے میں آ گئی۔ اب لوگ وہ روشنی میرے کوڑے کے اوپری حصے میں دیکھنے لگے جیسے وہ کوئی لٹکتی ہوئی روشن قندیل ہو۔

جب میں اپنی قوم کے پاس پہنچا تو میرے والد محترم جو ضعیف العمر تھے، میرے پاس تشریف لائے میں نے ان سے کہا: ابا جان! آپ مجھ سے الگ ہی رہیں کیونکہ اب میرا اور آپ کا رشتہ ایک نہیں رہا (میں مسلمان ہو گیا ہوں اور آپ کافر ہیں۔)

میرے والد نے پوچھا: آخر کیوں میرے بیٹے ؟!

میں نے بتایا: میں دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر محمد ﷺ کے پیروکاروں میں شامل ہو چکا ہوں۔

میرے ابا جان نے کہا: بیٹے! میرا دین بھی تیرا ہی دین ہے۔ پھر انھوں نے کلمۂ شہادت «أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ» پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔

اتنے میں میری بیوی آ گئی، میں نے اس سے بھی وہی کچھ کہا جو اپنے والد سے کہا تھا، چنانچہ وہ بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئی۔ پھر میں اپنی قوم کے لوگوں کے پاس گیا اور انھیں اسلام کی دعوت دی مگر وہ ٹال مٹول کرنے اور مجھ سے اعراض کرنے لگے۔ میں فوراً مکہ مکرمہ پہنچ کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! قبیلۂ دوس کے لوگ میرے اوپر لہو ولعب کے ذریعے سے غالب آ گئے (اور میری دعوت قبول کرنے میں ٹال مٹول کرنے لگے،) اس لیے آپ ان کے لیے بددعا کر دیں۔

رسول اکرم ﷺ نے میری گفتگو سن کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور قبلہ رُخ ہو گئے۔ میں نے دل میں کہا: اب دوس ہلاک ہو گئے، برباد ہو گئے، ان کی تباہی آ گئی مگر رسول اکرم ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا، اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا، اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا»

''اے اللہ! قبیلۂ دوس کو ہدایت دے! اے اللہ! دوس کو راہِ راست پر لے آ! اے اللہ! دوس کو سیدھے راستے پر گامزن کر!''

پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

«ارْجِعْ إِلَى قَوْمِكَ فَادْعُهُمْ إِلَى اللهِ تَعَالٰى وَارْفُقْ بِهِمْ»

''اپنی قوم کے پاس واپس جاؤ، ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دو اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔''(1)

جی ہاں! یہ ہیں نبی رحمت جن سے بددعا کی باضابطہ درخواست کی جاتی ہے مگر اس کے بدلے آپ دعائیہ کلمات عنایت فرماتے ہیں، اور یہ کیوں نہ ہو جبکہ آپ انسانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ حیوانوں کے لیے بھی سراپا رحمت بن کر آئے تھے!! اللہ تعالیٰ نے آپ کی شفقت و مہربانی کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾

''یقیناً تمھارے پاس ایسے رسول تشریف لائے ہیں جو تمھی میں سے ہیں۔ اُن کو تمھاری تکلیف کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، وہ تمھاری بھلائی کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، ایمان والوں پر بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔'' (التوبۃ:128/9)

حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ آگے بیان کرتے ہیں: پھر میں سرزمینِ دوس میں مسلسل دعوت و تبلیغ کی خدمت انجام دیتا رہا، چنانچہ وہ سب کے سب اسلام لائے اور کلمۂ حق کی شہادت دی۔ دریں اثنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ ہجرت کر گئے حتیٰ کہ بدر و احد اور خندق کی جنگیں بھی گزر گئیں۔ میں اس وقت اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا جب آپ غزوۂ خیبر کی ضروری کارروائیوں میں مصروف تھے۔ آپ نے غزوۂ خیبر میں شریک دیگر مسلمانوں کے ساتھ ہمیں بھی مالِ غنیمت سے نوازا۔ اس کے بعد فتح مکہ تک مسلسل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہا۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ پھر حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سے عمرو بن حممہ کے بُت ذوالکفّین کے جلانے کی اجازت مانگی تو رسول اکرم ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی، چنانچہ حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ اس بت کے پاس گئے اور اس میں آگ لگاتے ہوئے یہ شعر کہنے لگے۔

يَاذَالْكَفَّيْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِكَا مِيلَادُنَا أَقْدَمُ مِنْ مِيلَادِكَا
إِنِّي حَشَوْتُ النَّارَ فِي فُؤَادِكَا

''اے ذوالکفین! میں تیرا پجاری اور غلام نہیں ہوں، ہماری تاریخ تمھاری تاریخ سے کہیں زیادہ قدیم ہے۔ لو میں نے تیرے دل میں آگ ٹھونس دی۔''

اس کے بعد حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ مسلسل اسلام کی خاطر اپنی وفاداری پیش کرتے رہے اور جہاد میں شریک رہے۔ جب بہت سارے عرب اسلام سے مرتد ہو گئے تو وہ مسلمانوں کے ساتھ دجال و کذاب مسیلمہ کی سرکوبی کے لیے نکلے۔ آپ کے ساتھ آپ کے صاحبزادے عمرو بن طفیل بھی تھے۔ یمامہ کی راہ میں حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ''میں نے ایک خواب دیکھا ہے، آپ لوگ اس کی تعبیر بتائیں۔ میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ میرا سر مونڈا ہوا ہے اور میرے منہ سے ایک پرندہ نکلا ہے، پھر مجھ سے ایک عورت ملی جس نے مجھے اپنی شرمگاہ میں داخل کر لیا۔ میں نے اپنے بیٹے عمرو کو دیکھا کہ وہ مجھے بڑی بے چینی سے تلاش کر رہا ہے، پھر وہ میری تلاش سے رک گیا۔''

لوگوں نے یہ خواب سن کر کہا: خیر ہے۔

حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اپنے خواب کی خود سے ایک تعبیر نکالی ہے۔

ساتھیوں نے عرض کی: وہ کیا ہے؟

حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے سر کے مونڈے جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کاٹ دیا جائے گا۔ میرے منہ سے نکلنے والا پرندہ میری روح ہے، اور عورت کے اپنی شرمگاہ میں مجھے داخل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ زمین میں میرے لیے قبر کھودی جائے گی اور میں اس میں دفن کیا جاؤں گا، اور میرے بیٹے نے جو مجھے تلاش کیا اور پھر رک گیا، اس کا مطلب میرے خیال میں یہ ہے کہ وہ بھی میری طرح شہادت کی کوشش کرے گا۔

پھر جنگ شروع ہوئی اور اس میں طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، پھر ان کے بیٹے عمرو بھی شدید زخمی ہوئے لیکن ان کا انتقال نہیں ہوا، پھر اس کے بعد جنگ یرموک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوئی تو اس میں شہادت پائی۔[2]

اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾

''جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں، ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں، انھیں ان کے رب کے ہاں رزق دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت اور فضل جو انھیں دے رکھا ہے، اس پر بہت خوش ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں ان لوگوں کی بابت جو اب تک ان سے نہیں ملے اور ان کے پیچھے (دنیا میں) ہیں، اس پر کہ انھیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' (آل عمران: 3/169-170)

(1) دلائل النبوة للبيهقي، باب قصة دوس والطفيل بن عمرو رضی اللہ عنہ، ص: 5/362 (طبع دار الكتب العلمية)

(2) سیرۃ ابن ہشام: 1/382 والبداية والنهاية: 3/97,98

توبہ ایک لشکری حارس کی!

ڈاکٹر عائض القرنی کے خطبوں کے مجموعے میں ایک قصہ بیان ہوا ہے جسے افادۂ عام کی غرض سے یہاں قلمبند کیا جا رہا ہے۔ صاحبِ قصہ نے خود ان سے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

آج میں آپ لوگوں کے سامنے ایک عجیب وغریب قصہ بیان کرر ہا ہوں۔ یہ ایک ایسے آدمی کا قصہ ہے جس نے منکرات میں اپنی زندگی کا طویل وقت گزارنے کے بعد اللہ کی طرف رجوع کیا۔ یہ ایک ایسے توبہ کرنے والے خوش نصیب کی داستان ہے جس کو صحیح راستے کی بالکل سوجھ بوجھ نہیں تھی، مگر اب وہ دستور کے مطابق زندگی گزار رہا ہے۔ وہ اپنی زندگی کے پچاس سے زائد سال گزار چکا ہے۔ اللہ کی توفیق سے اب وہ اللہ کا ایک عبادت گزار بندہ اور اللہ کا ایک ولی ہے۔ ہم اسے یہی سمجھتے ہیں، حقیقی علم اللہ ہی کو ہے۔ میں آپ لوگوں کے سامنے اس کا نام ذکر نہیں کر سکتا، کیونکہ اس نے مجھے اللہ کا واسطہ دے کر کہا ہے کہ میں لوگوں کے سامنے اس کا نام نہ لوں۔

آج جب کہ میں اس کا قصہ بیان کر رہا ہوں، وہ ہمارے ملک سعودی عرب ہی کے ایک شہر میں سکونت پذیر ہے۔ وہ اپنی ابتدائی عمر میں بیکاری کی زندگی گزار رہا تھا۔ وقت کا ضیاع، اوہام وخرافات میں رہنا، اللہ تعالیٰ کی باتوں سے سرکشی وتمرد اختیار کرنا اس کی صفاتِ خاصہ تھیں۔

یہ تائب فوجی ڈیپارٹمنٹ میں چوکیدار تھا۔ اپنی باری ہاتھ میں بندوق لیے ہوئے نبھاتا تھا لیکن اسے اللہ کی بالکل پہچان نہ تھی۔ خود صاحب قصہ کا بیان ہے:

''مدت گزر گئی مگر میں نے اللہ کے لیے ایک سجدہ بھی نہیں کیا اور اگر کیا بھی تو لوگوں کو دکھلانے کے لیے اور ان سے دادِ تحسین لینے کے لیے۔''

ہفتے مہینے گزر جاتے لیکن وہ غسلِ جنابت تک نہیں کرتا۔ پھر ایسی صورت میں رکوع و سجود اور تلاوتِ قرآن کیسے کر سکتا تھا؟ اس کی زبان پر کسی اچھے آدمی کا نام تک نہیں آتا تھا۔ اللہ و رسول کے فرمان پر سرکشی کرنا اس کی عادت تھی۔ موت اس کی ڈکشنری میں ایک کلمے کے سوا کچھ نہیں تھی۔ رات رات بھر فحش گانے سنتا، برے ساتھیوں کے ہمراہ جرم کے کاموں میں ملوث رہتا۔ ایسے دوستوں کے ساتھ اس کی راتیں گزرتیں جو اللہ کی ہدایت کی طرف لے جانے والی راہوں کی مخالفت کرتے اور ٹیڑھی راہ چلتے۔ جب اس پر نیند کا غلبہ ہوتا تو بغیر طہارت کے ویسے ہی جانوروں کی طرح لیٹ جاتا۔ اسے نمازوں کے اوقات کی بھی خبر نہ تھی کیونکہ وہ نماز پڑھتا ہی نہ تھا۔ جب چاہتا نیند سے بیدار ہوتا۔ طہارت، وضو، عبادت اور ذکر اذکار سے بالکل عاری تھا۔

بظاہر وہ ایک طاقت ور انسان تھا، اس کا جسمانی ڈھانچا موٹا تازہ تھا، مگر وہ کمزور دل کا، اور شکست خوردہ ارادے کا پُتلا تھا۔ زندگی کا کوئی مقصد نہ تھا، دین اور دین سے منسلک افراد سے اسے سخت بغض تھا اور انھیں وہ سخت ناپسند کرتا تھا حتیٰ کہ جب وہ دیندار لوگوں کو دیکھتا تو ان کا مذاق اڑاتا کیونکہ اس کی نگاہ میں اسلام رجعت پسند اور اور پچھڑا ہوا دین، اور سنتِ نبویہ کا دور گزر گیا، اب یہ موجودہ دور میں چلنے کے قابل نہیں۔

اس کی فسادانگیز فکر اور اس کے جرائم کے بارے میں سن کر کئی داعیانِ اسلام اس کے پاس گئے اور اسے پند و نصائح سے نوازا اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا۔

لیکن سبھوں کی بات اس نے یہ کہہ کر رد کر دی:

''صریح کفر کرنا دین کی آڑ میں منافق بنے پھرنے سے اچھا ہے۔''

وہ ان علماء و واعظین پر نفاق کی بہتان تراشی کرتا اور کہتا کہ یہ چاپلوسی اور اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے دوسروں کی بے جا تعریف کرنے والے ہیں۔ درحقیقت یہ بھی اس فکری جنگ کا نتیجہ ہے جس نے بعض مسلمانوں کی ذہنیت کو خراب کر دیا ہے اور ان کے دل و دماغ میں یہ بات ڈال دی ہے کہ علماء منافق، دہشت گرد اور تشدد پسند ہوتے ہیں۔

غرض اس آدمی نے اپنے والدین سے بھی قطع تعلق کر لیا تھا جو اس سے تین سو کلومیٹر کے فاصلے پر سکونت پذیر تھے۔ اس نے اپنے والدین سے گالی گلوچ کر کے انھیں چھوڑ دیا تھا۔

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس ایک ماہر مبلغ اسلام کو بھیج دیا جس سے میں تو واقف نہیں ہوں، البتہ اس خطے کے علاوہ دوسرے خطے کے بہت سارے علماء اور طلبہ اس کی شخصیت سے واقف ہیں۔ اس داعی کا اسم گرامی ''محمد بن حمود یمنی'' ہے۔ وہ ایسی شخصیت ہے جس کو کتابوں میں نہیں بلکہ دلوں میں پڑھا جا سکتا ہے۔ اخباروں میں اس کا کوئی چرچا نہیں بلکہ روحوں نے اس کو یاد رکھا ہے۔ کسی میگزین میں اس کا نام سرخیوں میں شائع نہیں ہوتا مگر توقع ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں خاص لوگوں میں شمار ہوتا ہوگا۔ اس کے بارے میں باوثوق ذریعے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں اُتر کر خطاب کرتا تھا۔

گناہوں میں ملوث ہونے کے بعد توبہ کرنے والا مذکور شخص بیان کرتا ہے:

جس شہر میں میری ڈیوٹی لگی تھی وہاں کی ایک مسجد کے قریب ہی میں اپنی بندوق سنبھالے پہریداری کر رہا تھا، لوگ جوق در جوق نماز عصر کی ادائیگی کے لیے مسجد جارہے تھے اور میں بے حس و حرکت اپنی ڈیوٹی نبھا رہا تھا۔ مجھے نماز کی کوئی پروانہیں تھی۔

جب عصر کی نماز ختم ہوگئی اور امام نے سلام پھیر دیا تو مذکورہ داعی الی اللہ لاؤڈ اسپیکر کے سامنے آیا اور اس نے لوگوں کو اللہ کا خوف دلاتے ہوئے اور اس کے سخت عذاب سے ڈراتے ہوئے بآواز بلند اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تلاوت فرمائی:

﴿يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ﴾

''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو۔'' (النساء: 1/4)

نیز یہ آیت تلاوت کی:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جس طرح ڈرنا چاہیے اور دیکھو مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا۔'' (آل عمران: 102/3)

پھر داعی نے اپنا بیان شروع کیا اور قیامت کی ہولناکیاں بیان کیں۔ جنت و جہنم کا تذکرہ کیا۔ یہ سننا تھا کہ حارس (پہریدار) نے اپنا دل اس داعی کے حوالے کر دیا اور داعی کا کلام حارس کے کان سے پہلے اس کے دل میں جا گزیں ہوا کیونکہ دل سے نکلنے والی بات دل ہی کو لگتی ہے۔ خود حارس کا بیان ہے:

داعی نے میرے دل کو گرفتار کر لیا۔ میں واپس ہوا تو میری آنکھوں سے زاروقطار آنسو بہہ رہے تھے۔ میرے جسم کے ساتھ میرے پاؤں بھی تھر تھر کانپنے

لگے۔ قدم آگے کی جانب بڑھانا مشکل ہو گیا، چنانچہ میں زمین پر بیٹھ گیا۔ اس وقت داعی کی پر تاثیر آواز میرے دل میں بلا واسطہ گھس رہی تھی۔ اس کا بیان قیامت اور قیامت کے دن لوگوں کے احوال پر مشتمل تھا، وہ بیان کر رہا تھا کہ اس وقت کیا عالم ہو گا جب صحیفے تقسیم کیے جائیں گے، پھر جن کے صحیفے دائیں ہاتھ میں ملیں گے وہ تو خوشی منائیں گے لیکن جن کے صحیفے بائیں ہاتھ میں ملیں گے ان کا حال کیا ہو گا؟! نفسا نفسی کا عالم ہو گا، ہر شخص بے چین و بے قرار ہو گا، لیکن چین و قرار تو اسی کو نصیب ہو گا جس نے دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری میں اپنی زندگی کے ایام گزارے ہوں گے۔

حارس کا بیان ہے کہ میں عصر کے بعد مغرب سے پہلے تک زار و قطار روتا رہا۔ بالآخر میں نے اپنی باری اپنے ایک دوست کے حوالے کر دی۔ لوگ میری کیفیت دیکھ کر گھبرا سے گئے اور میرے ارد گرد لوگوں کا ازدحام ہو گیا۔

لوگوں نے مجھ سے پوچھا: بھئی تجھے ہو کیا گیا ہے؟ میں نے جواب دیا: کوئی بات نہیں، میں اللہ تعالیٰ سے توبہ کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کر رہا ہوں، اب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہا ہوں۔ اے میرے پروردگار! میری بخشش فرما، مجھے بخش دے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَ الَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَ مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَ لَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴾

”جب ان سے کوئی بُرا کام ہو جائے یا وہ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھیں تو فوراً اللہ

کا ذکر اور اپنے گناہوں پر استغفار کرتے ہیں، فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ لوگ جان بوجھ کر اپنے کیے پر اڑ نہیں جاتے۔''
(آل عمران:135/3)

پھر حارس نے جا کر غسلِ جنابت کیا کیونکہ وہ ہفتوں سے ناپاک تھا، اور اپنا لباس بدلا، کیونکہ اس کا دل اب بدل چکا تھا، پھر اس نے توبہ واستغفار کی اور اس کی آنکھیں زار و قطار آنسو بہا رہی تھیں ۔

إِذَا اشْتَبَكَتْ دُمُوعٌ فِي خُدُودٍ　تَبَيَّنَ مَنْ بَكٰى مِمَّنْ تَبَاكٰى

''جب آنسو رخساروں پر پھیل جائیں تو حقیقی رونے والے اور بناوٹی رونے والے کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔''

حارس کا بیان ہے کہ میں نے حقیقی معنوں میں جو پہلی نماز پڑھی وہ مغرب کی نماز تھی۔ نماز سے فراغت کے بعد میں دیکھتا ہوں کہ وہی داعی ومبلغ میرے سامنے ہے جس کے وعظ نے میری زندگی کی کایا پلٹی تھی۔ وہ داعی ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ مجھ سے ملا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے مجھے غلامی سے خرید کر آزاد کر دیا ہو۔ پھر وہ داعی مجھے لے کر مسجد کے قریب ایک گھر کے اندر گیا اور میرے رونے کے متعلق پوچھا۔

میں نے اس سے اپنی ساری داستان کہہ سنائی۔ میری داستان سن کر وہ بھی میرے ساتھ رونے میں شریک ہو گیا۔ پھر میں نے کہا: اب میری از سرِ نو پیدائش عمل میں آئی ہے۔

پھر اس داعی نے مجھ سے ہدایت و رہنمائی کی باتیں بیان کیں، جنت تک پہنچنے کے راستے بتلائے، صادقین کے ثواب کا ذکر کیا اور خالص توبہ کر کے نیک راستے پر

گامزن ہونے والوں کے اچھے بدلے کے متعلق بتایا۔ اس کے بعد اس نے پوچھا: تم کو قرآن کا کتنا حصہ یاد ہے؟

میں نے جواب دیا: مجھے کچھ بھی قرآن یاد نہیں ہے۔

داعی نے کہا: سبحان اللہ!! ابھی تم نے ہمارے ساتھ نماز کیسے پڑھی؟

میں نے عرض کیا: یونہی میں نے پڑھ لی، حتیٰ کہ مجھے سورۃ الفاتحہ بھی یاد نہیں ہے۔

جی ہاں! ایسا ہی ہوتا ہے ہمارے مسلم معاشرے میں!! بہت سارے ایسے مسلمان ہیں جو خرافات و واہیات اور بری باتوں کے سیکھنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں، لیکن اسلام کی باتیں سننا انھیں پل بھر کے لیے بھی گوارہ نہیں ہوتا!! ہر چیز کے متعلق انھیں معلومات ہوتی ہیں صرف قرآن کے سوا!! ہر چیز سے انھیں محبت ہوتی ہے محض دین کے سوا!! بلکہ بہت سارے مسلم نوجوانوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ گانے کے سینکڑوں اشعار یاد رکھتے ہیں لیکن انھیں قرآن کی ایک بھی سورت یاد نہیں ہوتی!!

حارس کا بیان ہے: داعی نے مجھے سورۃ الفاتحہ اور قرآن پاک کی ایک چھوٹی سی سورت حفظ کرائی۔ اس کے بعد اس نے مجھے گاؤں کے ایک نیک آدمی کے حوالے کر کے قرآن حفظ کرانے کی ذمہ داری لگا دی۔

اللہ کی قسم! اب میرا حال یہ ہو گیا کہ خوفِ الٰہی سے میں چوبیس گھنٹے کے اندر صرف دو گھنٹے سوتا تھا۔ یوں میں نے محنت کر کے صرف چار ماہ کے اندر مکمل قرآن کریم حفظ کر لیا۔

ڈاکٹر عائض قرنی اپنے خطبے کے اگلے حصے میں فرماتے ہیں: اب اس آدمی کا حال یہ ہو گیا کہ قرآن کریم سے اسے شدید لگاؤ ہو گیا۔ وہ دین اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کی جنت کی تلاش میں سرگرداں ہو گیا۔ میں اچھی طرح سے

اس سے واقف ہوں، وہ اب عابد و زاہد بن چکا ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ بکثرت قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے، ہر تیسرے دن وہ کلام پاک ختم کرتا ہے اور اکثر دنوں میں روزے رکھتا ہے۔ وہ قرآن کی تلاوت کرتا ہے اور اس کی آنکھیں زاروقطار آنسو بہا رہی ہوتی ہیں۔

یہ ہے اس حارس کا قصہ جس نے منکرات کے اڈے میں زندگی گزاری لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے توبہ کا دروازہ کھول دیا تو اب وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ و نیک بندوں میں شامل ہو چکا ہے!!(1)

(1) دیکھئے ڈاکٹر عائض القرنی کی کتاب: المسک والعنبر فی خطب المنبر، ص:458۔

قابل رشک شہادت [1]

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے فی سبیل اللہ شہادت کی دعا مانگا کرتے تھے۔ جب انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ اپنا آخری حج کیا تو عرفہ میں کھڑے ہو کر لوگوں کے سامنے ایک عظیم خطبہ دیا۔ اس کے بعد ملک ملک میں بھیجے گئے امراء اور لوگوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا اور پھر سب کے سامنے ان سے لوگوں کے قصاص دلائے۔ جب اس سے فارغ ہو گئے تو جمرات کو کنکریاں مارنے لگے۔ وہاں ایک حاجی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سر پر کنکر دے مارا جس سے سر پھوٹ گیا اور خون بہہ پڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں عنقریب قتل کر دیا جاؤں گا۔

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منیٰ سے روانہ ہوئے تو بطحائے مکہ (کشادہ پتھریلی وادی) میں آکر اونٹ کو بٹھایا اور وہاں ریت اکٹھی کر کے اس پر اپنی چادر بچھائی اور چت لیٹ گئے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر یہ دعا کی:

«اللَّهُمَّ كَبُرَتْ سِنِّي وَضَعُفَتْ قُوَّتِي وَانْتَشَرَتْ رَعِيَّتِي فَاقْبِضْنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مُضَيِّعٍ وَلَا مُفَرِّطٍ»

''اے اللہ! میری عمر زیادہ ہو گئی، میری قوت و طاقت کمزور ہو گئی اور میری رعایا ہر سو پھیل گئی ہے۔ اب مجھے ضائع کاروں اور کوتاہ کاروں میں شمار کیے بغیر اپنے اپنے پاس اٹھا لے۔''

پھر مدینہ تشریف لائے اور لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! قَدْ سُنَّتْ لَكُمُ السُّنَنُ وَفُرِضَتْ لَكُمُ الْفَرَائِضُ

وَتُرِكْتُمْ عَلَى الْوَاضِحَةِ إِلاَّ أَنْ تَضِلُّوابِالنَّاسِ يَمِيناًوَشِمَالاً»

''لوگو! سنتیں تمھارے لیے مسنون قرار دی گئی ہیں، اور واجبات تم پر فرض قرار دیے گئے ہیں، اور تم واضح وروشن راہ پر چھوڑے گئے ہو الا یہ کہ تم لوگوں کے ساتھ مل کر دائیں بائیں گمراہی کی ڈگر پر جا پڑو۔''

پھر آپ نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے پر مارا۔ (2)

امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مدینہ لوٹتے وقت شہادت کی تمنا کر رہے تھے۔ آپ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ابا جان! آپ خواہش تو کر رہے ہیں شہادت کی، اور قتل چاہ رہے مدینة الرسول ﷺ میں!! جس کو قتل ہونے کی خواہش ہے، اسے تو چاہیے کہ وہ سرحد کی طرف نکلے اور وہاں جہاد کرے!

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی کو یہ جواب دیا:

«سَأَلْتُ رَبِّي وَأَرْجُوا أَنْ يُلَبِّيَ لِي رَبِّي مَا سَأَلْتُ»

میں نے اپنے پروردگار سے شہادت کی دعا کی ہے، اور مجھے امید ہے کہ میرا پروردگار میری خواہش پوری کرے گا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مدینہ پہنچ کر خواب میں دیکھا کہ ایک مرغے نے انھیں دو یا تین مرتبہ ٹھونگ ماری۔ لوگوں نے اس خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ اے امیر المؤمنین! آپ کو ایک عجمی آدمی قتل کرے گا۔ پھر امیر المؤمنین نے مجمع میں کھڑے ہو کر لوگوں سے خطاب کیا اور بتایا کہ عنقریب وہ اس دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں اور وفات بالکل قریب ہے۔

امیر المؤمنین لوگوں کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد سورۂ یوسف پڑھنا شروع کی کیونکہ سورۂ یوسف کی تلاوت آپ کو بہت محبوب

تھی۔ جب آپ اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴾

''اور اس (حضرت یعقوب) کی آنکھیں بوجہ رنج وغم سفید ہو چکی تھیں اور وہ غم کو دبائے ہوئے تھے۔'' (یوسف:84/12)

پر پہنچے تو خود بھی روئے اور تمام نمازیوں کو رُلایا یہاں تک کہ آخری صف سے بھی رونے کی وجہ سے ہچکی کی آواز سنی گئی۔ پھر آپ اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں گئے۔ اسی دوران میں بد بخت ابولؤلؤ مجوسی زہریلا خنجر لے کر آگے بڑھا اور اس سے آپ کے جسم میں چھ کاری زخم لگائے۔

زخم کھا کر امیر المؤمنین یہ کہتے ہوئے گر پڑے:

«حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ»

تعجب اس بات پر ہے کہ اکثر لوگوں کو اس حادثے کا علم نہ ہوا۔ لوگوں کو احساس اس وقت ہوا جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نماز کی تکمیل کے لیے آگے بڑھے، کیونکہ یہ امت سخت معرکے میں دشمنوں کی تلواروں کے سائے میں نماز پڑھنے کی عادی تھی۔ میدانِ کارزار میں تلواروں کی تیز چمک اور خنجروں کی جھنکار سے فضا گونجتی تھی لیکن یہ امت ایسی صورت میں بھی نماز میں اپنے پروردگار سے سرگوشی کرنے کی عادی تھی، تو پھر بھلا اس جاں گداز حادثے کا احساس سارے مقتدیوں کو کیسے ہو سکتا تھا؟!!

امیر المؤمنین نماز پڑھاتے پڑھاتے خنجر کے زخم کھا کر زمین پر گر گئے اور نماز کی تکمیل کے لیے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر اُنھیں آگے اپنی جگہ کھینچ لیا۔ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی قراءت شروع ہوئی تو لوگ سہم سے گئے اور گھبرا اٹھے کہ آخر امیر المؤمنین کی آواز کیا ہوئی! خلیفہ کی آواز کیوں نہیں

آ رہی ہے؟ حبیب کہاں گیا؟ انصاف پرور کہاں چلا گیا؟

امیر المؤمنین سکرات الموت کے عالم میں ہیں، پوچھ رہے ہیں: «مَنْ قَتَلَنِي؟» مجھے قتل کس نے کیا ہے؟ حاضرین جواب دیتے ہیں: ابولؤلؤ مجوسی نے۔

فرماتے ہیں:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ قَتْلِي عَلٰى يَدِ رَجُلٍ مَا سَجَدَ لِلّٰهِ سَجْدَةً»

''تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے مجھے ایسے آدمی کے ہاتھوں قتل کرایا ہے جس نے کبھی اللہ کے آگے ایک سجدہ بھی نہیں کیا۔''

ذرا غور کرو، سوچو! امیر المؤمنین سکرات الموت میں مبتلا ہیں لیکن بار بار سوال کرتے ہیں:

«هَلْ صَلَّيْتُ؟ هَلْ أَكْمَلْتُ الصَّلَاةَ؟»

''کیا میں نے نماز پڑھ لی؟ کیا میں نے نماز کی تکمیل کر لی؟

ان کی یہی خواہش تھی کہ وہ نماز مکمل کر لیتے تاکہ فجر کی نماز مکمل کر کے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں۔

آپ نے حکومت کے بارے میں نہیں پوچھا!

بچوں کے بارے میں نہیں پوچھا!

ملک کے بارے میں نہیں پوچھا!

بیوی کے بارے میں نہیں پوچھا!

میراث کے بارے میں نہیں پوچھا!

اگر پوچھا تو کس کے بارے میں؟!

نماز کے بارے میں پوچھا!! اور اس وقت تک اطمینان کی سانس نہیں لی جب

تک کہ اس روز کی نماز فجر سورج نکلنے سے پہلے پہلے ادا نہ کر لی!!

ایک صحابی کا بیان ہے:

«لَقَدْ ظَنَنَّا أَنَّ الْقِيَامَةَ قَدْ قَامَتْ يَوْمَ قُتِلَ عُمَرُ. . !!»

''حضرت عمر کے قتل کیے جانے کے دن ہمیں ایسا لگا کہ قیامت برپا ہو چکی ہے......!!''

لوگ امیر المؤمنین کو اٹھا کر گھر لے گئے اور آپ کی خدمت میں ایک تکیہ حاضر کیا۔ آپ نے تکیہ پھینک دیا اور فرمایا:

«ضَعُوا رَأْسِي عَلَى التُّرَابِ لَعَلَّ اللهَ أَنْ يَرْحَمَنِي»

''میرا سر مٹی پر رکھو، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم فرمائے۔''

پھر رو کر کہنے لگے:

«يَا مَنْ لاَ يَزُولُ مُلْكُهُ، ارْحَمْ مَنْ زَالَ مُلْكُهُ»

''اے وہ ذات جس کی سلطنت کبھی زائل نہیں ہو سکتی! اس شخص پر رحم فرما دے جس کی سلطنت زائل ہو گئی۔''

پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسلمان بچوں کو بلایا۔ وہ روتے ہوئے داخل ہوئے۔ آپ نے سارے بچوں کو ایک ایک کر کے بوسہ دیا اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرا۔

لوگوں نے آپ کی خدمت میں دودھ کا پیالہ پیش کیا۔ جب آپ نے دودھ نوش فرمایا تو وہ پیٹ کے زخم کے راستے سے نکل گیا۔ آپ نے فرمایا: «اَللهُ الْمُسْتَعَانُ»

پھر نوجوانوں کی ٹولی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے ان کو خوش آمدید کہا۔ اسی دوران میں آپ کی نگاہ ایک نوجوان پر پڑی جس کے کپڑے ٹخنوں

سے نیچے تھے۔اس سے فرمایا:

«يَا ابْنَ أَخِي تَعَالَ»

''بھتیجے! ادھر آؤ۔''

جب وہ نوجوان قریب ہوا تو آپ نے فرمایا:

«ارْفَعْ إِزَارَكَ»

''اپنا ازار (شلوار) اوپر اٹھالو۔''

امیر المؤمنین سکرات کے عالم میں ہیں، پسلیوں کے درمیان سے خون نکل رہا ہے سارا بدن خون سے لت پت ہے لیکن اس حالت میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے سے غافل نہیں!!

امیر المؤمنین فرماتے ہیں:

«ارْفَعْ إِزَارَكَ فَإِنَّهُ أَتْقَى لِرَبِّكَ وَأَنْقَى لِثَوْبِكَ»

''اپنا ازار اوپر اٹھالو کیونکہ اس میں تیرے پروردگار کا تقویٰ اور تیرے کپڑے کی پاکیزگی ہے۔''

نوجوان امیر المؤمنین کی نصیحت سن کر آپ کی موت آنکھوں سے دیکھتا ہے اور غم واندوہ کے آنسو بہاتے ہوئے چلا جاتا ہے!!

پھر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ الوداعی کلمات کہنے کے لیے امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شانے پر ٹیک لگا کر زاروقطار آنسو بہاتے ہوئے گویا ہوتے ہیں:

«يَا أَبَا حَفْصٍ! وَاللهِ! لَطَالَمَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ»

''اے ابوحفص! اللہ کی قسم! میں نے کئی دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے

ہوئے سنا ہے:

«جِئْتُ أَنَا وَ أَبُوبَكْرٍ وَ عُمَرُ، وَذَهَبْتُ أَنَا وَ أَبُوبَكْرٍوَعُمَرُ، وَخَرَجْتُ أَنَا وَأَبُوبَكْرٍ وَعُمَرُ»

''میں آیا اور ابوبکر وعمر بھی آئے، میں گیا اور ابوبکر وعمر بھی گئے، میں نکلا اور ابوبکر وعمر بھی نکلے۔''

«فَأَسْأَلُ اللهَ أَنْ يَحْشُرَكَ مَعَ صَاحِبَيْكَ»

''میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کا حشر بھی آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ کرے۔''

امیر المؤمنین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلمات سُننے کے بعد فرمایا:

«يَالَيْتَنِي أَنْجُو كَفَافًا، لاَ لِي وَلاَ عَلَيَّ»

''اے کاش! میں ثواب وعقاب کے بغیر برابر برابر چھوٹ جاؤں۔''

پھر کہنے لگے: «اللهَ اللهَ فِي الصَّلَاةِ!»

''نماز میں کوتاہی سے اللہ سے ڈرو!''

آپ نے پوچھا: «أَيْنَ أُدْفَنُ؟»

''مجھے کہاں دفنایا جائے گا؟''

صحابہ نے عرض کیا: ہم آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں دفن کریں گے۔

آپ نے فرمایا:

«لاَ أُزَكِّي نَفْسِي فَمَا أَنَا إِلاَّ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، اسْتَأْذِنُوا عَائِشَةَ فِي ذٰلِكَ»

''میں خود کو پاک وصاف نہیں بتاتا۔ میں بھی عام مسلمانوں کی طرح ایک فرد

ہوں۔تم لوگ جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس سلسلے میں اجازت طلب کرو۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پہنچے اور ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن کیے جانے کے بارے میں اجازت طلب کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

«قَدْهَيَّأْتُ هٰذَاالْمَكَانَ لِنَفْسِي، لٰكِنْ وَاللهِ!لأُوثِرَنَّ عُمَرَ بِهِ اذْفَنُوهُ مَعَ صَاحِبَيْهِ»

''میں نے یہ جگہ اپنے لیے تیار کر رکھی تھی،لیکن اللہ کی قسم!میں عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے لیے ترجیح دوں گی،امیر المؤمنین کو ان کے دونوں ساتھیوں کے جوار میں دفن کر دو۔''

چنانچہ امیر المؤمنین اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن کر دیے گئے۔

«إِنَّالِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ»

اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اسلام اور امتِ اسلامیہ کی طرف سے بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے۔آمین!

(1) اس واقعہ کی تفاصیل کے لیے دیکھیے: سیر اعلام النبلاء' سیرۃ الخلفاء الراشدین ص:88' طبقات ابن سعد :3/255-284' البدایۃ والنہایۃ:10/180

(2) موطأ امام مالک، کتاب الحدود، باب ما جاء فی الرجم:2/824،رقم:10

(3) المسک والعنبر فی خطب المنبر۔ ڈاکٹر عائض القرنی

شیطانی محفل میں پروانۂ ہدایت

یہ قصہ...... جی ہاں! یہ قصہ...... بہت ہی عجیب وغریب قصہ ہے...... یہ قصہ اس جگہ پیش آیا تھا جہاں شیطان اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ موجود رہتا ہے۔ جہاں معصوم انسانوں کو گناہ کی دلدل میں پھنسانے کے لیے نت نئے طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جہاں رقص وسرود کی محفلیں برپا کی جاتی ہیں اور ان مجالس میں بے ہودگی اپنے عروج پر ہوتی ہے...... جی ہاں! یہ قصہ اسی جگہ پیش آیا جہاں ایمان اس بے غیرتی کی تاب نہ لا کر بندے کے دل سے نکل کر معلق ہو جاتا ہے...... اس عجیب وغریب قصے کا راوی خود وہی ہے...... وہی جو کچھ دیر قبل ڈانسنگ ہال کے رنگ برنگ پروگراموں سے اپنی ذہنی عیاشی کا سامان کر رہا تھا اور اب چند لمحے بعد توبہ کی توفیق پا چکا ہے...... یہ قصہ شیخ علی طنطاوی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے...... لکھتے ہیں:

میں شہر حلب کی ایک مسجد میں داخل ہوا۔ وہاں میری نظر ایک نوجوان پر پڑی۔ بے ساختہ میری زبان سے نکلا: سبحان اللہ! یہ نوجوان تو وہی لگتا ہے جو انتہائی شریر تھا، شراب نوشی اس کی عادت تھی اور زنا کاری اس کا محبوب مشغلہ، سود ورشوت کی چکی میں وہ لوگوں کو پیستا تھا اور والدین کا نافرمان تھا۔ والدین نے اس سے تنگ آ کر اسے گھر سے نکال باہر کیا تھا...... میں سخت حیران وششدر تھا کہ یہ نوجوان کیسے مسجد کے اندر آ گیا ہے؟

میں نے اس سے قریب ہو کر پوچھا: تم فلاں نوجوان ہو؟

نوجوان نے جواب دیا: جی ہاں۔

میں نے کہا: تمھاری ہدایت پر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے...... ذرا مجھے بتانے

کی زحمت کرو گے کہ آخر تمھیں کیسے ہدایت ملی؟

نوجوان بولا: میری ہدایت کا سہرا اس بزرگ کے سر جاتا ہے جس نے محفل رقص میں ہم حاضرین کے سامنے وعظ و نصیحت فرمائی تھی۔

میں نے تعجب سے کہا: محفل رقص میں پروانۂ ہدایت؟!

نوجوان بولا: جی ہاں، محفل رقص میں۔

میں نے پوچھا: وہ کیسے؟!

نوجوان گویا ہوا:

''ہمارے محلّے میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی...... اس میں ایک عمر رسیدہ بزرگ لوگوں کی امامت کراتے تھے...... ایک روز امام صاحب مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا: لوگ کہاں ہیں؟!...... کیا بات ہے اکثر لوگ، خصوصاً نوجوانوں کا طبقہ مسجد میں حاضر نہیں ہوتا بلکہ مسجد کے قریب تک نہیں آتا؟!! مقتدیوں نے جواب دیا: محفل رقص میں ہیں۔ امام صاحب نے پوچھا: یہ محفل رقص کیا بلا ہے؟!! ایک مقتدی نے جواب دیا: محفل رقص ایک کشادہ کمرہ میں برپا ہوتی ہے جس میں لکڑی کا ایک بلند اسٹیج بنا ہوتا ہے، اس پر نوجوان لڑکیاں برہنہ جسم یا نیم عریاں لباس پہن کر ایمان سوز گیت گاتی ہیں اور رقص کرتی ہیں اور لوگ ان کے اردگرد اکٹھے ہوتے ہیں اور ان سے لذت اٹھاتے ہیں...... امام صاحب نے کہا: کیا جو لوگ یہ منظر دیکھتے ہیں وہ مسلمان ہوتے ہیں؟! جواب ملا: ہاں...... امام صاحب نے کہا: «لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ..» آؤ ہم اس محفل میں چلتے ہیں اور لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں...... مقتدیوں نے کہا: امام صاحب! آپ کون سی دنیا میں ہیں...... آپ ایسے لوگوں کو نصیحت کریں گے...... اور وہ بھی محفل رقص میں؟! امام صاحب نے کہا: ہاں ہاں

بالکل۔

مقتدیوں نے بڑی کوشش کی کہ امام صاحب کو ان کی رائے سے پھیر دیں اور انھوں نے امام صاحب کو بتایا کہ جب آپ اس محفل میں تماش بینوں کو نصیحت کرنے جائیں گے تو وہ لوگ آپ کا خوب خوب مذاق اڑائیں گے، ہنسیں گے اور ان کی طرف سے آپ کو تکلیف دہ باتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

امام صاحب نے فرمایا:

«وَهَلْ نَحْنُ خَيْرٌ مِنْ مُحَمَّدٍ ﷺ ؟!!»

''کیا ہم لوگ محمد ﷺ سے بھی بہتر ہیں؟!!

یہ کہہ کر امام صاحب نے ایک مقتدی کا ہاتھ پکڑا اور ساتھ لے کر چل پڑے، تا کہ وہ ڈانسنگ ہال تک رہنمائی کر سکے...... جب امام صاحب اور ان کے ساتھ مقتدی حضرت ڈانسنگ ہال پہنچے تو اس کے ذمہ دار نے پوچھا: تم لوگ یہاں کس نیت سے آئے ہو؟!! امام صاحب نے جواب دیا: ڈانسنگ ہال میں جو لوگ موجود ہیں ہم انھیں کچھ نصیحت کرنا چاہتے ہیں...... امام صاحب کی بات سن کر ذمہ دار بڑے تعجب میں پڑ گیا اور انھیں غور سے اوپر سے نیچے تک دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ان لوگوں کو اندر داخل ہونے سے منع کر دیا......امام صاحب اور ان کے ساتھ گئے ہوئے لوگوں نے ذمہ دار کو بڑا سمجھایا بجھایا اور اس سے اپیل کی کہ وہ اندر داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرمائے۔ بالآخر ان لوگوں نے ڈانسنگ ہال کے ذمہ دار کو اس کی ایک دن کی آمدنی دے کر اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ ذمہ دار نے ان کی تجویز قبول کرنے کے بعد کہا: آج جاؤ، کل جب پروگرام کا افتتاح ہو تو تم لوگ آنا......''

نوجوان آگے بیان کرتا ہے:

''میں اگلے دن ڈانسنگ ہال کے اندر موجود تھا...... اسٹیج پر ایک نوجوان دوشیزہ نمودار ہوئی اور اس نے رقص کرنا شروع کیا...... جب اس کا رقص ختم ہوا تو اسٹیج کا پردہ گرا...... جب پردہ دوبارہ اٹھا تو اچانک سامنے اسٹیج پر ایک باوقار بزرگ ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے...... بزرگ (امام صاحب) نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی اور رسولِ اکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کے بعد لوگوں کو پند و نصائح شروع کیے۔ لوگوں پر دہشت طاری ہوگئی اور انھیں بڑا تعجب ہوا کہ یکا یک یہ کیا شروع ہوگیا کیونکہ پہلی لڑکی جب اسٹیج پر سے ڈانس کر کے گئی تھی اور پردہ گرا تھا تو ناظرین کسی اور لڑکی کا شوق لگائے ہوئے تھے لیکن جب دوبارہ پردہ اٹھا تو ان کی توقع کے خلاف اسٹیج پر پند و نصائح کرتے ہوئے بزرگ نظر آئے جس سے ان کی حیرانی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ ناظرین نے سمجھا کہ شاید یہ بھی پروگرام کا کوئی مزاحیہ حصہ ہے...... لیکن جب ناظرین نے دیکھا کہ سامنے اسٹیج پر بیٹھے ہوئے بزرگ امام صاحب ہیں جو نصیحت کرنے کی غرض سے ڈانسنگ ہال میں تشریف لائے ہیں تو انھوں نے امام صاحب کا مذاق اڑانا شروع کیا اور استہزا کرتے ہوئے اپنی آوازیں بلند کرنے لگے جب کہ امام صاحب ان کی ہنسی مذاق اور استہزا کی پروا کیے بغیر پند و نصائح میں مگن تھے۔ اس شور و غل اور ہنسی مذاق کے دوران میں ہی حاضرین میں سے ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے سامعین کو خاموش رہنے اور امام صاحب کی گفتگو سننے کا حکم دیا...... یکا یک ڈانسنگ ہال میں سناٹا چھا گیا۔ اب ہمیں صرف اور صرف امام صاحب کی باتیں سنائی دے رہی تھیں۔ امام صاحب نے ایسا پر اثر کلام سنایا جیسا ہم نے اس

سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا...... انھوں نے قرآن پاک کی تلاوت فرمائی اور رسولِ اکرم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ سنائیں اور پھر بعض صالحین کی توبہ کے قصے بتائے، اوران کی تقریر کا ایک حصہ یہ تھا:

اے لوگو! تم نے ایک طویل زندگی پائی ہے لیکن زندگی کے اکثر حصوں میں تم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو دعوت دی ہے...... تمھاری معصیت و نافرمانی کی لذّت کہاں گئی؟ لذت وقتی تھی، اب وہ غائب ہو چکی ہے لیکن تمھارے سیاہ نامۂ اعمال باقی رہ گئے ہیں اور عنقریب قیامت کے روز تم سے اس سلسلے میں باز پرس ہوگی، اور وہ دن دور نہیں جس میں اس کائنات میں کوئی زندہ نہ رہے گا، سب مر جائیں گے، صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات بابرکات باقی رہے گی......

اے لوگو! کیا تم نے کبھی اپنے نامہ اعمال میں جھانکنے کی کوشش کی ہے کہ یہ تمھارے سیاہ اعمال تمھیں کس ڈگر پر لیے جا رہے ہیں؟! جب تمھارے اندر دنیوی آگ برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے کہ پل بھر میں یہ آتش تمھاری چمڑی اُدھیڑ کر رکھ دیتی ہے جب کہ یہ جہنّم کی آگ کا سترواں (1/70) حصّہ ہے، پھر جہنم کی آگ تم کیسے برداشت کر سکتے ہو؟...... لوگو! ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرو...... یہ خطاب سنتے ہی تمام لوگ رو پڑے...... پھر امام صاحب ڈانسنگ ہال سے نکل پڑے اور ان کے پیچھے لوگوں کا اجتماع بھی باہر آ گیا۔ سارے لوگوں نے امام صاحب کے ہاتھ پر توبہ کی حتیٰ کہ ڈانسنگ ہال کا مالک بھی تائب ہو گیا اور اپنے گذشتہ کردار پر بڑا نادم ہوا۔"[1]

---

(1) التائبون الی اللہ، للحازمی (جلد اول، ص:225)۔ حازمی کہتے ہیں کہ یہ قصہ شیخ عوضی نے ایک درس میں بیان کیا ہے جس کا عنوان ہے "نگاہ پست رکھنے کے فوائد"

(((کل جھنڈا کس کو ملے گا؟)))

باشندگان خیبر جب نبی کریم ﷺ کی مخالفت پر تل گئے اور جنگ پر آمادہ ہو گئے تو رسول اکرم ﷺ نے مجاہدین اسلام کے ساتھ ان کا محاصرہ کر لیا۔ یہودی اپنے قلعوں میں بند ہو کر رہ گئے اور انھیں اپنی کامیابی بظاہر ناممکن الحصول نظر آنے لگی۔ [1] رسول اکرم ﷺ نے اوّل رات کو فرمایا:

«لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلاً يَفْتَحُ اللهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ، وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ»

''میں کل ایک ایسے آدمی کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھوں اللہ فتح عطا کرے گا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول بھی اس کو محبوب رکھتے ہیں۔''

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد سن کر لوگوں نے رات باہم چہ میگوئیاں کرتے ہوئے گزاری کہ کل کس خوش نصیب کو جھنڈا ملنے والا ہے۔ صبح ہوئی تو لوگ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچے، اور ان میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس کو جھنڈا ملے۔

رسول اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا:

''علی بن ابی طالب کدھر ہے؟''

صحابہ نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! ان کی آنکھ آئی ہوئی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اسے بلا کر میرے پاس لاؤ۔''

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھ میں اپنا لعابِ دہن لگایا اور دعا فرمائی، چنانچہ اسی وقت وہ شفایاب ہو گئے جیسے بیمار ہی نہ تھے۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

«يَا رَسُولَ اللهِ! أُقَاتِلُهُمْ حَتَّى يَكُونُوا مِثْلَنَا؟»

''اے اللہ کے رسول! کیا میں ان (باشندگانِ خیبر) سے اس وقت تک لڑائی کرتا رہوں جب تک کہ وہ ہماری ہی طرح مسلمان نہ بن جائیں؟''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«انْفُذْ عَلٰى رِسْلِكَ حَتَّى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الإِسْلَامِ، وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللهِ فِيهِ، فَوَاللهِ لأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلاً وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ»

''تم اطمینان سے پیش قدمی کرتے ہوئے ان کے میدان میں پہنچو، پھر انھیں اسلام کے پیغام سے آگاہ کرو، اور انھیں بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے ان پر کیا حقوق بنتے ہیں، اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ تمھارے ذریعے سے ایک آدمی کو بھی راہ راست پر لے آئے تو یہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھایا اور یہودیوں کے قلعے کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے، انھیں اسلام کا پیغام پہنچایا لیکن انھوں نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا اور اپنے قلعے میں محصور رہے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کی آواز صدا بصحرا ثابت ہو رہی ہے اور اس طرح کسی خاطر خواہ نتیجے تک نہیں پہنچا جا

سکتا ہے تو انھوں نے یہودیوں کے سب سے بڑے بہادر کو لڑنے کی دعوت دی، چنانچہ قلعے کا مالک مرحب ہتھیاروں سے لیس ہو کر آہنی ٹوپی پہنے ہوئے مقابلے کے لیے آ نکلا، جس کی شجاعت و جواں مردی مشہور تھی اور واقعی تھا بھی وہ بڑا بہادر۔ وہ یہ شعر پڑھتے ہوئے نکلا ؎

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي مَرْحَبُ   شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ
إِذَا الْحُرُوبُ أَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

''خیبر کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں، پورا ہتھیار بند اور آزمودہ کار، جب جنگجو میدان کارزار میں شعلے کی طرح بھڑک اٹھیں۔''

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا ؎

أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَه   كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيهِ الْمَنْظَرَه
أُوفِيهِمِ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَه

''میں وہ ہوں کہ میرا نام میری ماں نے حیدر (شیر ببر) رکھا ہے، میں جنگلی شیر کی طرح شدید طاقتور اور خوفناک ہوں، میں تجھے صاع کے عوض نیزے کی ناپ پوری کر دوں گا (میں معمولی نقصان اٹھا کر تجھے شدید نقصان پہنچاؤں گا۔)''

پھر دونوں ایک دوسرے پر حملے کرتے رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ایک کاری ضرب لگائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار مرحب یہودی کی آہنی ٹوپی پھاڑتی ہوئی سر کے نیچے تک پہنچ گئی اور وہ فوراً جہنم رسید ہو گیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی:

«لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ، يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ، وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ»

''کل میں ایک ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ فتح نصیب کرے گا، وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے، اور اللہ اور اس کے رسول بھی اس کو محبوب رکھتے ہیں۔''(2)

(1) رسول اللہ ﷺ نے ''نطاۃ'' کے قلعوں کے مشرق میں تیروں کی پہنچ سے دور پڑاؤ ڈالا اور ''حصن ناعم'' کے محاصرے سے جنگ کا آغاز کیا۔ یہ بہت محفوظ، بلند اور مشکل چڑھائی والا قلعہ تھا اور یہود کی پہلی دفاعی لائن کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی میں ان کا شہ زور بہادر مرحب بھی تھا جو ہزار مردوں کے برابر مانا جاتا تھا۔ (تجلیات نبوت، ص:280)

(2) دیکھئے: صحیح البخاری، المغازی، باب غزوۃ خیبر، حدیث:4210 و صحیح مسلم، الفضائل، باب من فضائل علی بن ابی طالب، حدیث:2406

قصر شاہی سے درویش کی جھونپڑی تک

عباسی خلیفہ مامون رشید کا صاحبزادہ علی بن مامون ایک روز قصر شاہی کی چھت پر بغداد کا معاینہ کرنے کے لیے چڑھا اور بلند برجوں سے معاینہ کرنے لگا۔ اس کی خوراک لذیذ تھی، اس کی سواری پرسکون اور نرم وگداز تھی، اس کی زندگی لطف ومزے میں کٹ رہی تھی، وہ قابلِ فخر اور خوبصورت لباس زیب تن کرتا، اچھے سے اچھا اور لذیذ سے لذیذ کھانا کھاتا، مگر اس کی زندگی کا یہ پہلا دن تھا کہ اسے بھوک نہیں لگ رہی تھی اور نہ کچھ پینے کی خواہش ہو رہی تھی۔

خلیفہ کا یہ شہزادہ علی شاہی قصر کی چھت سے بازار کے اندر لوگوں کی نقل وحرکت دیکھ رہا تھا۔ یہ جا رہا ہے وہ آ رہا ہے، یہ بیچ رہا ہے وہ خرید رہا ہے، غرض ہر ایک اپنے اپنے کام میں منہمک ومشغول ہے۔ شہزادے نے اپنی نظر ایک آدمی پر گاڑ لی جو اجرت پر بار برداری کا کام کر رہا تھا، اس کے اوپر صلاح ونیکی اور تقویٰ وپرہیزگاری کے آثار نمایاں تھے۔ اس کے مونڈھوں پر رسیاں لٹک رہی تھیں۔ اس کی پیٹھ پر بوجھ (بوریاں یا کوئی سامان) لدا ہوا تھا۔ وہ سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر ایک دکان سے دوسری دکان اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر رہا تھا۔

شہزادہ علی اس محنت ومشقت کرنے والے باربردار (قلی) کی حرکات وسکنات کا بغور معاینہ کر رہا تھا۔ جب چاشت کا وقت ہوا تو وہ قلی اپنا کاروبار چھوڑ کر بازار سے نکل گیا اور دجلہ کے ساحل پر چلا گیا۔ وہاں اس نے دجلہ کے پانی سے وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی اور اپنے ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعائیں کرنے لگا۔

سُبْحَانَ مَنْ يَعْفُو وَنَهْفُو دَائِمًا   وَلَمْ يَزَلْ مَهْمَا هَفَا الْعَبْدُ عَفَا

''پاک ہے وہ ہستی جو ہماری ہمیشہ کی لغزشوں سے درگزر فرماتا ہے، اور جب کبھی بندہ لغزش کرتا ہے (پھر توبہ کرتا ہے) تب اللہ اسے معاف فرما دیتا ہے''۔

يُعْطِي الَّذِي يُخْطِي وَلَا يَمْنَعُهُ　جَلَالُهُ عَنِ الْعَطَا لِذِي الْخَطَا

''خطا کار کو بھی وہ نوازتا ہے، اس کی عظمت و جلال خطا کار کو بھی اس کے عطیات سے روکتی نہیں''۔

بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس کی طرف فقراو مساکین رجوع کرتے ہیں، بڑا ابزرگ ہے وہ اللہ جس کے دربار میں کمزور و مظلومین دستِ سوال بلند کرتے ہیں اور بہت پاک ہے وہ ہستی جس کو معمولی حیثیت کے لوگوں نے پہچان لیا لیکن بڑے بڑے مالدار اور باحیثیت لوگ اس کو پہچاننے میں چوک جاتے ہیں۔ بہت قابلِ قدر ہیں وہ لوگ جو خیموں میں اور عام چبوتروں پر رہ کر محض روٹی کے ٹکڑوں پر زندگی گزار کر بھی اللہ کو پہچان لیتے ہیں، مگر بلند قلعوں میں رہنے والے، اونچے اونچے عہدوں پر کام کرنے والے اور اپنی طاقت پر اترانے والے انسان اللہ کی حقیقت سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔

غرض شہزادہ علی اپنی نظر اس قلی کے اوپر گاڑے ہوئے تھا۔ جب قلی نے دو رکعت چاشت کی نماز پڑھ لی تو پھر اپنے کام پر واپس ہو گیا اور مسلسل محنت و لگن کے ساتھ ظہر سے کچھ وقت پہلے تک اپنے کام میں مشغول رہا۔ پھر ایک درہم میں ایک خشک روٹی خریدی اور اسے لے کر دریائے دجلہ کے کنارے چلا گیا۔ وہاں اس نے پانی میں روٹی بھگوئی اور کھا کر پانی پیا اور اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر نمازِ ظہر کے لیے وضو کیا، نماز پڑھ کر بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ سے رو رو کر گڑگڑا کر دعائیں مانگیں اور اپنے پروردگار سے سرگوشی کرنے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے سو رہا، پھر بیدار ہوا اور

بازار میں اپنے کام کاج میں مشغول ہو گیا۔ اس نے دن بھر انتہائی محنت ومشقت سے اپنا کام کیا اور جب شام ہوئی تو ایک روٹی خریدی اور اپنے گھر واپس چلا گیا۔

دوسرے دن وہ پھر بازار آیا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا اور اسی معمول کے مطابق اس نے اپنا دن گزارا اور پھر شام کو اپنے گھر لوٹ گیا۔ اسی طرح اس نے تیسرے اور چوتھے دن بھی کیا اور اس معمول کے مطابق اپنی زندگی گزارتا رہا۔

شہزادہ علی اس قلی کو دیکھ کر بڑے تعجب میں پڑ گیا اور اس کے حالات سے واقفیت کا شوق اس کے دل میں سما گیا، چنانچہ اس نے قلی کو بلوانے کے لیے اپنے ایک فوجی کو بھیجا۔ وہ فوجی گیا اور قلی سے کہا کہ شہزادہ صاحب آپ کو قصرِ شاہی میں یاد فرما رہے ہیں۔

قلی نے فوجی کو جواب دیا: مجھے اور بنوعباس کے بادشاہوں میں کیا واسطہ، میرے اور ان خلفا کے درمیان کوئی رشتہ داری بھی نہیں اور نہ ان کے پاس مجھے کوئی مقدمہ دائر کرنا ہے۔ نہ مجھے کسی قسم کی کوئی دشواری ہے اور نہ مجھے کوئی اہم معاملہ درپیش ہے۔ اگر کوئی مشکل گھڑی آ پہنچتی ہے تو میں اس ہستی کی طرف رجوع کرتا ہوں جو زندہ ہے اور آسمان وزمین سب اسی سے قائم ہیں۔ جب میں بھوکا ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے آسودہ کرتا ہے اور جب پیاسا ہوتا ہوں تو مجھے اللہ تعالیٰ سیراب کرتا ہے۔ میرے پاس نہ تو اپنا کوئی گھر ہے، نہ کوئی جائداد اور نہ زمین ہے؟

فوجی نے کہا: یہ امیر کا حکم ہے، اس لیے آج ہر صورت میں تجھے شہزادے کے محل میں حاضری دینی ہی پڑے گی۔

مسکین قلی نے سمجھا کہ امیر اس کا محاسبہ کرے گا، اس کے خلاف کوئی حکم صادر کرے گا، چنانچہ اس نے کہا:

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾

''اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے''۔(آل عمران:3/173)

یہی وہ کلمہ ہے جو ہر فقیر و مسکین، پریشان حال اور مظلوم کا ہتھیار ہے جس کو وہ جابر و ظالم شاہوں کے سامنے استعمال کر کے ان کا سرنگوں کر دیتے ہیں۔

اور یہی وہ کلمہ ہے جو ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہا تھا جب اُنھیں بھڑکتی آگ میں ڈالا گیا تھا۔

یہی کلمہ نبی ٔرحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر واُحد، احزاب اور تبوک کی جنگوں میں مسلمانوں کی قلت وضعف اور دشمنانِ اسلام کی کثرت وقوت کو دیکھ کر کہا تھا۔

جو عیسائیوں کی بڑی قوت کے سامنے صلاح الدین ایوبی نے کہا تھا۔

جو افغان مجاہدین نے روس کی قوت وسطوت، اس کے بڑے بڑے جہازوں، بھاری ٹینکوں اور میزائلوں کو دیکھ کر اس وقت کہا تھا جب انھیں مجبور کیا جاتا رہا کہ عالمی قوت کے سامنے سپر ڈال دو، ورنہ کچل دیے جاؤ گے لیکن ان مجاہدین کی زبان پر یہی جملہ تھا: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾

غرض فقیر و مسکین قلی نے امیر المومنین مامون رشید کے صاحبزادے علی کی خدمت میں داخل ہو کر سلام عرض کیا۔

شہزادہ علی: کیا تو مجھے نہیں پہچانتا؟

قلی: میں کبھی آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا، جب میں نے آپ کو دیکھا ہی نہیں تو پہچان کیسے سکتا ہوں؟!

شہزادہ علی: میں خلیفہ کا صاحبزادہ ہوں۔

قلی: لوگ بھی یہی بتا رہے تھے!

شہزادہ علی: تمھارا کام کیا ہے؟

قلی: «أَعْمَلُ مَعَ عِبَادِ اللهِ فِي بِلاَدِ اللهِ»

''میں اللہ کے ملک میں اللہ کے بندوں کے ساتھ کام کرتا ہوں''۔

شہزادہ علی: میں نے تجھے کئی دنوں تک مشقت کے کام کرتے ہوئے دیکھا، اس لیے میری خواہش ہوئی کہ میں تیرا بوجھ کچھ ہلکا کر دوں۔

قلی: وہ کیسے؟

شہزادہ علی: تم اپنے اہل وعیال کے ساتھ آ جاؤ اور ہمارے قصر میں رہائش پذیر ہو جاؤ۔ کھاؤ پیو، آرام کرو۔ کوئی رنج ہوگا نہ غم اور نہ کام کاج کے بارے میں کچھ فکر کرنی پڑے گی۔

قلی: شہزادہ صاحب! رنج تو اسے نہیں ہوگا جو گناہ کے کاموں میں ملوث نہیں ہوتا۔ غم سے وہ بچا ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کے کاموں سے خود کو الگ تھلگ رکھتا ہے۔ اور جو کوئی برائی نہیں کرتا اس کو فکر کس بات کی؟!

البتہ جو آدمی اللہ کے غیظ وغضب میں اور اس کی نافرمانی میں اپنی صبح وشام گزارتا ہے، وہی رنج وغم اور فکر سے دوچار ہوتا ہے۔

شہزادہ علی: تمھارے گھر والے ہیں؟

قلی: میری ایک ماں ہے جو نہایت ہی بوڑھی ہے۔ میری ایک ہمشیرہ ہے جو اندھی ہے۔ وہ دونوں ہر روز روزے سے رہتی ہیں۔ میں روزانہ مغرب سے قبل ان دونوں کے لیے افطار کا بندوبست کر کے لاتا ہوں۔ ہم سب مل کر افطار کرتے ہیں اور عشاء کی نماز کے بعد سو جاتے ہیں۔

شہزادہ علی: پھر تم جاگتے کب ہو؟

قلی: جب اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر رات کے تیسرے حصے میں جلوہ افروز ہوتا ہے!

شہزادہ علی: کیا تیرے اوپر کسی قسم کا قرض ہے؟

قلی: گناہوں کا بوجھ ہے جو میرے اور اللہ کے درمیان ہے۔

شہزادہ علی: کیا تو نہیں چاہتا کہ میرے ساتھ شاہی قصر میں رہے؟

قلی: اللہ کی قسم! نہیں۔

شہزادہ علی: آخر کیوں؟

قلی: مجھے سختیٔ دل اور دین کے ضیاع کا خوف ہے۔

شہزادہ علی: کیا تجھے یہ منظور ہے کہ تو ایک بھوکا قلی بنا رہے اور تیرے جسم پر کپڑے بھی نہ ہوں، اور یہ منظور نہیں کہ میرے ساتھ قصر شاہی میں زندگی گزارے؟

قلی: یہی بات ہے اللہ کی قسم!

پھر قلی شہزادہ علی کے پاس سے واپس ہو گیا۔

قلی کے جواب سے شہزادہ بڑا متاثر ہوا۔ ایک رات شہزادہ اپنی غفلت سے ہوش میں آیا، اور چیختے ہوئے نیند سے بیدار ہوا۔ اسے یقین ہو چلا کہ وہ اب تک گہری نیند سو رہا تھا، اب توبہ کر کے اللہ کا مخلص بندہ بن جانا چاہیے۔ چنانچہ شہزادہ علی آدھی رات کو نیند سے بیدار ہوا اور اپنے حشم وخدم سے کہنے لگا: میں دور دراز علاقے میں جا رہا ہوں۔ جب تین دن کا وقفہ گزر جائے تو میرے والد کو تم لوگ بتلا دینا کہ میں کوچ کر چکا ہوں۔ اب میرے اور میرے والد کی ملاقات قیامت ہی کے روز ہوگی۔

إِنْ كَانَ قَدْ عَزَّ فِي الدُّنْيَا اللِّقَاءُ فَفِي مَوَاقِفِ الْحَشْرِ نَلْقَاكُمْ وَيَكْفِينَا

"اگر دنیوی زندگی میں ملاقات مشکل ہو جائے تو میدانِ حشر میں ہم تم سے ملاقات کریں گے اور ہمیں وہ ملاقات کفایت کر جائے گی۔"

شہزادہ علی رات کے اندھیرے میں قصرِ شاہی سے نکلا، اپنی شاندار وخوبصورت پوشاک کو اتار پھینکا اور فقرا ومساکین کا لباس زیب تن کر کے راتوں رات نکل پڑا اور جا کر ایسے چھپ گیا کہ کسی کو معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کدھر چلا گیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ شہزادہ علی، واسِط[1] (ایک شہر کا نام) کی طرف روانہ ہوا، اس نے اپنی ہیئت تبدیل کر لی اور مسکین وفقیر بن گیا۔ اس نے اینٹ بنانے والے ایک تاجر کے ساتھ بحیثیت مزدور کام کرنا شروع کر دیا۔ وہ اینٹ اور مٹی ڈھونے اور مکانات بنانے کا کام کرتا۔

جی ہاں! خلیفہ کا بیٹا شاہی قصر کو چھوڑ کر اب درویش بن گیا۔ وہ کثرت سے روزے رکھتا، رات کو دیر دیر تک اللہ عزوجل کی عبادت کرتا۔ صبح وشام دعا ومناجات میں مشغول رہتا، قرآنِ کریم حفظ کرتا۔ سخت گرمی میں روزے رکھتا، رات عبادت میں گزارتا اور اللہ تعالیٰ سے لولگائے رکھتا۔ اس کے پاس صرف ایک ہی دن کی خوراک ہوتی، چنانچہ اب اس کے رنج وغم اور کرب وپریشانی سب غائب ہو گئے اور اس کا کبر وغرور اور گھمنڈ سب ختم ہو گیا۔

﴿ أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَٰهُ وَجَعَلْنَا لَهُۥ نُورًا يَمْشِى بِهِۦ فِى ٱلنَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُۥ فِى ٱلظُّلُمَٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَٰفِرِينَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴾

''کیا ایک ایسا شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور ہم نے اس کے لیے نور بنا دیا، وہ اس کی روشنی میں لوگوں میں چلتا ہے، (کیا) وہ اس شخص جیسا (ہوسکتا) ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیروں میں پڑا ہے، ان سے نکلنے والا نہیں، اسی طرح کافروں کے لیے ان کاموں میں کشش رکھی گئی ہے جو وہ

کرتے ہیں۔ (الانعام:122/6)

جب شہزادے کی موت کا وقت آن پہنچا تو اس نے اپنے تاجر کو اپنی اصلیت سے آگاہ کیا۔ اس نے بتایا کہ وہ خلیفہ مامون رشید کا صاجزادہ ہے۔ نیز اس نے اپنے تاجر کو وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسے نہلا دھلا اور کفنا کر دفن کر دے، پھر اس نے اپنی انگوٹھی نکال کر تاجر کے حوالے کر دی کہ وفات کے بعد یہ انگوٹھی خلیفہ مامون کے حوالے کر دینا۔

چنانچہ جب شہزادے کا انتقال ہو گیا تو تاجر نے اسے نہلایا دھلایا اور کفنایا اور پھر اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر دیا۔ اس کے بعد انگوٹھی لے کر تاجر خلیفہ مامون کی خدمت میں پہنچا۔ جب خلیفہ کی نگاہ اپنے صاجزادے کی انگوٹھی پر پڑی تو وہ دہل سا گیا اور چیخ چیخ کر اس قدر زار و قطار رونے لگا کہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔ پھر خلیفہ مامون نے تاجر سے اپنے صاجزادے کے متعلق پوچھا کہ وہ کیا کرتا تھا؟

تاجر نے خلیفہ کو بتلایا کہ شہزادہ علی اللہ تعالیٰ کی کثرت سے عبادت کیا کرتا تھا، زہد و ورع اس کی خاص صفت تھی۔ وہ اللہ کی طرف زیادہ سے زیادہ رجوع کرتا تھا اور اللہ کے ذکر اذکار میں اس کے اوقات گزرتے تھے۔ یہ بیان کرنے کے بعد تاجر نے خلیفہ کو بتایا کہ اب اس کا بیٹا اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔

یہ سننا تھا کہ خلیفہ چیخ پڑا اور اس کے ساتھ وزرا بھی زار و قطار رونے لگے۔ ان کی آہ وزاری سے فضا گونج اٹھی اور سبھی کو یقین ہو گیا کہ درحقیقت شہزادہ علی نے سعادت و کامرانی کی راہ کو پہچان لیا تھا، اس لیے قیامت کے روز کامیابی کے لیے اپنی راہ بدل لی اور شاہی کرسی کو چھوڑ کر درویشوں کی زندگی کو ترجیح دی، مگر اس کو دیکھ کر ایسا نہیں ہوا کہ وہ لوگ بھی کامیاب و کامران زندگی کی راہ طلب کرتے اور اللہ

تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے:

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ﴾

''چنانچہ اللہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے، اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کا سینہ بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے وہ آسمان میں چڑھ رہا ہو۔'' (الانعام 125/6)

(1) واسط: یہ شہر اموی گورنر حجاج بن یوسف نے دریائے دجلہ کے جنوب میں کوفہ اور بصرہ کے درمیان بسایا تھا، اس لیے اس کا نام واسط رکھا گیا۔ واسط، حجاج کا دارالحکومت تھا۔ حجاج کی وفات کے بعد اس کا چچا زاد محمد بن قاسم فاتح سندھ، واسط ہی میں قید رہا۔ بعد میں اس شہر کی اہمیت جاتی رہی۔

اس واقعہ کے لیے دیکھیے: ''المسک والعنبر فی خطب المنبر'' تألیف: عایض القرنی۔

((.....تو جنت یقینی ہے))

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا:

«يَطْلُعُ عَلَيْكُمُ الآنَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ»

''ابھی تمھارے سامنے ایک جنتی آدمی نمودار ہوگا۔''

چنانچہ انصار کے ایک آدمی نمودار ہوئے جن کی داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا، انھوں نے اپنے جوتے بائیں ہاتھ میں اٹھا رکھے تھے۔

جب دوسرا دن آیا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات فرمائی، یعنی ''ابھی تمھارے سامنے ایک جنتی آدمی نمودار ہوگا!''

چنانچہ اس دن بھی وہی انصاری نمودار ہوئے جو گزشتہ دن نمودار ہوئے تھے اور آج بھی وہ پہلے ہی کی طرح تھے۔

جب تیسرا دن آیا تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی بات فرمائی، یعنی ''ابھی تمھارے سامنے ایک جنتی آدمی نمودار ہوگا'' چنانچہ اس تیسرے دن بھی وہی انصاری نمودار ہوئے اور اس حالت میں جیسے پہلے دن تھے، یعنی ان کی داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا اور انھوں نے اپنے جوتے بائیں ہاتھ میں اٹھا رکھے تھے۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر چل دیے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما (1) اس انصاری کے پیچھے پیچھے گئے اور ان سے عرض کی: میں نے اپنے والد سے جھگڑا کرلیا ہے اور قسم کھالی ہے کہ میں تین دنوں تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا، اگر آپ چاہیں تو مجھے اپنے پاس تین دن قیام کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ انھوں نے

کہا: ٹھیک ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے تھے کہ میں نے یہ تین راتیں اس انصاری کے ساتھ گزاریں۔ مگر میں نے دیکھا کہ وہ رات کو عبادت کے لیے تھوڑے سے وقت کے لیے بھی بیدار نہیں ہوئے۔ ہاں میں نے یہ دیکھا کہ جب نیند ٹوٹتی اور اپنے بستر پر کروٹیں بدلتے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور تکبیر کہتے، حتی کہ فجر کی نماز کے لیے بیدار ہوتے۔ میں نے ایک بات یہ دیکھی کہ وہ اپنی زبان سے کوئی بھلی بات ہی نکالتے تھے۔ جب میں نے تین راتیں ان کے ساتھ گزارلیں اور قریب تھا کہ میں ان کے عمل کو حقیر جانتا (کہ ہمارے مقابلے میں ان کا کوئی خاص عمل تو ہے نہیں) تو میں نے کہا: اے اللہ کے بندے! میرے اور میرے والد کے درمیان کسی قسم کی ناراضی یا لڑائی نہیں تھی، البتہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ یہ فرماتے ہوئے سنا:

«يَطْلُعُ عَلَيْكُمُ الآنَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ»

''ابھی تمھارے سامنے ایک جنتی شخص نمودار ہوگا۔''

چنانچہ تینوں دفعہ آپ ہی نمودار ہوئے، لہٰذا میری خواہش ہوئی کہ آپ کے پاس رہ کر دیکھوں کہ آخر وہ کونسا عمل آپ بجالاتے ہیں (جو میں نہیں کرتا) جسے میں اپنا سکوں، لیکن میں نے دیکھا کہ آپ کوئی زیادہ عمل نہیں کرتے، پھر وہ کیا بات ہے جس کی بنا پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق یہ بات فرمائی ہے (جسے آپ نے سنا ہے؟)

انصاری نے فرمایا: عمل تو صرف اتنا ہی ہے جو آپ نے دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب میں ان کے پاس سے

واپسی کے لیے مڑا تو انھوں نے مجھے آواز دے کر بلایا اور فرمایا:

«مَا هُوَ إِلاَّ مَا رَأَيْتَ غَيْرَ أَنِّي لاَ أَجِدُ فِي نَفْسِي لأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ غِشًّا وَلاَ أَحْسُدُ أَحَدًا عَلٰى خَيْرٍ أَعْطَاهُ اللّٰهُ إِيَّاهُ»

''عمل تو وہی ہے جو آپ نے دیکھا، البتہ اس کے علاوہ ایک بات یہ ہے کہ میرے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کوئی رنجش نہیں اور نہ میں کسی آدمی سے اس بھلائی پر حسد کرتا ہوں جو اسے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے یہ سن کر عرض کیا:

«هٰذِهِ الَّتِي بَلَغَتْ بِكَ وَهِيَ الَّتِي لاَ نُطِيقُ»

''یہی وہ صفت ہے جو آپ کو اس درجے تک لائی ہے اور یہی وہ خصلت ہے جس کو اپنانے کی ہم میں طاقت نہیں۔''(2)

---

(1) عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما جلیل القدر صحابیٔ رسول تھے۔ ان کا تعلق قریش کے قبیلے بنوسہم سے تھا۔ انھوں نے دس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا اور اسی وقت مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔ ان کے والد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فتح مکہ سے قبل 8ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما قرآن مجید کے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ تورات کے بھی عالم تھے، اسی وجہ سے آپ کو قاری الکتابین (دو کتابوں کو پڑھنے والا) کہا جاتا ہے۔ وہ نبی کریم ﷺ کی ہر حدیث کو لکھ لیا کرتے تھے۔ اسی لیے انھیں تمام صحابہ سے زیادہ احادیث یاد تھیں۔ ان کی جمع کردہ احادیث کے مجموعے کو ''صحیفہ صادقہ'' کہا جاتا ہے۔ تعلیم و تعلم کے علاوہ وہ زہد و ورع میں بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ وہ بہادر، شہسوار اور دلیر تھے۔ انھوں نے حنین، تبوک اور یمامہ کی جنگوں میں شرکت کی۔ وہ ستر سال کی عمر پا کر اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

(2) مسند احمد: 166/3 حافظ عراقی تخریج الا حیاء (187/3) میں کہتے ہیں کہ احمد نے اسے شیخین کی شرط کے مطابق صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے مؤذن

جب حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کے ایمان کی خبران کے آقا امیہ بن خلف کو لگی تو وہ غصے سے لال پیلا ہو گیا اور اس نے اپنے غلام بلال کو طرح طرح کی سخت سے سخت سزائیں دینی شروع کیں۔ مکہ کی گرم تپتی زمین پر انھیں چت لٹا کر ان کے بدن پر بھاری پتھر رکھ دیتا یا ان کی گردن میں رسی کا پھندا ڈال کر مکہ کے اوباش بچوں اور لوگوں کی نذر کر دیتا کہ جی بھر کر ان کو گھسیٹیں اور پٹائی کریں جب تک کہ ان کی زبان سے کلمۂ کفر نہ نکل جائے۔ لیکن کمال پختہ ایمان تھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا! ہر پہنچنے والی تکلیف پر ان کی زبان سے اَحد اَحد (اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے) کا نعرہ نکلتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا جن کو سخت سزائیں دی جا رہی تھیں۔ آپ نے حضرت بلال کے مشرک آقا امیہ بن خلف سے کہا: اے امیہ! میں تجھ سے اس غلام کو خریدنا چاہتا ہوں۔

امیہ بن خلف نے کہا:

«خُذْهُ وَلَوْ بِعَشَرَةِ دَنَانِيرَ»

”اس کو لے جاؤ اگرچہ دس دینار کے عوض ہی کیوں نہ ہو۔“

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«وَاللهِ! لَوْ جَعَلْتَ ثَمَنَهُ مِائَةَ أَلْفِ دِينَارٍ لَاشْتَرَيْتُهُ مِنْكَ»

”اللہ کی قسم! اگر تم اس کی قیمت ایک لاکھ دینار بھی کہتے تو میں اسے خرید لیتا۔“

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید لیا اور اسی وقت

ان کے لیے آزادی کا پروانہ جاری کر دیا۔

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزَى ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ﴾

''اور اس (شعلے مارتی ہوئی آگ) سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے، جو پاکی حاصل کرنے کے لیے اپنا مال دیتا ہے، کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو۔ بلکہ وہ صرف اپنے پروردگار بزرگ و بلند کی رضا و خوشنودی چاہتا ہے، اور یقیناً وہ (اللہ بھی) عنقریب راضی ہو جائے گا۔'' (اللیل:92-17-21)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی عوض اور شکرانے کی خواہش کے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا اور ان کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حالت یہ تھی کہ ان کے کپڑے پھٹ کر چیتھڑے چیتھڑے ہو چکے تھے، سخت پٹائی کی وجہ سے خون ٹپک رہا تھا اور ان کے جسم سے گوشت کے لوتھڑے گر رہے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ جونہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر پڑی، فوراً اٹھے اور ان کو اپنے سینے سے لگا لیا جیسے ایک ماں اپنے لخت جگر کو اپنی چھاتی سے لگا لیتی ہے۔ پھر آپ نے ان کے لیے دعائیں کیں اور انھیں اپنا مؤذن بنا لیا، اور اسلام کے سب سے پہلے مؤذن کی حیثیت سے ان کا نام تاریخ اسلام میں ثبت ہو گیا۔

جب جب نماز کا وقت آن پہنچتا، اذانِ بلالی کی پرزور و پرتاثیر آواز خاموش فضا میں گونجتی ہوئی باشندگان مدینہ کے کانوں میں جا پہنچتی: «اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ،

اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ!» اور یہ سنتے ہی مسلمانوں کے جسم میں شوق بارگاہ الٰہی کے باعث جھنجھناہٹ اور کپکپی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

رسول اکرم ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بنائی گئی تھی حدیث میں ہے کہ آپ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آواز دے کر فرماتے:

«يَا بِلاَلُ! أَقِمِ الصَّلاَةَ أَرِحْنَا بِهَا»

''اے بلال! ہمیں نماز کے ذریعے سے آرام بہم پہنچاؤ۔''(1)

چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کھڑے ہوتے اور اپنی حسین و سریلی آواز میں اذان پکارتے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ وہ وضو کا پانی اور چھڑی لے کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کا جوتا اپنے ہاتھ میں لے کر کھڑے رہتے۔ جب رسول اکرم ﷺ وضو سے فارغ ہو جاتے تو چھڑی اور جوتا ان سے لے لیتے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کام کو بہت ہی بڑا اشرف سمجھتے تھے کہ ایسا شرف کسی کو بھی حاصل نہیں۔

نبی کریم ﷺ کی محبت والفت اس قدر ان کے قلب وجگر میں جاگزیں تھی کہ ہر پل اور ہر لمحہ یہی فکر ان کو دامن گیر ہوتی کہ کسی طرح اپنے محبوب کے ہر ہر عمل کو اپنا معمول بنا لیں۔ نبی کریم ﷺ سے محبت والفت کو انھوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا اور شاعر کا یہ شعر ان کی زبان حال سے نکل رہا تھا۔

أُحِبُّكَ لاَ تَسْأَلْ لِمَاذَا لأَنَّنِي أُحِبُّكَ هٰذَا الْحُبُّ رَأْيِي وَمَذْهَبِي

''میں تم سے محبت کرتا ہوں، مت پوچھو کہ کیوں، میں دل وجان سے زیادہ تم سے محبت کرتا ہوں؟ دراصل یہی محبت میرا عقیدہ ہے اور یہی میرا مذہب بھی!''

ایک روز نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا:

«يَا بِلَالُ! حَدِّثْنِي بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الْإِسْلَامِ، فَإِنِّي سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ؟»

''اے بلال! مجھے اپنے اس عمل کے متعلق بتاؤ جسے تم نے اسلام میں کیا ہو اور جس (کی مقبولیت) کی تمھیں زیادہ امید ہو، کیونکہ میں نے جنت میں تمھارے جوتوں کی چاپ اپنے آگے آگے سنی ہے؟''

اللہ اکبر! بھلا اس سے زیادہ خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے کہ ایک انسان کو معلوم ہو جائے کہ وہ اس دنیا میں چلتا پھرتا جنتی ہے؟!!

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے حبیب کا جواب دیتے ہوئے عرض کی:

«مَا عَمِلْتُ عَمَلًا أَرْجَى عِنْدِي مِنْ أَنِّي لَمْ أَتَطَهَّرْ طُهُورًا فِي سَاعَةٍ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ إِلَّا صَلَّيْتُ بِذٰلِكَ الطُّهُورِ مَا كُتِبَ لِي أَنْ أُصَلِّيَ»

''میں نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس کی (قبولیت کی) مجھے زیادہ امید ہو، ہاں رات یا دن کے کسی بھی وقت جب میں وضو کرتا ہوں تو جس قدر نماز میرے مقدر میں ہوتی ہے، پڑھ لیا کرتا ہوں۔''(2)

ایک غزوے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو لشکرِ اسلامی کی نگرانی سونپی اور فرمایا:

«مَنْ يُوقِظُنَا لِلصَّلٰوةِ؟»

''ہمیں نماز فجر کے لیے کون بیدار کرے گا؟''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''میں بیدار کروں گا اے اللہ کے رسول!''

اس کے بعد لشکر اسلامی آغوشِ نیند میں چلا گیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ رات بھر نماز میں گزارنے کی نیت سے اٹھ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھنے لگے۔ مگر فجر سے

تھوڑا سا پہلے ان کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ تھوڑا سا لیٹ کر آرام کرلیا جائے، چنانچہ ان کے لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔ نماز فجر کا وقت ہوا تو رسول اکرم ﷺ کی آنکھ نہیں کھلی۔ ادھر لشکر بھی نیند سے سو رہا تھا اور ادھر بلال رضی اللہ عنہ بھی آغوشِ نیند میں خراٹے لے رہے تھے حتی کہ سورج طلوع ہوگیا۔ طلوعِ آفتاب کے بعد سب سے پہلے جن کی آنکھ کھلی وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی آنکھ کھلی تو انھیں یہ المیہ نظر آیا جو پہلی دفعہ رونما ہوا تھا اور اس حادثے میں حکمت پنہاں تھی کہ اگر کسی شخص کی آنکھ طلوع آفتاب تک نہ کھل سکے اور اس پر نیند غالب رہے تو وہ معذور ہے (جب آنکھ کھلے گی تب ہی وہ نماز کی ادائیگی کرے گا۔)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نیند سے بیدار ہو کر رسول اکرم ﷺ کے قریب پہنچے، مگر انھیں شرم آئی کہ وہ اپنے عظیم معلم سے کہیں کہ نماز کے لیے بیدار ہو جائیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے پاس جا کر اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدا بلند کرنے لگے۔ رسول اکرم ﷺ ان کی آواز سن کر بیدار ہوئے اور اپنے محبوب مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلا کر اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا:

«مَا أَيْقَظْتَنَا ؟»

"تم نے ہمیں نیند سے بیدار نہیں کیا؟"

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

«يَا رَسُولَ اللهِ! أَخَذَ بِعَيْنَيَّ الَّذِي أَخَذَ بِعَيْنَيْكَ»

"اللہ کے رسول! میری آنکھوں کو کھلنے سے اس ذات نے روکے رکھا جس نے آپ کو بیدار ہونے سے روکا۔"

یہ سن کر رسول اکرم ﷺ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اُبھر آئی۔ پھر طلوع آفتاب کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور رسول اکرم ﷺ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ (3)

فتح مکہ کے دن رسول اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں اپنے دس ہزار صحابہ کرام کے ساتھ ایک فاتح سپہ سالار کی حیثیت سے داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے ان بتوں کو دیکھا جن کی کفار عبادت کیا کرتے تھے۔ آپ اپنے عصا سے ان بتوں کی طرف اشارہ فرماتے جاتے اور وہ منہ کے بل گرتے چلے جاتے تھے اور آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کا یہ قول دہراتے جاتے تھے:

﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾

''حق آ چکا اور باطل نابود ہو گیا، یقیناً باطل تھا بھی نابود ہونے والا۔''

(بنی اسرائیل: 81/17)

نماز ظہر کا وقت آن پہنچا اور تمام لوگ کعبہ مشرفہ کے صحن میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرنے لگے۔ رسول اکرم ﷺ نے پوچھا: «أَيْنَ بِلَالُ؟»

''بلال کہاں ہے؟''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''میں حاضر ہوں اے اللہ کے رسول ﷺ!''

ارشاد ہوا:

«اصْعَدِ الْكَعْبَةَ وَأَذِّنْ مِنْ فَوْقِهَا»

''کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان پکارو۔''

سبحان اللہ کیا یہ ضعفا کے لیے اچھا بدلہ نہیں ہے؟

کیا یہ مسکینوں اور غریبوں کے ساتھ مکمل انصاف نہیں ہے؟



کیا یہ کمزوروں میں بھی سب سے زیادہ کمزور کی رفعت و بلندی نہیں ہے؟

کیا یہ کمال انصاف نہیں ہے کہ ایک کالا کلوٹا غلام بیت اللہ پر چڑھتا ہے تا کہ اس پر سے حق کی صدا بلند کرے؟

کہاں ہے ابوجہل؟ آگ میں!

کہاں ہے ابولہب؟ آگ میں!

کہاں ہیں کفار قریش؟ آگ میں!

مگر بلال جو انتہائی مفلس و نادار ہیں، ان کے قدموں کی چاپ جنت میں سنائی دیتی ہے!

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کعبہ مشرفہ کی چھت پر حق کی آواز بلند کرنے کے لیے جلوہ افروز ہوئے اور جب انھوں نے اپنی پُر تاثیر آواز میں اذان پکاری تو سارے کے سارے لوگ زاروقطار رونے لگے اور ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ کون ہے وہ جس نے اس منظر کے دیدار سے پہلے کے حالات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہو اور اب کعبہ کی چھت پر مؤذن رسول کی آواز بلند ہونے سے اس کی آنکھیں آنسو نہ بہاتی ہوں؟

جب اذان کی آواز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں میں پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسوؤں کی نہ تھمنے والی بارش برسنے لگی، کیونکہ آپ کے سامنے دشمنانِ اسلام کا پچھلا کردار تھا کہ کس کس طرح سے ان ظالموں نے آپ کے ساتھیوں کے ساتھ دردانگیز رویے اختیار کیے تھے، لیکن اب اذانِ بلالی سن کر آپ اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کا مشاہدہ کر رہے تھے کہ ایک مظلوم غلام، جس کو مکہ کی گلی گلی میں مارا گیا تھا، پیٹا گیا تھا، گھسیٹا گیا تھا، ذلیل ورسوا کیا گیا تھا، آج خانہ کعبہ کی

چھت پر اللہ اکبر کی صدا بلند کر رہا ہے، اور تاریخِ اسلامی کا پہلا مؤذن بن چکا ہے جس کی اذان مکہ کی پہاڑیوں اور وادیوں میں گونج اٹھی ہے اور جس سے زلزلے کا سماں پیدا ہو چکا ہے۔

پھر کچھ ہی عرصے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو جاتی ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے محبوب کے انتقال کے بعد غمزدہ ہو جاتے ہیں۔ ان دونوں محبّ و محبوب نے ایک ساتھ زندگی گزاری تھی، زندگی کے میٹھے اور کڑوے حالات کا دونوں نے ایک ساتھ سامنا کیا تھا، آسان اور مشکل گھڑیاں ایک ساتھ دیکھی تھیں، دن اور رات کی سرگرمیوں میں ایک ساتھ حصہ لیا تھا، اور پھر یکایک محبوب کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے تو محبّ کی تکلیف کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں دنیا اپنی تمام تر رنگینیوں اور رعنائیوں کے باجود ہیچ ہو چکی تھی کیونکہ ان کی نگاہ کا محور صرف محمد ﷺ کی زندگی تھی اور بس!......مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے خود کو سنبھالا اور ہوش میں آئے اور اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: ''کیا محمد ﷺ واقعی اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں؟ کیا اب دنیا میں آپ ﷺ سے ہماری ملاقات نہیں ہوگی؟ ہاں مگر آپ کا دین موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا، اس لیے میرا فرض ہے کہ میں اذان کی ذمہ داری نبھاتا رہوں۔''

جب صبح ہوئی تو اپنے فیصلے کے مطابق حضرت بلال رضی اللہ عنہ فجر کی اذان دینے کے لیے بیدار ہوئے اور اذان سے قبل کے اہم امور کی ادائیگی کی جن کی تعلیم ان کے محبوب ﷺ نے دی تھی۔ پھر اذان پکارنے لگے: اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ اکبر اللہ اکبر!

یکا یک ان کی نگاہ محراب پر پڑی جو امام سے خالی اور سنسان تھی۔ انھوں نے اپنی نگاہ رسول اکرم ﷺ کے گھر کی طرف دوڑائی، لیکن وہ بھی خالی! اب وہ اکیلے ہیں، کوئی امام نہیں، کوئی رسول نہیں، پھر بھلا کیونکر وہ اذان کے اگلے جملے مکمل کریں۔ غرض انھوں نے خود کو سنبھالا اور اپنے نفس پر قابو رکھ کر اذان کا اگلا جملہ کہا:

«أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ»

لیکن اب آگے کمر توڑنے والی عبارت آرہی ہے، ایک دشوار گزار مرحلہ آن پہنچا ہے کہ آگے ایک جملہ تو کجا، ایک کلمہ کہنا بھی دشوار بلکہ ناممکن سا ہو گیا ہے، بہر حال پکارتے ہیں:

«أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا......»

اسی پر آواز بند ہو جاتی ہے، باقی اذان مکمل نہیں ہو پاتی۔ بلال رضی اللہ عنہ زور سے رو پڑتے ہیں اور مدینہ کے سارے مسلمان اپنے اپنے گھروں میں آہ وزاری کرنے لگتے ہیں۔ خواتین الگ رو رہی ہیں، بچے الگ رو رہے ہیں اور بوڑھے الگ آہ وزاری کر رہے ہیں!! ادھر مؤذن کی شدید آہ وبکا سے آواز بند ہو جاتی ہے، اذان مکمل نہیں ہو پاتی، چنانچہ اذان کی جگہ سے اتر پڑتے ہیں اور زمین پر پڑ جاتے ہیں۔

امام کہاں ہیں؟ فوت ہو گئے؟ اور مؤذن زندہ رہ گیا؟!

صحابہ کرام جلدی سے مسجد نبوی میں حاضر ہوتے ہیں، دیکھتے ہیں تو مؤذن زمین پر پڑے ہیں اور اس طرح زار و قطار رو رہے ہیں جس طرح ماں سے بچھڑا ہوا ایک معصوم بچہ آہ وزاری کرتا ہے۔

صحابہ کرام پوچھتے ہیں: «مَا لَكَ يَا بِلَالُ؟» ''اے بلال رضی اللہ عنہ! آپ کو کیا ہو گیا؟''

بلال: «لَا أُؤَذِّنُ» ''میں اذان نہیں کہہ سکتا۔''

پھر امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لاتے ہیں اور پوچھتے ہیں: «مَا لَكَ؟» ''آپ کو کیا ہو گیا؟''

حضرت بلال فرماتے ہیں:

«لَا أُؤَذِّنُ لِأَحَدٍ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ»

''رسول اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد اب میں کسی کے لیے اذان نہیں دے سکتا۔''

صحابہ کرام کہتے ہیں:

«سُبْحَانَ اللهِ، مَنْ يُؤَذِّنُ لَنَا؟»

''سبحان اللہ، پھر کون ہمارے لیے اذان کہے گا؟''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«اخْتَارُوا لَكُمْ مُؤَذِّنًا»

''آپ لوگ اپنے درمیان میں سے کسی کو مؤذن منتخب فرمالیں۔''

چنانچہ خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے جذبات کا خیال کرتے ہوئے ان کی معذرت قبول فرمائی اور اب مؤذن رسول کی آواز سے لوگ محروم ہو گئے!!

دن ہفتوں میں، ہفتے مہینوں میں اور مہینے برسوں میں داخل ہوتے رہے اور زندگی کے ایام اپنا سفر بلا انقطاع طے کرتے رہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ روحانی وجسمانی حیثیت سے کلمہ لا الہ الا اللہ کی سربلندی کی خاطر مختلف معرکوں میں شریک ہوتے رہے۔ پھر ایک مرتبہ جہاد فی سبیل اللہ میں نکلے اور مجاہدین کے ساتھ شام جا پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدینِ اسلام کو فلسطین کی مقدس سرزمین پر فتح وکامرانی عنایت فرمائی اور

مسلمانوں نے انتہائی جوش وخروش سے بیت المقدس پر اسلام کا جھنڈا گاڑ دیا۔

خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے بیت المقدس کے لیے روانہ ہوئے، آپ کے ہمراہ آپ کا غلام بھی تھا۔ کبھی سواری پر خود سوار ہوتے اور کبھی غلام۔ یوں باری باری سواری کرتے ہوئے فلسطین کی سرحد میں داخل ہو گئے اور آپ کی حالت یہ تھی کہ جسم پر پھٹے پرانے اور بوسیدہ پیوند لگے کپڑے تھے، لیکن دنیا انتہائی ذلت کے ساتھ آپ کے سامنے سرنگوں ہو چکی تھی ۔

قُلْ لِلْمُلُوكِ تَنَحَّوْا عَنْ مَنَاصِبِكُمْ   فَقَدْ أَتَى آخِذُ الدُّنْيَا وَمُعْطِيهَا

''شاہوں اور حکمرانوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی اپنی کرسیاں چھوڑ کر الگ ہو جائیں کیونکہ دنیا کو ذلیل ورسوا کر کے اس کو حاصل کرنے والا اور لوگوں کے درمیان تقسیم کر دینے والا جلوہ افروز ہو چکا ہے۔''

مسلمان مجاہدین اس عظیم فتح کے موقع پر مسجد اقصیٰ کے پاس اکٹھے ہو چکے ہیں۔ ان میں جلیل القدر صحابۂ کرام ہیں، دورِ مکی کے ستم رسیدہ بھی ہیں، جنگ بدر کی آزمائش سے دوچار ہونے والے بھی اور بیعتِ رضوان میں جان کی بازی لگانے کا عزم صمیم کرنے والے بھی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مستحقین بھی ہیں اور دنیا کو ذلیل ورسوا کر کے اسے قدموں میں روندنے والے بڑے بڑے سپہ سالار بھی!

ظہر کی نماز کا وقت آن پہنچا ہے۔ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی نظر کے سامنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گزری ہوئی زندگی کے مختلف النوع نقشے گھوم جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

«أَسْأَلُكَ بِاللهِ يَا بِلَالُ أَنْ تُؤَذِّنَ لَنَا»

''اے بلال ! میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ آپ ہمارے لیے اذان پکاریں۔''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

«أَسْأَلُكَ أَنْ لَا تُذَكِّرَنَا أَيَّامَنَا الأُولٰى»

''میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ ہمیں گزشتہ ایام کی یاددہانی نہ کرائیں۔''

صحابہ کرام گویا ہوئے:

«يَا بِلَالُ! اتَّقِ اللهَ، سَأَلَكَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»

''اے بلال! آپ اللہ سے خوف کھائیں ، امیر المومنین نے آپ سے درخواست کی ہے۔''

چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبات کا لحاظ کیا اور اذان دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ اس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ بوڑھے ہو چکے تھے اور جسم کمزور ہو چکا تھا۔ جب اذانِ بلالی کی آواز بلند ہوئی تو ساتھ ہی امیر المؤمنین کے رونے کی آواز بلند ہونے لگی حتی کہ حضرت بلال کی اذان پر امیر المؤمنین کی آہ وبکا سبقت لے گئی۔ ادھر سارے صحابہ کے رونے کی آوازیں بھی ہر طرف بلند ہونے لگیں۔ اب کیا تھا، سارا لشکر رو پڑا اور مجاہدینِ اسلام کے رونے سے مسجد اقصیٰ کے درو دیوار لرز اٹھے، کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی اذان سے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یاد دلا دیا تھا۔ مجاہدین اسلام اذانِ بلالی سن کر اپنے معلم ومحبوب کی یاد میں گم ہو چکے تھے اور رونے سے ان کی ہچکیاں بندھ چکی تھیں!

پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ملک شام ہی کو اپنا مسکن بنالیا اور مدینہ سے منتقل ہو کر دمشق میں جا کر آباد ہو گئے۔ وہیں انھوں نے بڑھاپے کی سرحد سے گزرتے

ہوئے موت کو گلے سے لگایا۔ بلال رضی اللہ عنہ عالم سکرات میں یہ شعر پڑھتے رہے ؎

«غَدًا نَلْقَى الأَحِبَّهْ مُحَمَّدًا وَ حِزْبَهْ»

''کل ہم اپنے پیاروں سے ملاقات کریں گے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے۔''

اور پھر وہیں 30ھ میں اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔'' (4)

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

---

(1) سنن ابی داود، الادب، باب فی صلاۃ العتمۃ، حدیث: 4985 ومسند احمد: 371/5

(2) صحیح البخاری، التہجد، باب فضل الطہور باللیل والنہار، حدیث: 1149 و صحیح مسلم، فضائل الصحابۃ، باب من فضائل بلال رضی اللہ عنہ، حدیث: 2458

(3) صحیح البخاری، مواقیت الصلاۃ، باب الاذان بعد ذہاب الوقت، حدیث: 595 ومسند احمد: 307/5

(4) دیکھیے: المسک والعنبر فی خطب المنبر ' تألیف: د. عائض القرنی

((جو رب سے ڈرتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا))

جب عبداللہ بن علی عباسی[1] نے دمشق فتح کیا تو صرف ایک گھنٹے میں بہت سارے مسلمانوں کی کثیر تعداد کا ناحق خون بہادیا اور خلافتِ امویہ کی سب سے بڑی مسجد کے اندر اپنے گھوڑوں کو داخل کر دیا!! پھر وزرا کے ساتھ بیٹھا اور بطورِ فخر پوچھا:

کیا اب کوئی میرا مقابلہ کر سکتا ہے؟ جواب ملا: نہیں۔ اس نے پھر پوچھا:

کیا تم لوگوں کو کسی کے بارے میں علم ہے جو مجھ پر اعتراض کرنے کی جرأت رکھتا ہو؟

وزرا نے جواب دیا: نہیں، ہاں اگر کوئی جواب دینے کی جرأت کر سکتا ہے تو وہ اوزاعی[2] ہیں۔

عبداللہ بن علی عباسی نے کہا: اوزاعی کو میری خدمت میں حاضر کرو۔

چنانچہ فوجی امام اوزاعی کو لانے گئے، لیکن اُنھیں دیکھ کر امام صاحب نے اپنی جگہ سے بالکل حرکت نہیں کی۔

فوجیوں نے کہا: عبداللہ بن علی کے دربار میں آپ کا بلاوا ہے۔

امام اوزاعی نے ان سے کہا:

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾

''ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔'' (آل عمران 3:173)

تم لوگ تھوڑی دیر میرا انتظار کرو۔

پھر اندر گئے، غسل فرمایا، کفن زیب تن کیا اور موت کے لیے خود کو تیار کر لیا اور اپنے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

«قَدْ آنَ لَكَ يَا أَوْزَاعِيُّ أَنْ تَقُولَ كَلِمَةَ الْحَقِّ لَا تَخْشَىٰ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ»

''اے اوزاعی! اب وقت قریب آن پہنچا ہے کہ تو حق بات کہے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ہرگز نہ ڈرے۔''

امام اوزاعی خود یہ قصہ بیان کرتے ہیں:

میں عبداللہ بن علی کے دربار میں داخل ہوا تو وہاں فوجیوں کا ہجوم تھا۔ ان فوجیوں کی دو صفیں تھیں اور ہر فوجی اپنی اپنی تلوار میان سے نکال کر سونتے ہوئے تھا۔ میں تلواروں کے سایے میں چلتے ہوئے عبداللہ بن علی تک پہنچا۔ وہ اپنے پلنگ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا اور اس کی پیشانی پر غصّے کے آثار نمایاں تھے۔

امام اوزاعی کہتے ہیں:

«فَلَمَّا رَأَيْتُهُ كَانَ أَمَامِي كَأَنَّهُ ذُبَابَةٌ فَمَا تَذَكَّرْتُ أَحَدًا لَا أَهْلًا وَلَا مَالًا وَلَا وَلَدًا، إِنَّمَا تَذَكَّرْتُ عَرْشَ الرَّحْمٰنِ إِذْ أَبْرَزَ لِلنَّاسِ يَوْمَ الْحِسَابِ»

''جب میں نے عبداللہ بن علی عباسی کو دیکھا تو وہ میری نگاہ میں مکھی کی مانند حقیر تھا۔ میں نے اس وقت کسی کو یاد نہیں کیا، نہ تو اہل کو، نہ مال کو اور نہ اولاد کو، بلکہ میں نے عرشِ الٰہی کو یاد کیا جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کے سامنے ظاہر ہوگا!''

عبداللہ بن علی نے اپنی نگاہ اوپر اٹھائی تو اس کے چہرے سے غصّے کا خون ٹپک رہا تھا۔ وہ گویا ہوا: اے اوزاعی! ہم نے جو بنو امیہ کا خون بہایا ہے، اس کے بارے

میں آپ کا کیا خیال ہے؟

امام اوزاعی نے جواب دیا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ یَحِلُّ دَمُ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ إلاَّ بِإحْدٰی ثَلاَثٍ: الثَّیِّبُ الزَّانِی، وَ النَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَ التَّارِكُ لِدِینِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ»

''تین صورتوں کے علاوہ کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں ہے، شادی شدہ زانی، خون کا بدلہ خون اور دین کو چھوڑنے والا یعنی جماعت سے الگ ہونے والا۔''[3] لہٰذا تم نے جن کو قتل کیا ہے، اگر ان کا شمار ان تین قسم کے لوگوں میں ہو تب تو ٹھیک ہے، ورنہ ان کا ناحق خون تمھاری گردن پر ہے۔

امام اوزاعی کہتے ہیں: یہ سن کر اس نے کوڑے کا بل کھولا اور میں نے اپنا عمامہ اتار لیا کیونکہ اب میں تلوار کا انتظار کر رہا تھا! میں نے وزرا کو دیکھا جو اپنے کپڑے سمیٹ رہے تھے تاکہ کپڑوں پر میرے خون کے چھینٹے نہ پڑنے پائیں۔

پھر عبداللہ بن علی عباسی نے سوال کیا: مال و دولت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

امام اوزاعی نے جواب دیا:

«إنْ کَانَتْ حَلاَلاً فَحِسَابٌ، وَ إنْ کَانَتْ حَرَامًا فَعِقَابٌ»

''اگر حلال ہے تو بہر حال حساب دینا ہے، اور اگر حرام ہے تو سزا بھگتنی پڑے گی۔''

عبداللہ بن علی عباسی نے کہا: یہ سونے سے بھرا ہوا تھیلا قبول کریں۔

امام اوزاعی نے کہا:

«لاَ أُرِیدُ الْمَالَ»

"مجھے مال ودولت کی کوئی ضرورت نہیں۔"

امام اوزاعی کہتے ہیں کہ ایک وزیر نے مجھے آنکھوں سے اشارہ کیا کہ میں سونے سے بھرا ہوا وہ تھیلا قبول کرلوں۔ چنانچہ امام اوزاعی نے تھیلا لے لیا اور اسے فوجیوں میں تقسیم کر دیا اور خالی تھیلا وہیں پھینک کر یہ پڑھتے ہوئے نکل گئے:

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾

"ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔" (آل عمران:173/3)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی نعمت وفضل سے نوازا:

﴿فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ﴾

"نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اللہ کی نعمت وفضل کے ساتھ لوٹے، انھیں کوئی برائی نہ پہنچی، انھوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی پیروی کی اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔"

(آل عمران:174/3)

---

(1) عبداللہ بن علی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا پوتا تھا اور پہلے دو عباسی خلفا ابوعبداللہ السفاح اور ابوجعفر منصور اُس کے بھائی تھے۔ (سیر اعلام النبلاء)

(2) امام اوزاعی محدث کبیر، امیر المومنین فی الحدیث، زاہد وعابد اور بخاری ومسلم کے رواۃ میں سے ہیں۔

(3) صحیح البخاری، الدیات، باب قول اللہ ﴿ان النفس بالنفس﴾، حدیث:6878 و صحیح مسلم، القسامۃ، باب ما یباح بہ دم المسلم، حدیث:1676

یمنی مسکین کا حجاج کو ترکی بہ ترکی جواب!

حجاج بن یوسف عمرے کی غرض سے مکہ مکرمہ پہنچا۔ وہ اپنے ہمراہ اپنی حفاظت ونگرانی کے لیے بہت سارے سپاہیوں کو لے گیا تھا۔ خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے بعد مقام ابراہیم کے پاس آیا اور دو رکعت نماز ادا کرنے کے لیے کھڑا ہوا۔ اس کے دربانوں اور فوجیوں نے ہتھیار، تلواریں، نیزے اور خنجر زمین پر ڈال دیے۔

یہ واقعہ بیان کرنے والے ایک عالم ہیں جن کا نام طاوس بن کیسان ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں مقام ابراہیم کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں شور وغل اور چیخ پکار کی آواز سنائی دینے لگی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو حجاج اور اس کے محافظین تھے۔ حجاج بن یوسف مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں یمن کا ایک مسکین آدمی آیا اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے لگا۔ اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ مقام ابراہیم کے پاس حجاج بن یوسف بیٹھا ہوا ہے۔ طواف کے دوران میں اس یمنی مسکین کے کپڑے سے ایک نیزہ پھنس گیا اور حجاج بن یوسف کے بدن پر جا گرا۔

حجاج گھبرا اٹھا اور حکم دیا: اس کو پکڑو اور میرے پاس لاؤ!

سپاہیوں نے یمنی مسکین کو پکڑ کر حجاج کے سامنے پیش کیا۔

حجاج بن یوسف گویا ہوا: کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟

یمنی مسکین: نہیں۔

حجاج بن یوسف: یمن میں تمھارا والی (حاکم) کون ہے؟

یمنی مسکین: حجاج کا بھائی محمد بن یوسف ہے جو اسی کی طرح ظالم وجابر یا اس سے بھی گیا گزرا ہے!



حجاج بن یوسف: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں اس کا بھائی ہوں؟

یمنی مسکین: کیا تو حجاج ہے؟

حجاج بن یوسف: ہاں!

یمنی مسکین: «بِئْسَ أَنْتَ وَ بِئْسَ أَخُوكَ»

''تم اور تمھارا بھائی کتنے برے لوگ ہو!!''

حجاج بن یوسف: یمن کے اندر میرے بھائی کو تم نے کس حال میں چھوڑا ہے؟

یمنی مسکین: وہ کھا کھا کر پیٹ بڑا کیے ہوئے ہے اور موٹاپے کے باعث بھینسے کی طرح ہو گیا ہے۔

حجاج بن یوسف: میں نے اس کی صحت کے بارے میں تم سے نہیں پوچھا ہے، بلکہ اس کے عدل کے بارے میں سوال کیا ہے۔

یمنی مسکین: وہ کیا عدل کرے گا، وہ تو خود ہی ظالم و جابر اور دوسروں کا مال ناجائز طور سے ہڑپ کرنے والا ہے۔

حجاج بن یوسف: کیا تجھے معلوم نہیں کہ وہ میرا بھائی ہے؟ کیا تجھے مجھ سے خوف نہیں آتا؟

یمنی مسکین: اے حجاج! کیا تو سمجھتا ہے کہ تیرا بھائی تجھے اپنا کر مجھ سے زیادہ عزت و شان والا ہو گیا ہے جبکہ میں صرف اللہ سے اپنی عزت مانگتا ہوں؟!

اس قصے کے راوی طاووس کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اس یمنی مسکین کا جواب سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ حجاج بن یوسف اللہ کے گھر میں اسے کچھ نہ کہہ سکا اور چھوڑ دیا۔ پھر وہ یمنی مسکین بیت اللہ کا طواف کرنے لگا جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہیں تھا!!

((عالمِ جانکنی میں احترامِ حدیث))

سعید بن میسّب رحمۃ اللہ علیہ (1) مشہور تابعی تھے، ان کے علم کا چرچا دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ علی بن مدینی کہا کرتے تھے کہ تابعین میں سعید بن میسّب سے زیادہ وسیع علم رکھنے والا میرے علم میں اور کوئی نہیں۔ وہ جلیل القدر تابعی تھے۔ اور قتادہ کہا کرتے تھے کہ میں نے سعید بن میسّب سے زیادہ علم رکھنے والا کسی اور کو نہیں دیکھا۔ خود سعید بن میسّب کہا کرتے تھے:

«مَا أَحَدٌ أَعْلَمَ بِقَضَاءٍ قَضَاهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَ لاَ أَبُو بَكْرٍ، وَ لاَ عُمَرُ مِنِّی»

''رسول اکرم ﷺ ' حضرت ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما کے فیصلوں کا مجھ سے زیادہ علم رکھنے والا اور کوئی نہیں۔'' (2)

سعید بن میسّب رحمۃ اللہ علیہ علم کے ساتھ ساتھ عمل بھی کیا کرتے تھے بلکہ ان کا بیان ہے:

«مَا فَاتَتْنِی الصَّلَاةُ فِی جَمَاعَةٍ مُنْذُ أَرْبَعِینَ سَنَةً»

''چالیس سال سے کوئی باجماعت نماز مجھ سے فوت نہیں ہوئی۔'' (3)

علاوہ ازیں رسول اکرم ﷺ کی احادیث کے متعلق جب آپ سے سوال کیا جاتا تو نہایت ہی ادب واحترام کے ساتھ جواب دیا کرتے تھے۔ جانکنی کے عالم میں ایک حدیث کے متعلق آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

«أَجْلِسُونِی»

''مجھے اٹھا کر بٹھا دو!''

”مجھے اٹھا کر بٹھا دو!“

لوگوں نے عرض کیا: آپ تو سخت مریض ہیں۔

آپ نے فرمایا:

«أَجْلِسُونِي كَيْفَ أُسْأَلُ عَنْ كَلَامِ الْحَبِيبِ ﷺ وَأَنَا مُضْطَجِعٌ»

”مجھے اٹھا کر بٹھا دو۔ مجھ سے حبیب ﷺ کے کلام کے بارے میں پوچھا جائے اور میں لیٹ کر جواب دوں یہ کیسے ممکن ہے؟!“

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کی وفات 94ھ میں ہوئی۔

(1) سعید بن مسیّب عالم اہل مدینہ اور سید التابعین تھے۔ ان کی ولادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے تیسرے سال ہوئی۔ انھوں نے متعدد صحابۂ کرام کو دیکھا اور ان سے فیض حاصل کیا۔ حدیث کے عالم و حافظ ہونے کے ساتھ مفسر قرآن بھی تھے۔ علم قرآن و سنت پر اس قدر عبور تھا کہ صحابہ کی موجودگی میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ حق بات کہنے میں بے باک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ متعدد حکمرانوں نے انھیں تشدد کا نشانہ بنایا۔ وہ خوابوں کی تعبیر میں بھی خاصا علم رکھتے تھے۔ علی بن مدینی کہتے ہیں: سعید بن مسیّب سے زیادہ وسیع العلم کوئی شخص میں نے نہیں دیکھا۔ انھوں نے 94ھ میں وفات پائی۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:4)

(2) سیر اعلام النبلاء: 221/4، طبقات ابن سعد: 120/5

(3) حلیة الاولیاء: 162/2، سیر اعلام النبلاء: 221/4

ایک گمنام شخصیت: اویس بن عامر قرنی

صحیح مسلم میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ خَيْرَ التَّابِعِينَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ أُوَيْسٌ وَلَهُ وَالِدَةٌ وَكَانَ بِهِ بَيَاضٌ فَمُرُوهُ فَلْيَسْتَغْفِرْ لَكُمْ»

''تابعین میں سے ایک بہترین شخص اویس نام کا ہوگا جس کی والدہ بقید حیات ہوگی۔ اس کے بدن پر برص کا ایک سفید نشان ہوگا۔ تم لوگ اس سے تقاضا کرنا کہ وہ تمھارے لیے بخشش و مغفرت کی دعا کرے۔''

چنانچہ جب باشندگانِ یمن کی امدادی فوج امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتی تو آپ ان سے دریافت فرماتے کہ کیا تم میں کوئی اویس بن عامر ہے؟ جب اویس بن عامر رحمہ اللہ کی آمد کی خبر ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود چل کر ان کی خدمت میں پہنچے اور پوچھا: آپ اویس بن عامر ہیں؟

اویس بن عامر رحمہ اللہ: ہاں!

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ: آپ کا تعلق قبیلۂ مراد سے ہے اور پھر قرن سے؟

اویس بن عامر: ہاں!

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ: آپ کو برص تھا جو ٹھیک ہوگیا مگر درہم برابر باقی ہے؟

اویس بن عامر: ہاں!

عمر بن خطاب: آپ کی والدہ زندہ ہیں؟

اویس بن عامر: ہاں!

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

«يَأْتِي عَلَيْكُمْ أُوَيْسُ بْنُ عَامِرٍ مَعَ أَمْدَادِ أَهْلِ الْيَمَنِ مِنْ مُرَادٍ، ثُمَّ مِنْ قَرَنٍ، كَانَ بِهِ بَرَصٌ فَبَرَأَ مِنْهُ إِلاَّ مَوْضِعَ دِرْهَمٍ، لَهُ وَالِدَةٌ هُوَ بِهَا بَرٌّ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ، فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَكَ فَافْعَلْ»

''تمھارے پاس یمن کی امدادی فوج کے ساتھ اویس بن عامر آئے گا، اس کا تعلق قبیلۂ مراد سے ہوگا اور پھر قرن سے (جو مراد کی ایک شاخ ہے) اس کو برص تھا وہ اچھا ہو گیا مگر درہم برابر باقی ہے۔ اس کی ماں ہے جس کے ساتھ وہ حسن سلوک کے ساتھ پیش آتا ہے۔ وہ اگر اللہ کے بھروسے پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم پوری کردے گا، لہٰذا اگر تم سے ہو سکے کہ وہ تمھارے لیے بخشش کی دعا کرے تو اس سے دعا کرانا۔''

اس لیے آپ میرے لیے بخشش کی دعا کردیں، چنانچہ اویس رحمہ اللہ نے ان کی بخشش کے لیے دعا کردی۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کہاں جانے کا ارادہ ہے؟

اویس بن عامر رحمہ اللہ نے جواب دیا: کوفہ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں کوفہ کے حاکم کے نام ایک خط نہ لکھ دوں؟

اویس بن عامر رحمہ اللہ: «أَكُونُ فِي غَبْرَاءِ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيَّ»

''مجھے خاکساروں میں رہنا زیادہ پسند ہے۔''

صحیح مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ کوفہ کے لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان میں ایک شخص تھا جو اویس سے ٹھٹھا کیا کرتا تھا۔ (1)

جی ہاں! یہ اویس قرنی ہیں جن کی زندگی کے ایام انتہائی فقر و فاقہ کے عالم میں گزر رہے ہیں۔ وہ ایک گمنام شخصیت کے مالک ہیں حتی کہ لوگ ان کی حالت زار کو دیکھ کر ان سے ٹھٹھا مذاق کرتے ہیں؟ لیکن دنیا کی سب سے محبوب ہستی اپنے صحابہ کو خبر دے رہی ہے کہ اگر تم سے ہو سکے تو اس گمنام شخصیت سے دعا کرا لینا کیونکہ اس کا حال یہ ہے کہ اگر وہ اللہ کے بھروسے پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم پوری کریں گے۔

امام نووی کہتے ہیں کہ لوگوں کا اویس بن عامر رحمۃ اللہ علیہ کی حالت زار کو دیکھ کر ان سے ٹھٹھا مذاق کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنی حالت کو چھپاتے تھے اور اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان راز افشا نہیں کرتے تھے، اور ان کے کسی عمل سے یہ عیاں نہیں ہوتا تھا کہ وہ کوئی بڑے بزرگ اور اللہ کے ولی ہیں۔ درحقیقت ہر دور میں اللہ کے مخلص بندوں کا طریقہ ہی یہ رہا ہے کہ وہ زیادہ شہرت اور ناموری کو پسند نہیں کرتے۔ (2)

---

(1) صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل اويس القرني، حديث: 2542

(2) شرح صحیح مسلم للنووی: 311/15 (دار المعرفه بیروت)

((عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کی للکار!!))

عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ [1] والیٔ افریقہ اور عساکرِ اسلام کے سپہ سالار تھے، وہ بحرِ ظلمات [2] کے ساحل پر تن تنہا کھڑے ہوئے اور نماز کی ادائیگی کے بعد اعلائے کلمۃ اللہ کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنی تلوار آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

«وَاللّٰهِ! لَوْ أَعْلَمُ أَنَّ وَرَاءَ هٰذَا الْمَاءِ أَرْضًا لَخُضْتُهُ بِفَرَسِي هٰذَا رَافِعًا رَايَةَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»

''اللہ کی قسم! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس پانی کے پیچھے بھی کوئی خالی زمین ہے تو میں کلمہ لا الہ الا اللہ کا جھنڈا اٹھائے ہوئے اپنے اس گھوڑے سے سمندر پار کر جاتا۔''

یہی وہ عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ ہیں جن کو امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے زمامِ خلافت سنبھالنے کے بعد دس ہزار مجاہدینِ اسلام کی معیت میں افریقیہ [3] روانہ کیا تھا جس کو انھوں نے فتح کر لیا۔ پھر افریقیہ کے ایک شہر قیروان کی آبادکاری کا نقشہ مرتب کیا [4] جہاں گھنے درختوں کی کثرت تھی اور جہاں درندوں، حیوانوں اور موذی جانوروں سے کوئی جگہ خالی نہ تھی، چنانچہ وہاں کھڑے ہو کر عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور بلند آواز سے گویا ہوئے:

«إِنَّا نَازِلُونَ فَاظْعَنُوا»

''ہم (مجاہدینِ اسلام) یہاں اترنے والے ہیں اس لیے (تم جتنے بھی درندے یا موذی جانور ہو) سب کے سب نکل جاؤ۔''

راوی کا بیان ہے:

«فَلَمْ يَبْقَ شَيْءٌ مِمَّا كَانَ مِنَ السِّبَاعِ وَغَيْرِهَا إِلَّا خَرَجَ وَجَعَلْنَ يَخْرُجْنَ مِنْ جُحْرِهِنَّ حَتَّى إِنَّ السِّبَاعَ كَانَتْ تَحْمِلُ أَوْلَادَهَا»

''چنانچہ وہاں کوئی درندہ یا دیگر موذی جانور نہ بچا اور سب کے سب اپنے سوراخوں سے نکلنے لگے حتی کہ جن درندوں کے بچے چل نہیں سکتے تھے، وہ اپنے بچوں کو اٹھائے ہوئے جا رہے تھے۔''

یہ تھے ہمارے اسلاف! جن کی ایک آواز پر درندے اور موذی جانور اپنا مسکن چھوڑ کر ان کی رہائش کا بندوبست کر دیتے تھے، اور آج ہم ہیں کہ ہماری ہی زمین و جائداد دشمنانِ اسلام نے ہڑپ کر رکھی ہیں!!! اور ہم بے بسی سے تماشا کر رہے ہیں۔

(1) عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کی پیدائش دور نبوت کے آخری سالوں میں ہوئی۔ وہ نامور فاتح صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے۔ ان کا شمار پہلی صدی ہجری کے ان نامور سپہ سالاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے شمالی افریقیہ میں ابتدائی عربی فتوحات کو استوار اور محکم بنا کر بربری مقاومت کا قلع قمع کرنے کی سعی کی۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل انھیں عساکر افریقیہ کا سردارِ اعلیٰ مقرر کیا تھا۔ 53ھ میں مسلمہ بن مخلد انصاری نے انھیں اس عہدے سے معزول کر دیا۔ عقبہ رضی اللہ عنہ نے اس کی شکایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کی تو کچھ عرصے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جانشین نے انھیں دوبارہ والی مقرر کر دیا۔ وہ پُر آشوب زندگی گزارنے کے بعد اپنے تین سو ہمراہیوں سمیت بغاوت پسندوں کے ہاتھوں 63ھ میں جام شہادت نوش کر گئے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:13)
عقبہ بن نافع کی سوانح کے لیے دیکھیے: المنتظم لابن الجوزی:10/6۔ تاریخ الاسلام: 188/3 الاستیعاب:185/3 وغیرہ۔

(2) بحرِ ظلمات (بحر اوقیانوس) کے ساحل پر پیش آنے والے واقعے کی طرف علامہ اقبال نے اپنی مشہور نظم ''شکوہ'' کے ایک شعر میں یوں اشارہ کیا ہے ؎

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے　　　بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے
(بانگ درا)

(3) یہ ایک وسیع علاقے کا نام ہے جو جزیرہ صقلیہ کے سامنے (جنوب میں) واقع ہے اور اس کا آخری حصہ اندلس کے بالمقابل ہے۔ افریقیس بن صیفی نے یہاں ایک شہر آباد کیا اور اس کا نام افریقیہ رکھا۔ پھر اس شہر کی نسبت سے تمام علاقہ افریقیہ کہلانے لگا۔ جب مسلمانوں نے یہاں قیروان آباد کیا تو افریقیہ شہر اُجڑ گیا۔ افریقیہ کی حدود طرابلس الغرب، برقہ (لیبیا) اور اسکندریہ سے بجایہ (الجزائر) تک ہیں جبکہ ابوعبید بکری اندلسی کے بقول افریقیہ کی حدود کا طول مشرق میں برقہ سے لے کر مغرب میں طنجہ (مراکش) تک ہے اور عرض سمندر (بحیرۂ روم) سے بلاد سودان میں ریگستان (صحرائے اعظم) تک ہے۔　　　(معجم البلدان، ج:1، ص:228)
گویا موجودہ لیبیا، تونس، الجزائر اور مراکش افریقیہ میں شامل تھے۔ اسی افریقیہ کے نام پر بعد میں پورا براعظم افریقہ کہلانے لگا۔

(4) حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کا بسایا ہوا شہر قیروان مدتوں صوبہ افریقیہ (براعظم افریقہ کا شمالی علاقہ بشمول تونس، الجزائر وغیرہ) کا دارالحکومت رہا اور یہیں دسویں صدی عیسوی میں فاطمی خلافت قائم ہوئی۔

انعامات ربانی کی شکرگزاری

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات عشاء کے بعد رسول اکرم ﷺ قیام اللیل کے لئے کھڑے ہوئے۔ میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز میں شامل ہوگیا، آپ ﷺ نے سورۂ بقرۃ کی تلاوت شروع کی، میں نے سوچا کہ سو آیات پڑھ کر سجدہ کرلیں گے، لیکن آپ ﷺ نے پوری سورۂ بقرہ ختم کی، پھر سورۂ آل عمران کی تلاوت شروع کر دی، جب سورۂ آل عمران کی قرأت مکمل ہوگئی تو سورۃ النساء کی تلاوت شروع کر دی، حتیٰ کہ اس کی تلاوت مکمل کی۔ اس دوران جب کسی آیت رحمت سے گزرتے تو اللہ تعالیٰ سے رحمت و مغفرت کا سوال کرتے، جب کسی عذاب کی آیت سے گزرتے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے اور جب اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی پر مشتمل آیات گزرتیں تو آپ اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی و بڑائی بیان کرنے لگتے۔ پھر آپ ﷺ نے رکوع کیا، رکوع کی مقدار قیام کے تقریباً برابر تھی، پھر آپ رکوع سے اٹھے، یہ قیام تقریباً رکوع کے برابر تھا۔ پھر آپ نے سجدہ کیا، آپ کے سجدے بھی رکوع و قیام کے تقریباً برابر تھے۔ پھر آپ نے قریب قریب پہلی ہی رکعت کی طرح دوسری رکعت بھی پڑھی (1)۔

عبادت کے اس وقت کا اگر تخمینہ لگایا جائے تو تقریباً چھ یا سات گھنٹے بنتے ہیں۔

ذرا غور کریں رسول اکرم ﷺ کی نفلی عبادت پر!! فقر و محتاجی میں ایام گزر رہے ہیں، دن میں مختلف کام ہیں، زہد و پارسائی ہے، دعوت الی اللہ کی ذمہ داریاں ہیں، بچوں کی تربیت بھی فرما رہے ہیں، بیویوں کے حقوق بھی نبھا رہے ہیں، گھر کی دیگر ذمہ داریاں بھی ہیں، اس سب کے باوجود آپ رات کو اللہ تعالیٰ کے حضور مسلسل چھ یا

سات گھنٹے روتے اور گڑگڑاتے ہیں۔ آپ کے قدمین شریفین اللہ کے دربار میں دیر تک کھڑے ہونے کے سبب سوج جایا کرتے تھے۔ آپ کی عبادت میں یہ مشقت دیکھ کر آپ کی زوجہ محترمہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پوچھتیں: اے اللہ کے رسول! آپ اپنے اوپر اس قدر مشقت ڈال کر عبادت میں کھڑے رہتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف فرما دیے ہیں؟ رسول اکرم ﷺ فرماتے:

«يَا عَائِشَةُ! أَفَلاَ أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا»

''اے عائشہ! کیا میں (انعامات ربانی کے جواب میں) شکرگزار بندہ نہ بنوں؟'' (2)

(1) مسلم: 772، مسند احمد: 384/5۔

(2) مسلم (2820)۔

شکاری خود شکار ہو گیا!

ابن ہشام نے بیان کیا ہے کہ فضالہ بن عمیر بن مُلَوَّح لیثی [1] نے رسول اکرم ﷺ کو قتل کر دینا چاہا۔ آپ فتح مکہ کے سال خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ جب فضالہ رسول اکرم ﷺ کے قریب ہوا تو آپ نے پوچھا: أَفُضَالَةُ؟ کیا تم فضالہ ہو؟

فضالہ نے عرض کی: ہاں اے اللہ کے رسول! میں فضالہ ہی ہوں۔

رسول اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا: «مَا ذَا كُنْتَ تُحَدِّثُ بِهِ نَفْسَكَ؟»

''تم نے اپنے دل کے اندر کیا منصوبہ بنا رکھا ہے؟''

فضالہ نے عرض کی: کچھ نہیں میں تو اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔

نبی کریم ﷺ کو ہنسی آ گئی، پھر آپ نے فرمایا: اسْتَغْفِرِ اللهَ ''اللہ تعالی سے بخشش طلب کرو۔''

پھر رسول اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ حضرت فضالہ بن عمیر کے سینے پر رکھ دیا، چنانچہ ان کا دل پرسکون ہو گیا اور وہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس کے بعد حضرت فضالہ کہا کرتے تھے:

«وَاللهِ! مَا رَفَعَ يَدَهُ عَنْ صَدْرِي حَتَّى مَا مِنْ خَلْقِ اللهِ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْهُ»

''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے سینے سے نہیں اٹھایا، یہاں تک کہ میری نگاہ میں اللہ کی مخلوق میں ان سے زیادہ محبوب کوئی نہیں رہا۔'' [2]

---

(1) ان کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے فضالہ بن وہب، بعض نے فضالہ بن عبداللہ اور بعض نے فضالہ بن عمیر لکھا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر انھوں نے بت شکن کا کام انجام دیا۔ وہ ابوعبداللہ الزہرانی کے نام سے معروف تھے۔ ان کے بیٹے عبداللہ ان سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ (اسد الغابہ، ج:4)

(2) سيرة ابن هشام: 2/ 417، البداية والنهاية طبع دار هجر: 1997ھ (6/585)

(((ہر اونٹ پہلے قربان ہونا چاہتا تھا!)))

حجۃ الوداع کے موقع پر ایک عجیب وغریب واقعہ دیکھنے میں آیا کہ رسول اکرم ﷺ جن سو اونٹوں کو قربانی کے لیے ساتھ لائے تھے، انھیں نحر(1) کرنے کے لیے آپ نے چُھرا اُٹھایا۔ جب چُھرا لے کر اونٹ نحر کرنے کے لیے آگے بڑھے تو ہر اونٹ نبیِ کریم ﷺ کی طرف آگے بڑھ رہا تھا تا کہ سب سے پہلے اس کی قربانی ہو اور نبیِ کریم ﷺ کے ہاتھوں پہلے اسی کی گردن پر چھرا چلے۔

سبحان اللہ! یہ ہے اللہ کے نبی ﷺ سے وہ محبت جس کی اہمیت واصلیت کو ان اونٹوں نے پہچان لیا تھا اور اللہ کی راہ میں رسول اکرم ﷺ کے ہاتھوں قربان ہونا چاہتے تھے۔ یہی وہ سچی محبت ہے جو اللہ تعالیٰ نے دلوں میں رسول اکرم ﷺ کے لیے رکھی ہے۔ چنانچہ اونٹ نبیِ کریم ﷺ سے محبت کرتے ہیں، فضا میں پرندے آپ سے محبت کے گن گاتے ہیں، منبر کی لکڑی فرطِ محبت میں بچے کی طرح روتی ہے، مگر افسوس ان لوگوں پر جو رات دن مسلمانی کا دعویٰ کرتے ہیں، اسلام اسلام پکارتے ہیں، محبتِ رسول کی آواز بلند کرتے ہیں، لیکن عملی طور پر نہ جانے رسول اکرم ﷺ کی سنتوں کا کتنا خون کر چکے ہیں۔

کیا نبیِ کریم ﷺ سے محبت کا تقاضا یہی ہے کہ صرف محبت کا دعویٰ کیا جائے اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر اپنی خواہشات اور بدعات ورسوم کی قربانی پیش نہ کی جائے؟

ذرا دیکھیں ہر اونٹ نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں آگے بڑھ کر اپنے آپ کو پیش کر رہا ہے اور نبیِ اکرم ﷺ بسم اللہ پڑھ کر نحر کرتے جا رہے ہیں، اور

تریسٹھ اونٹوں کو نحر کرنے کے بعد رک جاتے ہیں۔

شاید اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ تریسٹھ سال آپ کی عمر مقدر ہو چکی ہے، چنانچہ چھرا آپ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دے دیا اور بقیہ اونٹ انھوں نے نحر کیے۔

(1) اونٹ کا اگلا بایاں پاؤں باندھ کر اسے تین پاؤں پر کھڑا کر کے گردن کے آخر میں ہنسلی کی ہڈی کے ساتھ نرم حصے میں چھرا گھونپا جاتا ہے جس سے اس کا خون بہنا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ جب خون زیادہ بہہ جاتا ہے تو اونٹ گر پڑتا ہے۔ پھر اس ذبح کر لیا جاتا ہے اونٹ کے ذبح کا یہ طریقہ نحر کہلاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم قربانی کے موقعے پر اونٹوں کو اسی طرح نحر کیا کرتے تھے۔

((جب موئے مبارک تقسیم ہوئے))

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اکرم ﷺ نے جب اپنے سر کے بال منڈانا چاہے تو معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (1) کو بلا کر پوچھا:

«يَا مَعْمَرُ! أَلَدَيْكَ مُوسًى» ؟

''اے معمر! کیا تیرے پاس اُسترا ہے''؟

انہوں نے عرض کیا: ہاں اے اللہ کے رسول۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«سَمِّ اللّٰهَ وَاحْلِقْ رَأْسِي»

''اللہ کا نام لو اور میرا سر مونڈو''۔

پھر آپ ﷺ نے ان کی طرف اپنے مبارک سر کا دایاں حصہ بڑھا دیا۔

معمر نے رسول اکرم ﷺ کا بال مونڈا شروع کیا تو آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے ان سے فرمایا:

«أَفَرَأَيْتَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَعْطَاكَ رَأْسَهُ بَيْنَ يَدَيْكَ وَالْمُوسَى فِي يَدَيْكَ»۔

''تم یہ نہیں دیکھ رہے ہو کہ اللہ کے رسول تمہارے سامنے اپنا سر دیے ہوئے ہیں حالانکہ تمہارے ہاتھ میں استرا ہے''۔

معمر نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! یہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ میں آپ کا سر مونڈ رہا ہوں (2)۔

جب رسول اکرم ﷺ نے سر کا آدھا حصہ منڈوالیا تو اپنے اصحاب سے فرمایا:

«اقْتَسِمُوهُ بَيْنَكُمْ» -

''اسے اپنے درمیان تقسیم کرلو''۔

یہ حکم سنتے ہی صحابہ کرام بالوں پر ٹوٹ پڑے۔ ہر ایک یہی کوشش کررہا تھا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے سر کے بال حاصل کرلے' اگرچہ ایک ہی ملے بلکہ کچھ صحابہ کو تو بال کا ایک ٹکڑا ہی مل پایا۔

قارئین کرام! اسلام میں کہانت کا کچھ بھی حصہ نہیں اور نہ ہی شخصیت پرستی ہے۔ اسی طرح اللہ کے سوا کسی غیر کی عبادت کا کوئی حصہ اسلام میں نہیں ہے لیکن اسلام نے مسلمانوں سے اپنے نبی محمد ﷺ سے محبت بلکہ خوب خوب محبت کرنے کا تقاضا کیا ہے جنہوں نے ہمیں کفر و ضلالت کے عمیق گڑھوں سے نکال کر ہدایت کی روشنی کی طرف بلایا اور جن کی محبت کی میزان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت قرار دیا:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾

''کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو' خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا''۔ (آل عمران:31)

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ» (3).

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے والد اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''۔

پھر رسول اکرم ﷺ نے معمر سے فرمایا: ''سر کے دوسرے حصہ کے بال مونڈو''۔

معمر نے دوسرا حصہ بھی مونڈا۔

رسول اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا: ''ابوطلحہ انصاری کدھر ہیں'' (4)؟

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«اِقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ»۔

''اسے لوگوں میں تقسیم کردو'' (5)۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ خوشی سے رو پڑے۔

طَفَحَ السُّرُورُ عَلَيَّ حَتَّى إِنَّنِي مِنْ هَوْلِ مَا قَدْ سَرَّنِي أَبْكَانِي

''میرے اوپر خوشیوں کا جام اس قدر چھلک پڑا کہ مسرت وشادمانی کے غلبہ نے میری آنکھوں کو اشکبار کردیا''۔

---

(1) معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی اور قدیم الاسلام تھے۔ انھوں نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کی اور ہجرت نبوی کے بعد اصحاب سفینتین کے ساتھ حبشہ سے مدینہ پہنچے۔ انھوں نے طویل عمر پائی۔ وہ اہل مدینہ میں شمار ہوتے تھے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کاٹنے کا شرف حاصل ہوا۔ (اسد الغابہ، ج:5)

(2) یہ روایت متعدد کتب حدیث میں وارد ہے، جیسے: مجمع الزوائد (5596)، مسند احمد (400/6)، معجم الطبرانی الکبیر (باب المیم: 447/20)

(3) بخاری (15)، مسلم (44).

(4) ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا نام زید بن سہل تھا اور ان کا تعلق انصاری قبیلہ بنونجار سے تھا۔ ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے ان کا بھائی چارہ قائم کیا۔ غزوۂ احد میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے ہوئے انھیں 35 سے زیادہ زخم آئے۔ ان کی زوجہ مشہور صحابیہ اُم سُلیم رضی اللہ عنہا تھیں جو انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ زید بن سہل رضی اللہ عنہ نے 31ھ یا 34ھ میں 70 سال کی عمر میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ، ج:6)

(5) صحیح مسلم: 1305۔

سو احادیث سنانے کی شرط

ابن ابی ذر کا بیان ہے کہ جب حجاج کرام مکہ مکرمہ آتے تو سفیان بن عیینہ باب بنی ہاشم کے پاس ایک بلند جگہ پر جلوہ افروز ہو کر لوگوں کا مشاہدہ کرتے۔ ایک مرتبہ علم حدیث سے شغف رکھنے والا ایک شخص سفیان بن عیینہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے روبرو بیٹھ کر عرض کیا:

«يَا أَبَا مُحَمَّدٍ! حَدِّثْنِي»

''اے ابو محمد! مجھ سے حدیث بیان کریں''۔

سفیان بن عیینہ نے اس سے چند احادیث بیان کیں۔ اس نے مزید تقاضا کیا اور سفیان بن عیینہ نے اس کی خواہش پوری کی۔ اس نے مزید حدیثیں بیان کرنے کی درخواست کی۔ سفیان بن عیینہ نے اس کی بار بار کی درخواست سن کر اس کے سینہ میں ہاتھ سے ذرا سا دھکا دیا۔ وہ بلند جگہ پر بیٹھا تھا۔ نیچے وادی کی طرف لڑھک گیا اور اسی میں جا گرا۔ حجاج کرام میں جب اس کی خبر عام ہوئی تو وہ وادی میں گرے ہوئے شخص کے اردگرد اکٹھا ہو گئے اور کہنے لگے:

''سفیان بن عیینہ نے ایک حاجی کو مار ڈالا''۔

جب حجاج کرام کے درمیان اس سلسلہ میں چہ میگوئیوں نے طول پکڑا تو سفیان بن عیینہ ڈر گئے اور افسوس کرنے لگے کہ کیوں کر ہم نے بیچارے کو دھکا دیا؟! پھر وہ نیچے اتر کر وادی میں گئے اور گرے ہوئے شخص کا سر اپنی گود میں رکھ کر پوچھا:

«مَا لَكَ؟» ''تجھے کیا تکلیف پہنچی ہے؟''

وہ آدمی اپنا پاؤں مسلسل ہلائے جا رہا تھا اور منہ سے جھاگ نکالے جا رہا تھا۔ یہ

بھیانک منظر دیکھ کر یہ جملہ لوگوں میں عام ہو گیا:

«سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ قَتَلَ رَجُلاً»

''سفیان بن عیینہ نے ایک آدمی کو مار ڈالا''۔

سفیان بن عیینہ نے اس آدمی سے کہا:

«قُمْ وَيْلَكَ! أَمَا تَرَى النَّاسَ مَا يَقُولُونَ؟»

''تمہارا ناس ہو! کھڑے ہو جاؤ، تم لوگوں کو نہیں دیکھ رہے وہ کیا کہہ رہے ہیں؟''

اس نے آہستہ آواز میں سفیان بن عیینہ سے سرگوشی کی:

«لاَ وَاللهِ! لاَ أَقُومُ حَتَّى تُحَدِّثَنِي مِائَةَ حَدِيثٍ عَنِ الزُّهْرِي وَعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ!

''اللہ کی قسم! میں اس تک نہیں اٹھوں گا جب تک کہ آپ امام زہری اور عمرو بن دینار کی سند سے مجھے سو احادیث نہیں سنائیں گے!''

چنانچہ سفیان بن عیینہ نے اس آدمی کو سو احادیث سنائیں۔ سو احادیث سننے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر چل دیا(1)۔

(1) کتاب الأذکیاء، ابن جوزی ص 138۔

علم کی عظمت

ایک مرتبہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک اور اس کے بیٹوں کے درمیان حج کے کسی مسئلے میں شدید اختلاف ہو گیا تو خلیفہ نے کہا:

مجھے عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کا پتہ بتلاؤ۔ لوگ اسے عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کی مجلس میں لے گئے جو مسجد حرام کے اندر بیٹھے تھے اور ان کے ارد گرد لوگوں کا ازدحام تھا، جیسے چاروں طرف سے بادل چھائے ہوئے ہوں۔

خلیفہ نے صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ کر مسئلہ دریافت کرنا چاہا کیونکہ وہ خلیفہ تھا اور اس کا کوئی راستہ نہیں روک سکتا تھا۔ اتنے میں عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی:

«يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! خُذْ مَكَانَكَ وَلاَ تَتَقَدَّمِ النَّاسَ فَإِنَّ النَّاسَ سَبَقُوكَ إِلٰى هٰذَا الْمَكَانِ»

''اے امیر المومنین! اپنی ہی جگہ رہیں، لوگوں سے آگے نہ بڑھیں کیونکہ لوگ اس جگہ آپ سے پہلے آ چکے ہیں۔''

خلیفہ اپنی جگہ رک گیا، پھر جب اس کی باری آئی تو مسئلہ دریافت کیا اور عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ نے اس کا جواب بتلایا۔

خلیفہ جب واپس آیا تو اپنے لڑکوں سے کہا:

اے میرے بیٹو! تم پر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور دین میں تفقہ پیدا کرو۔

«فَوَاللهِ! مَاذُلِلْتُ فِي حَيَاتِي إِلاَّ لِهٰذَا الْعَبْدِ»

''اللہ کی قسم! مجھے پوری زندگی میں صرف اس (آزاد کردہ) غلام کے علاوہ کسی کے سامنے خفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا''۔

اللہ تعالیٰ اپنی طاعت کے ذریعے سے جس کو چاہتا ہے بلند کرتا ہے خواہ وہ مال و جائداد اور نسب سے محروم حبشی غلام کیوں نہ ہو، اور اپنی معصیت و نافرمانی کرنے والوں میں جس کو چاہتا ہے ذلیل و رسوا کرتا ہے خواہ وہ عالی نسب اور بڑے خاندان کا کیوں نہ ہو۔(1)

(1) عطا بن ابی رباح مشہور تابعی ہیں۔ یہ بنوفہر کے غلام تھے۔ ان کی ماں کا نام برکہ تھا۔ ان کی کنیت ابومحمد تھی۔ بچپن میں مکہ مکرمہ میں تعلیم حاصل کی اور وہیں پروان چڑھے۔ یہ کالے اور لنگڑے تھے۔ ناک چپٹی تھی۔ مگر علم و عمل میں بہت آگے تھے۔ بعد میں اندھے ہوگئے تھے۔ 88 سال کی عمر میں 115ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ امام ابوحنیفہ کہا کرتے تھے کہ میں نے اپنی زندگی میں عطاء سے زیادہ افضل آدمی نہیں دیکھا۔ ابن جریج کہا کرتے تھے: "كَانَ الْمَسْجِدُ فِرَاشَ عَطَاءٍ عِشْرِينَ سَنَةً وَ كَانَ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ صَلَاةً" ''بیس سال تک عطاء کا بستر مسجد حرام ہی میں رہا' لوگوں میں سب سے اچھی نماز ان کی ہوا کرتی تھی''۔ امام اوزاعی کہا کرتے تھے: "مَاتَ عَطَاءٌ يَوْمَ مَاتَ وَ كَانَ أَرْضَى أَهْلِ الْأَرْضِ عِنْدَ النَّاسِ"۔ جو دن مقدر تھا اس دن عطاء کا انتقال ہوگیا' (مرتے وقت تک) وہ لوگوں کی نظر میں اس روئے زمین پر سب سے زیادہ پسندیدہ شخصیت تھے''۔

[دیکھیے: شذرات الذهب: 1/147-148 'سير أعلام النبلاء' البداية والنهاية وغیرہ]

(((رسول اکرم ﷺ سے کشتی کرنے والا!)))

مورخ ابن اسحاق اور ان کے علاوہ متعدد مؤرخین نے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک بہت زیادہ طاقتور آدمی تھا۔ جس کا نام ابورُکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن المطلب بن عبد مناف بن قصی القرشی المطلبی تھا۔ وہ کشتی کے گر سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ اس کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ لوگ دور دراز علاقوں سے اس کے ساتھ کشتی لڑنے کے لیے آیا کرتے تھے اور وہ کشتی میں انہیں پچھاڑ دیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ مکہ مکرمہ کی کسی گھاٹی میں سے گزر رہا تھا۔ اتفاق سے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ اس کی ملاقات ہوگئی۔ رسول اکرم ﷺ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا:

«يَا رُكَانَةُ! أَلاَ تَتَّقِي اللهَ وَتَقْبَلُ مَا أَدْعُوكَ إِلَيْهِ؟»

''رکانہ! کیا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے نہیں اور میری دعوت قبول نہیں کرو گے؟''

رکانہ بن عبد یزید نے کہا:

«إِنْ صَرَعْتَنِي آمَنْتُ بِكَ»

''اگر آپ مجھے کشتی میں پچھاڑ دیں تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا''۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«تَهَيَّأْ لِلْمُصَارَعَةِ»

''تو پھر کشتی کے لیے تیار ہو جاؤ''۔

چنانچہ دونوں نے کشتی کی اور رسول اکرم ﷺ نے اسے پچھاڑ دیا۔

رکانہ نے آپ ﷺ سے دوسری مرتبہ کشتی کا مطالبہ کیا اور آپ نے دوسری بار

بھی اسے پٹخ دیا۔اس نے تیسری مرتبہ آپ سے کشتی کی اور آپ نے اس مرتبہ بھی اسے پچھاڑ دیا۔رکانہ کو اس سے بڑا تعجب ہوا۔ وہ کھڑے ہو کر متفکرانہ انداز میں کچھ سوچنے لگا۔ کیونکہ اس کے ساتھ بے شمار لوگوں نے کشتی کی تھی مگر یہ کبھی نہ ہوا تھا کہ کسی نے اسے پچھاڑا ہو۔آج جبکہ رسول اکرم ﷺ نے اسے کشتی میں پچھاڑ دیا تھا تو وہ کھڑے کھڑے نہ معلوم کیا سوچنے لگ گیا اور تھوڑے سے توقف کے بعد کہنے لگا:

«إِنَّ شَأْنَكَ لَعَجِيبٌ»

''آپ کا معاملہ بھی بہت عجیب ہے(بڑے طاقتور ہیں)''۔

رکانہ رضی اللہ عنہ نے حسب وعدہ اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔مگر اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا۔امیر معاویہ کے زمانے میں 42 ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے یہ حدیث روایت کی ہے:

«إِنَّ لِكُلِّ دِينٍ خُلُقًا، وَخُلُقُ هَذَا الدِّينِ الْحَيَاءُ»

''ہر دین کی ایک امتیازی خصلت ہوتی ہے اور اس دین (اسلام) کی امتیازی خصلت حیا ہے''۔(1)

---

(1) یہ حدیث مسند احمد (258/5)،اور مراسیل ابوداود (36) میں ہے۔

نوٹ: اس مضمون کی تیاری میں سید محمد عبدالحی الکتانی کی کتاب ''نظام الحكومة النبوية'' (95/1)،الاستیعاب (804)،اُسد الغابۃ (1708)،سیرۃ ابن ہشام (41/2) وغیرہ کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

(((امیر المومنین اور سپہ سالار باہم روتے ہیں!!)))

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیت المقدس کی کنجیاں حاصل کرنے کے لیے نکلے تو آپ کی دید کے لیے لوگ گھروں سے باہر نکل آئے۔ لشکرِ اسلامی اپنے چار سپہ سالاروں کی قیادت میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ[1] کے جھنڈے تلے امیر المومنین کے استقبال کے لیے مقام جابیہ تک جا پہنچا۔

جب امیر المومنین وہاں پہنچے تو فرمایا: لا الہ الا اللہ۔

«إِنَّا كُنَّا أَذَلَّ قَوْمٍ فَأَعَزَّنَا اللهُ بِالإِسْلَامِ فَمَهْمَا نَطْلُبُ العِزَّ بِغَيْرِمَا أَعَزَّنَا اللهُ بِهِ أَذَلَّنَا اللهُ»[2]

''ہم ایسی قوم تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے سے عزت بخشی۔ اگر ہم نے اسلام کے علاوہ کسی اور ذریعے سے عزت چاہی تو پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل ورسوا کردے گا''۔

پھر آپ نے فوجیوں کو حکم دیا کہ وہ متفرق ہو جائیں۔ اس کے بعد آپ انتہائی تواضع اور سکون کے ساتھ چلنے لگے۔ جب امرا آپ کے قریب آئے تو آپ نے فرمایا:

مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ میرے بھائی ابو عبیدہ عامر بن جراح کدھر ہیں؟

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے معانقہ کیا اور دیر تک روتے رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اے ابو عبیدہ! جب اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ہم سے پوچھے گا کہ ہم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیا کیا تو ہم کیا جواب دیں گے؟ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ

نے عرض کی:

اے امیر المومنین! آیئے ہم الگ ہو کر باہم روتے ہیں تا کہ لوگ ہمیں نہ دیکھ سکیں۔

پھر وہ دونوں راستے سے الگ ایک طرف جانے لگے۔ فوجیوں کی نگاہیں ان کا پیچھا کر رہی تھیں۔ نصاریٰ کے امرا اور رہبان سب کے سب ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں وہ دونوں ایک درخت کی آڑ میں جا کر کھڑے ہو گئے اور دیر تک روتے رہے۔(3)

---

(1) یہ جلیل القدر صحابی عامر بن عبداللہ بن جراح بن ہلال قرشی فہری رضی اللہ عنہ ہیں اور عشرۂ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ انھوں نے جنگ بدر و اُحد اور دیگر تمام غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت فرمائی اور حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شان میں فرمایا تھا:

''ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت (محمدیہ) کا امین ابوعبیدہ بن جراح ہے۔''

جس زمانے میں یہ ملک شام کے امیر تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لے گئے تو ان کی خستہ حالی کو دیکھ کر امیر المومنین نے فرمایا تھا:

''دنیا نے ہم سب کی حالتوں کو بدل کر رکھ دیا ہے، اے ابوعبیدہ! صرف آپ ہی اس سے محفوظ ہیں۔''

ان کی وفات طاعون کی بیماری سے عمواس میں 18ھ میں ہوئی اور نماز جنازہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

(2) مستدرک الحاکم: 130/1. الترغیب والترھیب: 351/3۔

(3) یہ واقعہ تاریخ و سیر کی متعدد کتابوں میں مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہے۔ اس کا ایک حصہ مستدرک حاکم وغیرہ میں بھی ہے۔

میدان جنگ میں دعا کی اہمیت

مجاہدینِ اسلام جب کابل کا گھیراؤ کیے ہوئے تھے۔اسی دوران میں ظہر کا وقت آن پہنچا۔مسلمانوں کے سپہ سالار قتیبہ بن مسلم [1] نے نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کے دربار میں گڑگڑا کر یہ دعا کی: ''اے اللہ! ہمیں فتح ونصرت سے ہمکنار کر کیونکہ فتح ونصرت تیری ہی جانب سے نصیب ہوا کرتی ہے۔''

اس جنگ میں لشکرِ اسلام کی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ کیا گیا ہے۔قتیبہ بن مسلم نے نماز کے بعد جنگی کارروائی سے پہلے ایک نیک آدمی کو، جس کا نام محمد بن واسع تھا، تلاش کرنے کا حکم دیا۔ یہ وہ وقت تھا جب جان کی تجارت ہونے والی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب جنت کے دروازے کھولے جارہے تھے اور فرشتوں کی آمد ہو رہی تھی۔ مگر سپہ سالار اپنے اصحاب سے کہہ رہا تھا: محمد بن واسع کو تلاش کر کے میرے پاس لاؤ۔

مجاہدینِ اسلام نے محمد بن واسع کی تلاش شروع کر دی۔ دیکھا کہ وہ اپنے نیزے پر ٹیک لگائے زاروقطار رو رہے ہیں اور اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے کہہ رہے ہیں: یاحی! یاقیوم! لوگوں نے آکر قتیبہ بن مسلم رحمہ اللہ کو اس بات کی خبر دی تو ان کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَأُصْبُعُ مُحَمَّدِ بْنِ وَاسِعٍ خَيْرٌ عِنْدِي مِنْ مِائَةِ أَلْفِ سَيْفٍ شَهِيرٍ وَمِنْ مِائَةِ أَلْفِ مُقَاتِلٍ طَرِيرٍ»

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! محمد بن واسع کی (آسمان کی طرف اٹھی ہوئی) انگلی میرے نزدیک ایک لاکھ نامور چمکدار تلواروں سے اور ایک لاکھ خوش منظر لشکر جرار سے بہتر ہے۔''

پھر جنگ شروع ہوئی۔ خوب گرما گرم جنگ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم سے نوازا اور دشمنوں کو شکستِ فاش سے دوچار کیا، چنانچہ عصر کا وقت ہوتے ہوتے مسلمانوں نے کابل کو فتح کر لیا اور عصر کی نماز کابل کے اندر ادا کی۔

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾

''تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور انھوں نے نیک اعمال کیے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انھیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ جما دے گا جسے ان کے لیے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے اس خوف وخطر کو وہ امن وامان سے بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ (النور:55/24)

(1) ابوحفص قتیبہ بن مسلم الباہلی 49ھ میں پیدا ہوا۔ خلیفہ عبدالملک نے 85ھ میں حجاج بن یوسف کے مشورے سے قتیبہ کو خراسان کا والی مقرر کیا۔ قتیبہ نے ترکی قبائل پر مسلسل کامیاب حملے کر کے خلافت کی حدود کو اس قدر وسیع کر دیا کہ اس کا شمار بنوامیہ کے عظیم ترین فاتحوں میں ہونے لگا۔ طخارستان (شمالی افغانستان،) بیکند، بلخ، بخارا اور سمرقند اسی کے ہاتھوں فتح ہوئے۔ 96ھ میں وہ فرغانہ فتح کرنے کی تیاری کر رہا تھا کہ اسے خلیفہ ولید کی وفات کی خبر ملی۔ اسے نئے خلیفہ سلیمان کی طرف سے انتقام کا خوف تھا کیونکہ اس نے سلیمان کو ولی عہدی سے محروم کرنے کے منصوبے کی تائید کی تھی، چنانچہ اس نے خلیفہ سلیمان کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فوج اس سے باغی ہوگئی اور ذی الحجہ 96ھ / اگست 715ء میں باغی سپاہ نے اسے قتل کر دیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:1/16، ص:285-287)

نبی رحمت کی خدمت میں اونٹ کی شکایت

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اپنے پیچھے مجھے سوار کیا اور مجھ سے ایک راز کی بات کہی جسے میں کسی کو بھی نہیں بتا سکتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قضائے حاجت کے لیے کسی ٹیلے یا کھجور کے درخت کی آڑ میں چھپنا پسند تھا، چنانچہ آپ ایک انصاری کے باغ میں رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں ایک اونٹ تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی وہ باریک آواز میں رونے لگا اور اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے کان کی پچھلی ہڈی پر ہاتھ پھیرا تو وہ خاموش ہو گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

«مَنْ رَبُّ هٰذَا الْجَمَلِ؟ لِمَنْ هٰذَا الْجَمَلُ؟»

''اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ یہ اونٹ کس کا ہے؟''

ایک انصاری آیا اور اس نے عرض کی: یہ اونٹ میرا ہے اے اللہ کے رسول!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَفَلَا تَتَّقِي اللهَ فِي هٰذِهِ الْبَهِيمَةِ الَّتِي مَلَّكَكَ اللهُ إِيَّاهَا؟

''کیا تم اس جانور کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں مالک بنا دیا ہے۔'' اس نے ابھی مجھ سے شکوہ کیا ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو (چارہ کم دیتے ہو) اور کام زیادہ لے کر اسے تھکا دیتے ہو۔ (1)

(1) سنن ابی داود، الجهاد ،باب مایؤمربه من القیام علی الدواب والبهائم، حدیث:2549

(((برائیوں کی ماں کے شکنجے سے کوسوں دور رہو)))

شراب نوشی ایک ایسی بری اور گھناؤنی عادت ہے جو شراب پینے والے کو گناہوں کے ارتکاب پر جری بنا دیتی ہے اور ہلاکت خیز گناہوں کا ارتکاب اس پر آسان ہو جاتا ہے بلکہ شراب کے عادی افراد اس قدر بے غیرت ہوتے ہیں کہ نشے کی حالت میں وہ خود اپنی ہی محرم عورتوں پر دست درازیاں کر بیٹھتے ہیں جن کی مثالیں ہر اس سوسائٹی میں دیکھی جا سکتی ہیں جہاں شراب نوشوں کی کثرت ہے۔

ایک عربی شاعر کہتا ہے ؎

وَكُلُّ أُنَاسٍ يَحْفَظُونَ حَرِيمَهُمْ وَلَيْسَ لِأَصْحَابِ النَّبِيذِ حَرِيمُ

''ہر آدمی اپنی محرم خواتین کی عزت و آبرو کی حفاظت کرتا ہے۔لیکن شراب نوشوں کی کوئی محرم نہیں (جس پر موقع ملے بلا جھجک دست درازی کر بیٹھتے ہیں۔)''

فَإِنْ قُلْتُ هٰذَا لَمْ أَقُلْ عَنْ جَهَالَةٍ وَلٰكِنَّنِي بِالْفَاسِقِينَ عَلِيمُ

''میں نے جو یہ کہا ہے، کوئی لاعلمی یا جہالت کی بنیاد پر لب کشائی نہیں کی ہے، بلکہ میں ان فاسق شرابیوں کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں (جنھوں نے اپنی ہی محرم خواتین کی عفت و عصمت کی چادر کو پھاڑ ڈالا۔)''

زمانۂ جاہلیت میں اپنے اوپر شراب حرام کرنے والوں میں ایک نام قیس بن عاصم کا آتا ہے جنھوں نے شراب سے مدہوش ہو کر ایک رات خود اپنی ہی بیٹی پر دست درازی کی کوشش کی، ان کی بیٹی بھاگ کھڑی ہوئی۔ صبح کو جب انھیں رات کی کارستانی کے متعلق بتایا گیا تو انھوں نے اپنے اوپر شراب حرام کر لی۔ (1)

اور یہ اشعار پڑھے:

فَوَاللّٰهِ لاَ أَشْرَبُهَا صَحِيحًا وَلَا أَشْفِي بِهَا أَبَدًا سَقِيمًا
وَلَا أُعْطِي لَهَا ثَمَنًا حَيَاتِي وَلَا أَدْعُو لَهَا أَبَدًا نَدِيمًا
فَإِنَّ الخَمْرَ تَفْضَحُ شَارِبِيهَا وَتَجْنِيهِمْ بِهَا الأَمْرَ العَظِيمَا

''اللہ کی قسم! آئندہ میں نہ حالت صحت میں شراب پیوں گا۔ نہ کسی بیمار کا اس سے علاج کروں گا۔ نہ زندگی بھر شراب خانہ خراب پر کوئی پیسہ خرچ کروں گا۔ نہ کسی دوست کو اس کے پینے کی دعوت دوں گا۔ یہ بد بخت پینے والوں کو رسوائی سے دوچار کر دیتی ہے۔ اور انہیں ہولناک گناہوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔''

اس لیے شراب کو ''أُمُّ الخَبَائِثِ'' (تمام برائیوں کی ماں)[(2)] کا نام دیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما[(3)] بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ صحابہ کرام کے درمیان یہ بات چھڑ گئی کہ کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ ان کے پاس اس سلسلے میں کوئی تشفی بخش جواب نہیں تھا، چنانچہ انھوں نے مجھے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی خدمت میں اس بارے میں پوچھنے کے لیے بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے مجھے بتایا کہ سب سے بڑا گناہ شراب نوشی ہے۔ میں نے واپس آ کر صحابہ کرام کو اس جواب سے آگاہ کیا لیکن انھوں نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور سب حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی خدمت میں آئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے انھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا:

''بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ نے ایک آدمی کو گرفتار کیا۔ بادشاہ نے اس آدمی کو تین باتوں کا اختیار دیا، بصورت دیگر اسے قتل کر دیا جائے گا۔ شراب پیے، یا ایک بچے کو قتل کرے، یا سور کا گوشت کھائے۔ اس آدمی نے شراب نوشی کو اختیار

کیا۔ جب اس نے شراب نوشی کر لی تو پھر اس نے ان سارے گناہوں کا بھی یکے بعد دیگرے ارتکاب کیا۔ (4)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

«اِجْتَنِبُوا الْخَمْرَ فَإِنَّهَا أُمُّ الْخَبَائِثِ»

''شراب پینے سے بچو، کیونکہ یہ تمام گناہوں کی ماں ہے۔''

گزشتہ زمانے میں ایک بدکار عورت ایک عابد وزاہد کے عشق میں گرفتار ہو گئی۔ اس نے اپنی لونڈی کو اس عابد کو بلانے کے لیے یہ کہہ کر بھیجا کہ ہم آپ کو گواہی کے لیے بلا رہے ہیں۔ وہ عابد لونڈی کے ساتھ آیا۔ جس جس دروازے سے وہ عابد داخل ہوتا گیا، وہ لونڈی ان دروازوں کو بند کرتی گئی یہاں تک کہ وہ اس حسین وجمیل عورت کے پاس پہنچ گیا۔ عورت کے پاس ایک بچہ تھا اور ایک شراب کا برتن بھی رکھا ہوا تھا۔ اس نے عابد سے کہا: اللہ کی قسم! میں نے کسی گواہی کے لیے آپ کو نہیں بلایا ہے بلکہ میرے بلانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ مجھ سے زنا کاری کریں۔ اگر یہ نہیں کر سکتے تو ایک گلاس شراب کا پئیں، اور اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر اس بچے کو قتل کر ڈالیں۔ عابد نے کہا مجھے اس شراب ہی سے ایک گلاس پلا دو (تا کہ میں اور گناہوں سے بچ جاؤں) چنانچہ اس نے عابد کو ایک جام پلا دیا۔ ایک جام پینے کے بعد عابد نے دوسرے کا بھی تقاضا کیا یہاں تک کہ جب مدہوش ہو گیا تو اس بدکار عورت سے منہ کالا کیا اور بچہ بھی قتل کر ڈالا۔ لہٰذا تم لوگ شراب سے کوسوں دور رہو کیونکہ ایمان اور شراب نوشی جب کسی میں اکٹھے ہوں تو ان میں سے ایک چیز دوسرے کو نکال باہر کرتی ہے۔ (5)

غرض شراب تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اسی لیے شریعت اسلامیہ نے شراب نوشی

کرنے والوں کے لیے سزا مقرر کی ہے اور آخرت میں بھی انھیں جہنمیوں کی پیپ پلائی جائے گی، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (6) سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَإِنَّ عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ عَهْدًا لِمَنْ يَشْرَبُ الْمُسْكِرَ أَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِينَةِ الْخَبَالِ»

''ہر نشہ آور چیز حرام ہے، اللہ تعالیٰ نے شرابی سے عہد کر رکھا ہے کہ وہ اسے طینة الخبال سے پلائے گا۔

صحابہ کرام نے عرض کیا:

یہ طینۃ الخبال کیا ہے اے اللہ کے رسول!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«عُصَارَةُ أَهْلِ النَّارِ»

''دوزخیوں کی پیپ۔''(7)

---

(1) موسوعة نضرة النعيم: 4707/10. دیکھیے حافظ مزی کی کتاب تهذيب الكمال: 63/24

(2) ام الخبائث شراب کی تباہ کاریوں کی ایک مثال پچھلے پندرہ برسوں میں روسیوں کی شرح اموات میں غیر معمولی اضافہ ہے جو جون 2005ء تک 160 اموات فی ہزار تک پہنچ گیا۔ اموات میں اضافے کا ایک بڑا سبب روسی شراب ''وُڈکا'' بتائی گئی ہے۔ ماسکو ٹائمز کے مطابق ''ماسکو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ آف سائیکیٹری'' کے محقق الیگزینڈر نیمٹسوف کہتے ہیں کہ روس کے سابق سربراہ گورباچوف نے 87-1984ء میں شراب نوشی کے خلاف مہم چلائی تو روسیوں کی شرح اموات میں 12 فیصد کمی ہوگئی تھی۔ نیمٹسوف کے بقول ''ہر سال 40 ہزار سے زیادہ روسی شراب نوشی کی سمّیت (زہر) سے مرتے ہیں اور روسی اموات (7 لاکھ سالانہ اوسطاً) کا ایک تہائی شراب نوشی کا براہِ راست یا بالواسطہ نتیجہ ہے۔'' دلچسپ بات یہ ہے کہ روس کی غریب ترین مسلم اکثریتی

ریاستوں انگوشتیا اور داغستان میں شرح اموات سب سے کم ہے۔
(ڈیلی نیشن 16 جولائی 2005ء)

(3) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خلیفہ ثانی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند تھے۔ ان کی ولادت نبوت کے تیسرے سال ہوئی۔ انھوں نے دس سال کی عمر میں اپنے والد گرامی کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ وہ احادیث کے عالم اور قرآن کے مفسر تھے۔ تقویٰ و پرہیز گاری اور زہد و ورع میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے انھیں قاضی بننے کی پیش کش کی جس سے انہوں نے معذرت کر لی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں شام کا گورنر بننے کی دعوت دی آپ نے یہ دعوت بھی قبول نہیں کی۔ وہ بدر اور اُحد کے سوا تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ انھوں نے چھیاسی برس کی عمر میں وفات پائی اور انھیں ذی طوی کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

(4) مجمع الزوائد 70/5، ہیثمی کہتے ہیں کہ طبرانی نے الاوسط میں اسے روایت کیا ہے۔ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(5) سنن نسائی، الاشربة، باب ذکر الآثام المتولدة عن شرب الخمر من ترک الصلوات و من قتل النفس التی حرم اللّٰہ و من وقوع علی المحارم، حدیث 5669

(6) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ بچپن میں اپنے والد کے ہمراہ بیعت عقبہ ثانیہ میں شرکت کی۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ 18 غزوات میں شریک ہوئے۔ ان کا شمار کثرت سے احادیث روایت کرنے والے صحابہ میں ہوتا ہے۔ آخری عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی۔ وہ 74ھ میں فوت ہوئے۔ امیر مدینہ ابان بن عثمان نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (اسد الغابہ، ج:1)

(7) صحیح مسلم، الاشربة، باب بیان ان کل مسکر خمر و ان کل خمر حرام، حدیث 2002

حفاظِ مکہ مکرمہ کی تکریم

مسجد حرام میں مال کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ بہت سارے کپڑوں کے تھان رکھے ہوئے ہیں۔ حجاج کرام کی نظریں جب اس مال کے ڈھیر اور کپڑوں کے تھانوں پر پڑتیں، ان کے ذہن و دماغ میں ایک سوال ابھرتا:

''آخر یہ مال کس وجہ سے بکھرا پڑا ہے؟ اس کا مالک کون ہے؟ اور اس کا سبب کیا ہے؟

یہ 42 ہجری کی بات ہے، اس سال کے حجاج میں ابوربیع بھی تشریف لائے ہیں۔ وہ بھی یہ مال دیکھتے ہیں اور اردگرد کے لوگوں سے سوال کرتے ہیں:

«مَا هٰذَا» ''یہ سب کیا ہے؟''

جواب ملتا ہے:

''اس کا مالک ایک خراسانی ہے، اس کا نام علی زرّاد ہے، وہ ایک نہایت مالدار وصاحب ثروت انسان ہے، فیاضی اور سخاوت اس کی سرشت میں داخل ہے۔ گزشتہ سال اس نے ایک ثقہ آدمی کو کپڑے اور مال دے کر مکہ بھیجا تھا اور اسے حکم دیا تھا کہ قریشیوں میں سے جو کوئی بھی حافظ قرآن ہو یہ ان پر تقسیم کر دینا۔ چنانچہ وہ آدمی علی زرّاد کا دیا ہوا مال اور کپڑے کے تھان لے کر گزشتہ سال مکہ مکرمہ آیا تھا، اس نے حکم کے مطابق اعلان عام کرا دیا کہ قریش کے جن جن لوگوں کو قرآن پاک یاد ہے، وہ تشریف لائیں اور اپنے حصے کا مال اور کپڑا لے جائیں۔ لیکن سوئے اتفاق کہ قریش میں ایک آدمی بھی ایسا موجود نہیں تھا جس کو پورا کلام اللہ یاد ہو، ہاں بنو ہاشم کا صرف ایک آدمی تھا جس کو قرآن پاک یاد تھا۔ چنانچہ اس ہاشمی کو بہت سارا مال اور کپڑا دے

کر علی زرّاد کا آدمی مکہ مکرمہ سے چلا گیا۔ جو مال اور کپڑے بچ گئے انھیں لے جا کر علی زرّاد کی خدمت میں ڈال دیا۔ اس سال بھی علی زرّاد کا وہی نمایندہ بہت ساری رقم اور کپڑوں کا گٹھر لے کر حاضر ہوا ہے۔ مگر امسال کا منظر بڑا ہی خوش کن ہے، کیونکہ مکہ کے بہت سے افراد قرآن پاک حفظ کر چکے ہیں اور تمام کے تمام علی زرّاد کے بھیجے ہوئے مال اور کپڑوں کا ھدیہ قبول کر چکے ہیں۔ اس سال صورت حال یہ ہے کہ ایلچی جو مال و متاع لے کر آیا ہوا تھا قریشیوں میں تقسیم کر چکا ہے، اس کا سارا مال اور سامان ختم ہو چکا ہے، مگر ابھی کافی حفاظ باقی ہیں جن کو اس مال میں سے کچھ نہیں ملا اور وہ لوگ اس نمایندہ سے اپنا حصہ طلب کر رہے ہیں''۔(1)

(1) أخبار الأذکیاء، ابن جوزی: 138۔

ایک اعرابی کی سمجھ

اصمعی کا بیان ہے کہ میں نے ایک قرآن کی آیت:

﴿ وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ﴾ (المائدہ:38/5)

کے بعد ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ پڑھا۔

میرے قریب ایک اعرابی بیٹھا تھا، اس نے پوچھا:

«كَلَامُ مَنْ هَذَا؟» ''یہ کس کا کلام تم پڑھ رہے تھے؟''

میں نے بتایا: اللہ کا کلام۔

اعرابی نے کہا: دوبارہ پڑھو۔

میں نے دوبارہ پڑھ کر سنایا۔

اعرابی کہنے لگا: «لَيْسَ هَذَا كَلَامَ اللهِ»

''یہ اللہ کا کلام نہیں''

پھر میں نے پڑھا:

﴿ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾

اعرابی بولا:

«أَصَبْتَ، هَذَا كَلَامُ اللهِ»

''ہاں اب ٹھیک پڑھ رہے ہو، یہ کلام اللہ کا ہے۔''

میں نے پوچھا:

«أَتَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟»



''تجھے قرآن پڑھنا آتا ہے؟''

اعرابی بولا: نہیں۔

میں نے پوچھا: پھر تجھے کیسے معلوم ہوا کہ پہلے جو میں نے پڑھا تھا وہ غلط ہے اور بعد والا صحیح؟

اعرابی بولا:

«يَا هَذَا! عَزَّ فَحَكَمَ فَقَطَعَ، وَلَوْ غَفَرَ وَرَحِمَ لَمَا قَطَعَ»

''دیکھیے! اللہ تعالیٰ غالب ہے جبھی تو اس نے فیصلہ دیا اور ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اگر وہ مغفرت اور رحم سے کام لینا چاہتا تو کاٹنے کا حکم نہ دیتا۔'' (1)

(1) نوادر من التاريخ۔ تاليف: صالح محمد الزّمّام: (99/1)

اپنی موت کا خریدار

بلال بن ابی بردہ، حجاج کی قید میں تھا۔ دستور یہ تھا کہ جو کوئی قید خانے میں مر جاتا اس کے بارے میں حجاج کو خبر دی جاتی اور یوں حجاج بن یوسف کے حکم سے اس کی لاش اس کے گھر والوں تک پہنچائی جاتی۔ بلال بن ابی بردہ نے جیلر کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ تم مجھ سے دس ہزار درہم (بطور رشوت) لے لو اور میرا نام نکال کر حجاج کے سامنے پیش کر دو کہ یہ قیدی انتقال کر گیا ہے، چنانچہ جیلر نے مفاہمت کے بعد بلال کا نام (مُردوں کی فہرست میں) شامل کر کے حجاج کے سامنے پیش کیا۔ حجاج نے جب اس قیدی کا نام دیکھا تو کہا:

«مِثْلُ هَذَا لاَ يَجُوزُ أَنْ يُخْرَجَ حَتَّى أَرَاهُ، هَاتِهِ»

''ایسا قیدی اس وقت تک نہیں نکالا جا سکتا جب تک میں اسے نہ دیکھ لوں، اس کی لاش میرے پاس لاؤ''۔

جیلر واپس بلال کے پاس گیا اور کہا:

«أَوْصِ بِوَصِيَّتِكَ»

''تم کو جو وصیت کرنی ہے کرلو''۔

بلال نے پوچھا: کیا خبر ہے؟

جیلر نے بتایا: حجاج کے سامنے جب میں نے تیرا نام مردوں کی فہرست میں رکھا تو اس نے مجھ سے یہ بات کہی ہے۔

«فَإِنْ لَمْ أُحْضِرْكَ إِلَيْهِ مَيِّتًا قَتَلَنِي، وَعَلِمَ أَنِّي أَرَدْتُ الْحِيلَةَ، فَلاَ بُدَّ أَنْ أَقْتُلَكَ خَنِقًا»

اگر میں تجھے اس کے سامنے مردہ حاضر نہ کروں تو وہ مجھے موت کے گھاٹ اتار دے گا، اسے معلوم ہو جائے گا کہ میں نے یہ حیلہ کیا ہے۔ اس لیے اب ضروری ہے کہ میں تجھے گلا گھونٹ کر مار ڈالوں''۔

بلال (قیدی) نے بڑی منت سماجت کی کہ وہ ایسا نہ کرے لیکن اس کے سوا اس کے لیے کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا، چنانچہ جیلر نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار ڈالا اور پھر اسے حجاج کے سامنے پیش کیا۔ حجاج نے جب قیدی کو مردہ دیکھا تو اسے اس کے گھر والوں کے حوالے کر دیا اور اس کے بعد یہ بات لوگوں کی زبان زدعام ہو گئی:

«إِنَّ بِلَالاً اشْتَرَى الْقَتْلَ لِنَفْسِهِ بِعَشْرَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ وَرَجَعَتِ الْحِيلَةُ إِلَيْهِ»

''بلال نے دس ہزار درہم میں اپنی موت خود خریدی اور حیلہ سازی خود اسی کی طرف لوٹ گئی۔''(1)

(1) نوادر من التاريخ: 105/1 ' تاليف: صالح محمد الزمّام.

طلائی تیروں نے شکست دی!

ایک بادشاہ نے کسی بادشاہ کا محاصرہ کیا۔ جب یہ محاصرہ طول اختیار کر گیا اور بادشاہ پر گراں گزرنے لگا تو اس نے اپنے وزراء کی مجلس منعقد کر کے پوچھا:

آپ لوگوں کی کیا رائے ہے جبکہ ہمیں اتنے دنوں سے محاصرے میں رکھا گیا ہے۔ کیا ہم محاصر بادشاہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیں یا رات کو اس کے خلاف میدان جنگ میں نکل پڑیں، پھر اللہ کو جو منظور ہوگا، ہوگا؟

ایک وزیر نے عرض کی:

«قَدْ بَدَا لِي رَأْيٌ أَرَى أَنَّهُمْ يَنْصَرِفُونَ بِهِ عَنَّا مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ»

''مجھے ایک تجویز سوجھی ہے جس کی بنا پر میرا خیال ہے کہ دشمن ہم سے جنگ کیے بغیر واپس چلے جائیں گے''۔

بادشاہ نے پوچھا: وہ کونسی تجویز ہے؟

وزیر نے عرض کی: وہ تجویز یہ ہے کہ میرے آقا اپنے خزانے سے سونا اکٹھا کریں۔ جب سونا اکٹھا کر دیا گیا تو وزیر نے سناروں کو بلایا اور انھیں سونا پگھلا کر تیر بنانے کا حکم دیا، پھر وزیر نے ہر تیر کی اَنی پر دو مصرعے لکھے اور بادشاہ کے خدام کو حکم دیا کہ وہ ایک ہی کمان سے ان تیروں کو محاصرہ کرنے والی فوج کی چھاؤنی پر دے ماریں، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

ادھر تیروں کی اَنیوں سے اس قدر چمکدار روشنی نکلی کہ آنکھیں چکا چوند ہوگئیں۔ محاصر بادشاہ نے ان تیروں کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ جب تیر جمع کر کے اس کے سامنے رکھ دیے گئے تو حکم دیا گیا کہ جو کچھ ان تیروں کی نوک پر لکھا ہوا ہے پڑھ

کر سنایا جائے۔ ان پر یہ اشعار لکھے ہوئے تھے ۔

وَمِنْ جُودِهِ يَرْمِي الْعُدَاةَ بِأَسْهُمٍ   مِنَ الذَّهَبِ الإِبْرِيزِ صِيغَتْ نُصُولُهَا

''یہ اس بادشاہ کی سخاوت کا ایک حصہ ہے (جس کا تم لوگوں نے محاصرہ کر رکھا ہے) کہ وہ دشمنوں پر ایسے تیروں کی بوچھاڑ کر رہا ہے جن کی نوکوں کے ڈھانچے خالص سونے سے تیار ہوئے ہیں۔''

لِيُنْفِقْهَا مَجْرُوحُهَا فِي دَوَائِهِ   وَيَشْتَرِي الأَكْفَانَ مِنْهَا قَتِيلُهَا

''تا کہ زخمی اس کو بیچ کر اپنا علاج معالجہ کر سکے اور مقتول کے کفن کا بندوبست ہو جائے۔''

جب محاصر بادشاہ نے یہ اشعار پڑھے تو فوراً کوچ کرنے کا حکم دیا اور کہنے لگا:

«مِثْلُ هَذَا لاَ يُحَاصَرُ وَلاَ يُقَاتَلُ»

''ایسے فیاض وکریم دشمن کا نہ تو محاصرہ کیا جانا چاہیے اور نہ اس سے قتال درست ہے''۔(1)

---

(1) نوادر من التاریخ:113/1

فقراء مگر شاہوں سے بلند تر

ذیل میں ہم فقرائے اسلام کے چند نمونے پیش کرتے ہیں جن کا شمار بلاشبہ فقرائے اسلام میں ہوتا تھا مگر اس کے باوجود وہ اسلامی کردار واخلاق کے اعتبار سے ممتاز شخصیات تھے۔ اور میزانِ اسلام میں ان کا وزن بہت زیادہ تھا۔

(1)

ان فقرائے اسلام میں حضرت عمیر بن سعد بن عُبید بن نعمان بن قیس بن عمرو بن عوف انصاری رضی اللہ عنہ کا بھی نام آتا ہے۔ ان کے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ چنانچہ ان کی ماں کی دوسری شادی حضرت جُلاّس بن سوید رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور انہی کے گھر میں ان کی پرورش و پرداخت ہوئی۔ حضرت جلاس بن سوید رضی اللہ عنہ ابتداء میں نفاق کا شکار ہو گئے تھے مگر پھر صدق دل سے تائب ہوئے اور مخلص صحابہ میں شامل ہو گئے۔ آپ نے عمیر کی تربیت پر خاصی توجہ دی اور ان سے محبت کا حق ادا کر دیا۔ غزوۂ تبوک میں عمیر نے اپنی آنکھوں سے غنیمت کے اموال دیکھے۔ انھوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک تھیلی پیش کرتے ہوئے دیکھا جس میں سونے کے ایک ہزار دینار تھے۔ مگر اپنی سخت ضرورت کے باوجود انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس میں سے کچھ بھی تقاضا نہیں کیا۔ جبکہ مالِ غنیمت میں سے انھیں تقاضا کرنے کا پورا حق تھا۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی فقر و فاقہ میں بسر کر دی مگر کبھی دستِ سوال دراز نہیں کیا۔

صحابۂ کرام میں بھی ان کے متعلق یہ بات مشہور تھی کہ عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ فاضل اور

زاہد ہیں۔ انصار کے جن تین صحابۂ کرام کو زاہد شمار کیا جاتا ہے ان میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا نام بھی آتا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انھیں حمص کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ جب امیر المومنین کی دعوت پر پیدل چل کر مدینہ منورہ پہنچے تو امیر المومنین نے پوچھا:

«أَمَا كَانَ أَحَدٌ يَتَبَرَّعُ لَكَ بِدَابَّةٍ؟!»

''کسی بھی مسلمان نے تمھارے لیے کوئی سواری فراہم نہیں کی؟!''۔

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

«مَا فَعَلُوا، وَلاَ سَأَلْتُهُمْ»

''انھوں نے پیشکش کی نہ میں نے تقاضا کیا''۔

امیر المومنین نے ان کا جواب سن کر فرمایا:

«بِئْسَ الْمُسْلِمُونَ». ''مسلمان کس قدر بے حس ہوگئے''۔

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

«إِنَّ اللهَ قَدْ نَهَاكَ عَنِ الغِيبَةِ»

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیبت کرنے سے منع فرمایا ہے''۔

جب امیر المومنین نے اموالِ غنیمت اور جزیہ کے تعلق سے سوال کیا تو انھوں نے کہا: میں نے سارے اموال وہیں خرچ کر دیے جہاں کے وہ مستحق تھے۔

ان کے زہد کی ایک مثال وہ واقعہ ہے کہ جب امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں ایک آدمی کو سو دینار دے کر بھیجا تو انھوں نے اسی وقت یہ سارے دینار شہداء کے بچوں کو بلا کر ان میں تقسیم کر دیے اور اپنے گھر میں کچھ نہیں رکھا۔ جبکہ انھیں خود ان دیناروں کی شدید ضرورت تھی (1)۔

(2)

فقرائے اسلام میں ایک نام حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا بھی ہے۔ یہ سابقین اولین میں سے تھے۔ انھوں نے کفایت شعاری اور قناعت کے ساتھ پوری زندگی گزار دی۔ دنیوی ناز و نعم کو اپنے قریب بھی نہ آنے دیا۔ پھر کیا خیال ہے آپ کا ان کے بارے میں؟ دنیا کی آسائش و زیبائش نہ ہونے کی صورت میں وہ ایک کامیاب زندگی نہ گزار سکے؟! ہرگز نہیں، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فقرائے اسلام میں سے ضرور تھے۔ مگر شریعت کی میزان میں ان کا وزن بہت ہی بھاری تھا اور وہ ایک عظیم مقام و مرتبے پر فائز تھے۔ حتیٰ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی ہی میں انھیں جنت کی بشارت دے دی تھی اور فرمایا تھا:

«أَنْتَ مِنْ أَهْلِ الجَنَّةِ»

''تم جنتیوں میں سے ہو''۔

نیز فرمایا تھا:

«آخِرُ شَرْبَةٍ تَشْرَبُهَا مِنَ الدُّنْيَا شَرْبَةُ لَبَنٍ»

''اس دنیا سے آخری گھونٹ جو تم پیو گے وہ دودھ کا گھونٹ ہوگا''۔

چنانچہ جنگِ صفین میں انھوں نے دودھ کا پیالہ منگوایا اور لڑائی کی۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے (2)۔

(3)

یہ صہیب رومی رضی اللہ عنہ ہیں۔ مکہ کے رئیس عبداللہ بن جدعان کے غلام تھے۔ تجارت کا کاروبار شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مالدار ہو گئے۔ کچھ دنوں قبل غلامی کی زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے مگر تجارت کی برکت سے ان کے پاس سونے چاندی کی ریل پیل

ہو گئی۔ جب انھوں نے اسلام قبول کیا اور مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنا چاہی تو قریش ان کے اور ان کی ہجرت کے درمیان حائل ہو گئے اور صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے کہا: جب تم مکہ آئے تھے تو ایک زرخرید غلام تھے۔ مکہ کی آب و ہوا میں پلے بڑھے جوان ہوئے۔ یہیں تم نے تجارتی کاروبار شروع کیا جس کی بدولت کافی مال و دولت تمہارے ہاتھ آ گیا۔ اب تم چاہتے ہو کہ یہ سارا مال لے کر محمد سے جا ملو۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہم یہ مال تمھیں ہرگز نہیں لے جانے دیں گے۔

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال کفارِ قریش کے حوالے کر دیا اور پیدل چل کر تھکے ہارے پراگندہ حال مدینہ منورہ پہنچے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

«رَبِحَ البَيْعُ أَبَا يَحْيَى»

''ابو یحییٰ! تم نے بہت ہی نفع بخش سودا کیا ہے'' (3)۔

یوں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر کے خود کو فقرائے مسلمین کی فہرست میں شامل کر لیا اور تا زندگی دنیوی عیش و عشرت سے کوسوں دور رہ کر زہد و ورع کی زندگی گزاری۔

(4)

یہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا اپنا بیان ہے:

«لَقَدْ كُنْتُ تَاجِرًا قَبْلَ عَهْدِ بِرَسُولِ اللهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، فَلَمَّا أَسْلَمْتُ أَرَدْتُ أَنْ أَجْمَعَ بَيْنَ التِّجَارَةِ وَالعِبَادَةِ، فَلَمْ يَسْتَقِمْ أَمْرِ عَلَى مَا أَرَدْتُ، فَتَرَكْتُ التِّجَارَةَ، إِنِّي لَا أَقُولُ: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ البَيْعَ، وَلَكِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَكُونَ مِنَ الَّذِينَ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ»

''رسول اکرم ﷺ سے عہد واقرار کرنے سے قبل میں ایک تاجر تھا۔ جب میں نے اسلام قبول کیا تو میری خواہش تھی کہ تجارت بھی کروں اور عبادت میں بھی مشغول رہوں۔ مگر میں اپنی خواہش کے مطابق یہ دونوں کام ایک ساتھ انجام نہیں دے سکا۔ چنانچہ میں تجارت سے سبکدوش ہو گیا (اور عبادت میں لگ گیا)۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حرام ٹھہرایا ہے؛ بلکہ میں چاہتا ہوں کہ میرا شمار ان لوگوں میں ہو جنھیں کوئی تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں رکھتی''۔

مذکورہ مثالوں سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ فقر اور قلتِ مال کسی کی شان وعظمت کو گہنا نہیں سکتے۔ صحابۂ کرام کی اکثریت فقراء کی تھی مگر ان کی شان عظیم سے عظیم تر تھی۔

صحابۂ کرام کے فقر کا اندازہ رسول اکرم ﷺ کی مذکورہ دعا سے ہوتا ہے۔ آپ ﷺ تین سو تیرہ (313) صحابۂ کرام کو لے کر جنگِ بدر میں نکلے۔ اس وقت رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی تھی:

«اللَّهُمَّ إِنَّهُمْ حُفَاةٌ فَاحْمِلْهُمْ، اللَّهُمَّ إِنَّهُمْ عُرَاةٌ فَاكْسُهُمْ، اللَّهُمَّ إِنَّهُمْ جِيَاعٌ فَأَشْبِعْهُمْ»

''اے اللہ! یہ میرے صحابہ پیدل ہیں انھیں سواریاں نصیب فرما، اے اللہ! یہ بے لباس ہیں انھیں لباس عطا کر، اے اللہ! یہ بھوکے ہیں انھیں سیر کر''(4)۔

---

(1) دیکھیے: اسد الغابة (4076)، طبقات ابن سعد (375/4)، سیر اعلام النبلاء (561/2).

(2) دیکھیے: دلائل النبوة للبیهقی (421/6)، اسد الغابة (3804).

(3) دیکھیے: البداية والنهاية (319/7)، المنتظم (156/5)، سیر اعلام النبلاء وغیرہ۔

(4) ابوداود: كتاب الجهاد، باب: في نفل السرية تخرج من العسكر (2747)۔

نافرمان پر اللہ کا کرم!

یوسف بن حسین کہتے ہیں: میں ذوالنون مصری کے ہمراہ ایک نہر کے کنارے تھا۔ میری نگاہ ایک بہت بڑے بچھو پر پڑی جو نہر کے کنارے موجود تھا۔ اتنے میں ایک بڑا مینڈک نہر سے نکلا، بچھو اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور پانی میں تیرتے ہوئے مینڈک نے اُسے نہر پار کرا دی۔

ذوالنون مصری نے مجھ سے کہا: یقیناً اس بچھو کا کوئی خاص مقصد ہو گا، چلو دیکھتے ہیں کہ کہاں جاتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ ہم دونوں نہر پار کر کے اس بچھو کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ اچانک ہماری نگاہ ایک آدمی پر پڑی جو نشے میں مدہوش زمین پر گرا پڑا تھا اور ایک سانپ اس کی ناف کی طرف سے چڑھ کر اس کے سینے پر بیٹھا تھا، وہ اس کا کان تلاش کر رہا تھا۔ اتنے میں بچھو سانپ کے پاس پہنچ کر اس پر غالب آ گیا اور اسے ڈس کر مار ڈالا۔ جب سانپ مر گیا تو بچھو وہاں سے واپس ہو گیا اور نہر کے کنارے آ کر رک گیا۔ پھر وہی مینڈک نہر سے نکلا اور بچھو اس کی پیٹھ پر سوار ہو کر نہر پار کر گیا۔

ذوالنون مصری نے اس مدہوش آدمی کو نیند سے جگایا۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اس سے کہا: اے نوجوان! دیکھو اللہ تعالیٰ نے تیری کس طرح حفاظت فرمائی ہے۔ ایک بچھو نے آ کر اس سانپ کو قتل کر دیا جو تجھے مار ڈالنا چاہتا تھا۔ پھر ذوالنون مصری یہ اشعار پڑھنے لگے ؂

يَا غَافِلاً وَالْجَلِيلُ يَحْرُسُهُ   مِنْ كُلِّ سُوءٍ يَدِبُّ فِي الظُّلَمِ

''اس غافل کو دیکھو کہ اللہ عزوجل اندھیروں میں رینگنے والی ہر اذیت سے

اس کی نگرانی کر رہا ہے۔''

كَيْفَ تَنَامُ الْعُيُونُ عَنْ مَلِكٍ   تَأْتِيهِ مِنْهُ فَوَائِدُ النِّعَمِ

''آنکھیں اس شہنشاہ کی یاد سے کیوں کر سو جاتی ہیں جس کی یاد ہی دنیا و آخرت کی نعمتوں سے ان کو مالا مال کرتی ہے۔''

وہ مدہوش گھبراتے ہوئے اٹھا اور گویا ہوا:

«إِلٰهِي! هٰذَا فِعْلُكَ بِمَنْ عَصَاكَ فَكَيْفَ بِرِفْقِكَ بِمَنْ يُطِيعُكَ!»

''میرے پروردگار! نافرمان کے ساتھ تیرا یہ کرم ہے تو پھر فرماں بردار کے ساتھ تیری نرمی کیسی ہوگی؟!''

یہ کہہ کر نوجوان چل پڑا تو میں نے اس سے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟

اس نے جواب دیا: اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کی طرف۔[1]

(1) التائبون الى الله للحازمی

کرشمہ ایک روٹی کا

رسول اکرم ﷺ نے صدقہ و خیرات کو زکاۃ کی صورت میں ایک تشریعی مقام عطا کیا ہے اور زکاۃ کو اسلام کا ایک اہم رکن بتایا ہے جو کہ ہر صاحب استطاعت مسلمان پر سال میں ایک مرتبہ واجب ہے۔ واجبی زکاۃ کے بعد بھی رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو صدقہ و خیرات کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس کی بہت فضیلت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے ارشاد گرامی کے مطابق قیامت کے روز جب ہر آدمی حیران و پریشان ہوگا اور میدان محشر میں نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ اس وقت حساب کتاب ہونے تک ہر آدمی اپنے اپنے صدقہ و خیرات ہی کے سایے میں ہوگا۔ چنانچہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«كُلُّ امْرِئٍ فِي ظِلِّ صَدَقَتِهِ حَتَّى يُفْصَلَ بَيْنَ النَّاسِ»

''ہر آدمی (قیامت کے دن) اپنے صدقے و خیرات کے سایے میں ہوگا' یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا''۔(1)

اسی طرح ایک حدیث میں صدقہ و خیرات کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے انہیں رب کے غضب و غصہ اور بری موت سے بچاؤ کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيتَةَ السُّوءِ»

''صدقہ و خیرات پروردگار کے غضب و غصہ کو بجھا دیتے ہیں اور بری موت کو روکتے ہیں''۔(2)

صدقے کی برکات کا ایک کرشمہ ذیل کے واقعہ میں بھی پڑھیں:

ایک روز مصر کے وزیراعظم نے ابن فرات کو اپنے پاس بلوایا اور اس سے کہا:

تیرا ناس ہو! تیرے بارے میں میری نیت کچھ صاف نہیں ہے، اس لیے ہمہ وقت میری یہی خواہش رہتی ہے کہ تجھے پکڑ کر قتل کر دوں اور تیری جائداد پر قبضہ کرلوں۔لیکن پھر میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تو ایک روٹی کے ذریعے سے مجھ سے اپنا بچاؤ کر لیتا ہے۔

میں نے کئی راتیں یہی خواب دیکھا کہ میں تجھے مار ڈالنا چاہتا ہوں لیکن تو ہر بار ایک روٹی کے ذریعے سے مجھ سے اپنا بچاؤ کر لیتا ہے۔ میں نے (خواب ہی میں) تجھے قتل کرنے کے لیے ایک لشکر روانہ کیا جس نے تجھے قتل کرنا چاہا لیکن تو اپنے ہاتھ میں ایک روٹی کے ذریعے سے ہر حملے کو روک لیتا ہے اور کوئی بھی حملہ تیرے اوپر کامیاب نہیں ہوتا۔ذرا مجھے بتاؤ کہ آخر یہ روٹی کا کیا قصہ ہے؟

ابن فرات نے عرض کی:

اے وزیر! جب میں بچہ تھا تو میری امی ہر رات میرے تکیے کے نیچے ایک روٹی رکھ دیا کرتی تھی۔ جب صبح ہوتی تو اسے میری طرف سے صدقہ کر دیتی تھی۔ اس کا زندگی بھر یہی معمول رہا، لیکن جب وہ اللہ کو پیاری ہوگئی تو میں نے خود اپنی طرف سے اپنی امی کی طرح عادت بنالی، چنانچہ روزانہ ایک روٹی رات تکیے کے نیچے رکھ دیتا ہوں اور صبح کو صدقہ کر دیتا ہوں۔

ابن فرات کی گفتگو سن کر وزیر کو بڑا تعجب ہوا......اور اس نے کہا:

«وَاللهِ! لاَ يَنَالُكَ مِنِّي بَعْدَ الْيَوْمِ سُوءٌ أَبَدًا»

''اللہ کی قسم! آج کے بعد میری طرف سے تجھے ہرگز کوئی گزند نہ پہنچے گا۔''



نیز کہا: تو نے اپنے بارے میں میری نیت صاف کر دی، اب میں تجھ سے بے لاگ محبت کرتا ہوں۔[3]

(1) مسند احمد: 148/4 'ابن خزیمۃ (2431) 'ابن حبان (3310) 'حاکم (416/1)۔

(2) سنن ترمذی: کتاب الزکاۃ' حدیث نمبر: 664 'ابن حبان وغیرہ

(3) الفرج بعد الشدۃ والضیق، للحازمی

آب زمزم پینے کا مقصد

حُمیدی کہتے ہیں کہ ہم سفیان بن عیینہ کی خدمت میں حاضر تھے۔انہوں نے ہم سے زمزم کی فضیلت میں یہ حدیث بیان کی:

«مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ»

''زمزم کا پانی جس نیت سے پیا جائے،مراد پوری ہوتی ہے''۔

یہ حدیث سن کر مجلس میں سے ایک آدمی نکل کر گیا اور تھوڑی دیر بعد واپس آیا اور عرض کیا:

«يَا أَبَا مُحَمَّدٍ! أَلَيْسَ الحَدِيثُ بِصَحِيحِ الَّذِى حُدِّثْنَا بِهِ فِى زَمْزَمَ: أَنَّهُ لِمَا شُرِبَ لَهُ؟»

''اے ابومحمد! آبِ زمزم کے بارے میں جو حدیث ہم سے بیان کی گئی ہے کہ جس نیت سے پیا جائے،وہ نیت پوری ہوتی ہے،کیا یہ حدیث صحیح نہیں ہے؟''

سفیان بن عیینہ نے فرمایا:ہاں،حدیث صحیح ہے۔

اس نے کہا:

«إِنِّى قَدْ شَرِبْتُ الآنَ دَلْوًا مِنْ زَمْزَمَ عَلَى أَنْ تُحَدِّثَنِى بِمِائَةِ حَدِيثٍ»

''ابھی میں نے ایک ڈول آبِ زمزم نوش کیا ہے اور نیت دل میں یہ رکھی تھی کہ آپ مجھ سے سو حدیثیں بیان کریں گے''۔

سفیان بن عیینہ نے فرمایا: بیٹھو،میں تمہاری مراد پوری کرتا ہوں۔چنانچہ انہوں نے اسی وقت سو احادیث بیان کر دیں (1)۔

---

(1) ابن جوزی،کتاب الأذکیاء ص138۔

غلام کا الزام

احمد بن موسیٰ جو اس واقعہ کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ خلیفہ منصور کو شکایت کی گئی کہ ایک شخص کے پاس بنی امیہ نے کافی تعداد میں مال و دولت اور اسلحہ بطور امانت رکھا ہوا ہے۔

منصور نے اپنے پولیس افسر ربیع کو حکم دیا کہ اس شخص کو فوراً حاضر کیا جائے۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ جس شخص پر الزام لگایا گیا تھا اس کو منصور کے سامنے حاضر کیا گیا۔ منصور گویا ہوا: ہمیں رپورٹ ملی ہے کہ بنی امیہ نے مال و دولت اور اسلحہ بطور امانت تمہارے پاس رکھا ہوا ہے۔ اسے فوری طور پر حاضر کرو اور بیت المال میں جمع کروا دو۔ اس آدمی نے بڑے تحمل سے کہا:

«يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! أَنْتَ وَارِثُ بَنِي أُمَيَّةَ؟»

''امیر المومنین! کیا آپ بنی امیہ کے وارث ہیں؟''۔

خلیفہ نے کہا: نہیں۔

قال: «فَوَصِيٌّ أَنْتَ؟»

''کیا آپ کے حق میں کوئی وصیت کی گئی ہے''۔

خلیفہ نے کہا: نہیں۔

وہ شخص کہنے لگا: «فَلِمَ تَسْأَلُ عَنْ ذٰلِكَ؟»

''پھر آپ اس کے بارے میں کیوں پوچھتے ہیں؟''۔

منصور نے تھوڑی دیر تک اپنا سر جھکا لیا اور کہنے لگا: بنی امیہ نے لوگوں پر نہایت ظلم وستم کیے اور ان کے مال ہڑپ کر لیے۔ اب میں اس غصب شدہ مال کو واپس

لے کر بیت المال میں جمع کرواؤں گا۔

وہ آدمی کہنے لگا: امیر المومنین! آپ کی طرف سے واضح دلیل ہونی چاہیے جسے قاضی بھی قبول کر لے، کہ میرے ہاتھوں میں بنی امیہ کا جو مال ہے وہ لوگوں کا غصب کردہ ہے اور امیر المومنین کو اچھی طرح معلوم ہے کہ بنی امیہ کے پاس لوگوں کے غصب کردہ اموال کے علاوہ ذاتی اموال بھی تھے۔

منصور نے ایک مرتبہ پھر اپنا سر جھکا لیا اور کچھ دیر خاموشی کے بعد گویا ہوا: اے ربیع! اس شخص نے سچ کہا ہے۔ ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس سے یہ مال اور اسلحہ واپس لیں۔

پھر منصور اس شخص کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا: تمہاری حاجت ہو تو بتاؤ؟

اس نے کہا: میری ایک حاجت ہے۔

خلیفہ نے کہا: بتاؤ کیا چاہتے ہو؟

کہنے لگا: امیر المومنین! جن لوگوں نے آپ کو میری شکایت کی ہے ان کو میرے روبرو کیا جائے۔ اللہ کی قسم! میرے پاس بنی امیہ کی کوئی امانت' کوئی مال و دولت یا اسلحہ نہیں ہے نہ ہی کسی نے مجھے دیا ہے یا میرے پاس رکھا ہے۔

منصور نے ربیع کو حکم دیا کہ جس شخص نے اس پر الزامات لگائے ہیں اسے حاضر کیا جائے۔ جب اس شخص کو حاضر کیا گیا تو وہ فوراً اسے پہچان گیا۔ کہنے لگا: یہ تو میرا غلام ہے اس نے مجھ سے پانچ سو دینار ادھار لیے اور پھر بھاگ گیا۔ اتفاق سے میرے پاس اس کی تحریر بھی موجود ہے۔

منصور نے غلام کی طرف قہر بھری نظروں سے دیکھا تو وہ کانپنے لگا اور کہا: بلاشبہ میں اس شخص کا غلام ہوں اور اس سے دینار لے کر بھاگ گیا تھا۔ اور پھر میں نے

اس کے خلاف سازش کی تاکہ یہ گرفتار ہو کر قتل ہو جائے۔ مگر یہ تو اللہ کا امر ہے۔ میری ساری سازش اور کوشش خاک میں مل گئی۔

اس شخص نے منصور سے کہا:

«أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! قَدْ وَهَبْتُهَا لَهُ لِأَجْلِكَ»

''امیرالمومنین! میں نے آپ کی خاطر اس غلام کو وہ پانچ سو دینار ہبہ کر دیا''۔

اور مزید اسے پانچ سو دینار دیتا ہوں کہ یہ خلیفہ کی مجلس میں حاضر ہوا ہے۔

منصور نے اس کی بات کو سراہا اور باعزت اسے رخصت کیا۔ اس کے بعد متعدد بار اس نے اس شخص کو یاد کیا اور ربیع سے کہا:

«يَا رَبِيعُ! مَا رَأَيْتُ مَنْ حَاجَّنِي مِثْلَهُ»

''اے ربیع! میں نے اس جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا جس نے میرے ساتھ اس قدر کامیاب مباحثہ کیا ہوا''۔

رب کے دشمنوں سے جھگڑا

جنگِ بدر میں کفار کا بھاری بھرکم لشکر مسلمانوں کے سامنے تھا جن کے پاس مضبوط اور تیز ہتھیاروں کی کوئی کمی نہیں تھی، اور جسے دیکھو مسلمانوں کے خون کا پیاسا نظر آ رہا تھا۔ ادھر مسلم مجاہدین کے پاس ہتھیاروں کی کمی تھی لیکن ہر ایک راہِ حق میں مر مٹنے کو تیار تھا۔ کافروں کو اپنے مضبوط ہتھیاروں اور بڑی تعداد پہ ناز تھا، جبکہ مجاہدینِ اسلام ہتھیاروں اور جنگی وسائل کی کمی کے باوجود ایمانی قوت کے بل بوتے پر مقابل پر فتح کی امید لگائے ہوئے تھے۔ جب دونوں صفیں آمنے سامنے ہوئیں تو جنگ شروع ہونے سے پہلے رسول اکرم ﷺ نے مسلم جانبازوں کو آواز دی تاکہ وہ کفار کے جنگجوؤں کا مقابلہ کریں۔ فرمایا: علی بن ابی طالب کدھر ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آواز دی: میں یہاں ہوں اے اللہ کے رسول!

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے مقابل ولید بن عتبہ سے مقابلے کے لیے نکلے، دونوں میں خوب جم کر لڑائی ہوئی۔ دشمن اپنی تلوار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تابڑ توڑ حملے کیے جا رہا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنا دفاع کیے جا رہے تھے۔ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار فضا میں چمکی اور آنِ واحد میں اللہ کا دشمن زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ تلوار چلاتے ہوئے کفار کے لشکر میں گھس گئے اور ان سے زبردست قتال کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کثرت سے قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تلاوت فرمائی:

﴿هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ﴾

"یہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں، انھوں نے اپنے رب کے بارے

میں جھگڑا کیا۔'' (الحج:19/22)

پھر رونے لگے اور فرمایا: دو جھگڑا کرنے والوں میں سے قیامت کے روز ایک تو میں ہوں گا، کیونکہ میں نے کفر و بت پرستی اور الحاد و سرکشی کو ملیامیٹ کر دینے کے لیے جھگڑا کیا تھا۔ ولید بن عتبہ اور اس کے ہمنوا قیامت کے روز ان لوگوں کے ساتھ اٹھیں گے جنھوں نے اسلام کی بیخ کنی، توحید کو مٹانے اور حق و انصاف کو غارت کرنے کے لیے جنگیں لڑیں۔ پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر دو گروہوں کے درمیان فیصلہ کرے گا۔

﴿وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا﴾

''اور تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا'' [1] (الکھف:49/18)

---

(1) یہ واقعہ تفسیر و سیر کی متعدد کتابوں میں مذکور ہے۔ دیکھیے: تفسیر ابن کثیر :213/3، تفسیر الطبری:123/9، تفسیر القرطبی:25/12 وغیرہ۔

((مرنے والے کو تلقین کا انوکھا انداز))

علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ محدث ابوزرعہ رحمہ اللہ (1) جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور ان پر غشی طاری ہوگئی تو ان کے شاگردوں نے اس حالت میں انھیں کلمہ لا الہ الا اللہ کی تلقین کرنی چاہی، مگر وہ شرم کے مارے اپنے استاذ سے یہ نہیں کہہ سکے کیونکہ ابوزرعہ بہت بڑے محدث، شیخ الاسلام اور مسلمانوں کے امام تھے۔

شاگردوں نے باہمی مشورے سے کہا کہ ہم حدیث ''لا الہ الا اللہ'' کی سند کے متعلق گفت وشنید کریں کیونکہ جب ہم سند کے متعلق گفتگو کریں گے تو استادِ محترم کو متن کی یاددہانی ہو جائے گی، چونکہ یہ محدث ہیں اور محدثین کے سامنے جب سند کا ذکر ہوتا ہے تو متن خود بخود ان کے ذہن ودماغ میں گردش کرنے لگتا ہے۔ لیکن سارے ہی شاگرد موت کے اس عظیم حادثے کی ہولناکی میں حدیث کی سند یکسر بھول گئے، چنانچہ ایک شاگرد نے کہنا شروع کیا:

«حَدَّثَنَا فُلاَنٌ عَنْ فُلاَنٍ»

''ہم سے فلاں نے اور فلاں نے فلاں سے حدیث بیان کی ہے۔''

اتنا کہہ کر وہ شاگرد خاموش ہو رہا۔

دوسرے شاگرد نے کہا:

«حَدَّثَنَا فُلاَنٌ عَنْ فُلاَنٍ عَنْ فُلاَنٍ»

اور پھر اس کے بعد چپ ہوگیا۔

امام ابوزرعہ نے کہا:

«حَدَّثَنَا فُلاَنٌ عَنْ فُلاَنٍ»

اور اس کے بعد پوری سند بیان کی اور فرمایا: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ كَانَ آخِرُ كَلاَمِهِ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ»

''جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو گیا، وہ جنت میں داخل ہو گا۔''(2)

پھر ابو زرعہ کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے 64 سال کی عمر پائی۔ ان کی وفات سن 264ھ میں ہوئی۔ (3)

(1) ان کا نام عبید اللہ بن عبدالکریم بن یزید ہے۔ اپنے وقت کے امام اور سید الحفاظ تھے۔ ان کی ولادت 200ھ کے بعد ہوئی۔ صغرسنی میں انھوں نے علم حاصل کرنا شروع کیا اور اس کے لیے کئی اسلامی ممالک کا سفر کیا۔ یونس بن عبدالاعلیٰ کہتے ہیں کہ میں نے تواضع میں ابوزرعہ سے بڑھ کر کسی کونہیں دیکھا۔ وہ بلا کے ذہین تھے۔ لاکھوں احادیث انھیں ازبر تھیں۔ امام احمد رحمہ اللہ کے بقول انھیں چھ لاکھ احادیث یاد تھیں۔ ابن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ میں نے حفظ میں ابوزرعہ سے بڑھ کر کسی کونہیں دیکھا۔ ان کا رنگ گندمی اور داڑھی سیاہ تھی اور نحیف تھے۔ وہ پنیر کھاتے تھے نہ سرکہ نوش فرمایا کرتے تھے۔ انھوں نے 264ھ میں وفات پائی۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:13)

(2) سنن ابی داود، الجنائز، باب فی التلقین، حدیث:3116

(3) دیکھئے: سیر اعلام النبلاء:13/76-77

(((قوموں کی ترقی کا راز)))

اس کا شمار کم عمر صحابہ میں ہوتا تھا۔ وہ ایک آزاد کردہ غلام تھا۔ نہایت ذہین و فطین تھا۔ خوش آوازی نے اسے اور زیادہ اہم بنا دیا تھا۔ یہ نوجوان قرآن پاک کا حافظ اور قاری تھا۔ تلاوت اتنے خوبصورت انداز میں کرتا کہ سننے والے دم بخود رہ جاتے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ عالم دین بھی تھا۔ اسلامی قانون وراثت میں خوب مہارت رکھتا تھا۔ وراثت کے معاملات اور جھگڑوں میں لوگ اس کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کے آقا نافع بن عبدالحارث کو مکہ کا والی مقرر کر رکھا تھا۔ ایک مرتبہ وہ مکہ مکرمہ کے علاقے کے دورے پر تھے۔ عسفان نامی جگہ جو مکہ کے قرب و جوار میں واقع ایک وادی ہے وہاں پر نافع اور حضرت عمر فاروق کی ملاقات ہوتی ہے۔ اس واقعہ کے راوی عامر بن واثلہ ہیں وہ فرماتے ہیں: ملاقات کے دوران حضرت عمر نے نافع سے پوچھ لیا «مَنِ اسْتَعْمَلْتَ عَلَى أَهلِ الْوَادِي؟» ''تم نے اہل وادی یعنی مکہ والوں پر اپنی عدم موجودگی میں حاکم کسے مقرر کیا ہے؟''۔ حضرت نافع نے عرض کی «ابْنَ أَبْزَى»۔ ''ابن ابزی کو متعین کر کے آیا ہوں''۔

حضرت عمر نے پوچھا: «وَمَنِ ابْنُ أَبْزَى؟» ''ابن ابزی کون ہے؟''

جواب ملا: «مَوْلًى مِنْ مَوَالِينَا» یہ ہمارے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک غلام ہے۔

حضرت عمر فاروق نے تعجب سے پوچھا: «فَاسْتَخْلَفْتَ عَلَيْهِمْ مَوْلًى!!؟» ''اہل مکہ کو ایک آزاد کردہ غلام کے سپرد کر آئے ہو؟''۔

حضرت نافع نے عرض کی: «إِنَّهُ قَارِیءٌ لِکِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَإِنَّهُ عَالِمٌ بِالْفَرَائِضِ» ''وہ قرآن کریم کے قاری اور اسلامی قانون وراثت کے ماہر ہیں''۔ جواب بڑا معقول اور مناسب تھا۔ قرآن پاک کا حافظ' قاری اور عالم دین ہونا بہت بڑی اہلیت ہے۔ لیکن ایک غلام کا ایک نہایت اہم عہدہ پر فائز ہونا ایک غیر معمولی کامیابی تھی۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس بات کو سراہتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان فرما دی۔ اس حدیث پر غور فرمائیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔

ارشاد ہوا: «أَمَا إِنَّ نَبِیَّکُمْ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَالَ : إِنَّ اللّٰهَ یَرْفَعُ بِهٰذَا الْکِتَابِ أَقْوَامًا وَیَضَعُ بِهِ آخَرِینَ»

''آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس قرآن پاک سے تعلق کی بدولت بعض لوگوں کو عروج عطا فرمائے گا اور بعض کو قرآن سے تعلق چھوٹ جانے کے باعث ذلت وپستی میں گرا دے گا''۔(1)

وہ ایک غلام تھا نہ جاہ نہ مال نہ حسب نہ نسب' نہ ہی معاشرہ میں کوئی خاص مقام اور مرتبہ۔ مگر قرآن پاک کی بدولت اللہ تعالیٰ نے عبدالرحمٰن بن ابزی خزاعی کو یہ مقام عطا فرمایا کہ اہل مکہ پر ان کو گورنر متعین کیا گیا۔ ان کا مقام اور مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں یہ تھا کہ انہوں نے اپنے عہد خلافت میں انہیں خراسان کا گورنر مقرر کیا تھا۔

علامہ اقبال نے بلاشبہ سچ فرمایا ہے:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

---

(1) صحیح مسلم' صلاۃ المسافرین حدیث:817

((رسول اللہ ﷺ کا کیا ہوا؟!))

مسلمانوں کی تعداد اب 88 تک پہنچ چکی تھی۔ جب بھی رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ان کا اجتماع ہوتا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ سے عرض کرتے: کیوں نہ اب ہم لوگوں کے سامنے اپنے ایمان وعقیدہ کا برملا اظہار کریں۔ آخر کب تک ہم چھپتے چھپاتے رہیں گے؟!

رسول اکرم ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات سن کر صرف اتنا فرماتے:

«يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنَّا قَلِيلٌ» ۔

''ابوبکر! ابھی ہماری تعداد تھوڑی سی ہے''۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بار بار رسول اکرم ﷺ سے اپنے برملا اظہار کرنے کے بارے میں اصرار کرتے رہے۔ بالآخر رسول اکرم ﷺ نے انہیں اس کی اجازت دے ہی دی۔ چنانچہ سارے مسلمان خانۂ کعبہ کے اردگرد پھیل گئے اور اپنے اپنے خاندان والوں کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے۔ اب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے۔ سامنے رسول اکرم ﷺ بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ تاریخی واقعہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دینے والے اسلام کے پہلے خطیب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ ابھی چند ہی کلمات کہہ پائے تھے کہ وہاں موجود سارے مشرکین سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور مسجد حرام کے کونے میں پھیلے دوسرے مسلمانوں پر برس پڑے اور بری طرح سے مارنے لگے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مار کھاتے کھاتے زمین پر گر چکے تھے اور انہیں انتہائی شدید ضرب لگی تھی۔ اس وقت عتبہ بن ربیعہ کا رویہ سیدنا

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیسا گھناؤنا تھا؟ ذرا تاریخ سے پوچھیں:

«وَدَنَا مِنْهُ الْفَاسِقُ عُتْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ، فَجَعَلَ يَضْرِبُهُ بِنَعْلَيْنِ مَخْصُوفَتَيْنِ وَيُحَرِّفُهُمَا لِوَجْهِهِ، وَنَزَا عَلَى بَطْنِ أَبِي بَكْرٍ حَتَّى مَا يُعْرَفُ وَجْهُهُ مِنْ أَنْفِهِ»۔

''فاسق عتبہ بن ربیعہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قریب آیا اور انہیں اپنے پیوند لگے دونوں جوتوں سے مارنے لگا۔ ان کے منہ پر بھی ان جوتوں سے مار رہا تھا۔ پھر وہ کود کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیٹ پر بیٹھ گیا اور اتنا مارا کہ کثرتِ خون سے ان کی ناک ان کے چہرے سے پہچانی نہیں جاتی تھی''۔

جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قبیلے بنوتیم کے لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ ان کی مدد کو پہنچ گئے۔ انہوں نے مشرکین کو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہٹایا۔ ایک کپڑے میں اٹھا کر ان کے گھر لے گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اتنی شدید مار پڑی تھی کہ بنوتیم کو یقین ہو چلا تھا کہ اب ان کی موت یقینی ہے۔ بنوتیم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر پہنچا کر مسجد حرام میں واپس آئے اور کہنے لگے:

«وَاللهِ! لَئِنْ مَاتَ أَبُوبَكْرٍ لَنَقْتُلَنَّ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ»۔

''اللہ کی قسم! اگر ابوبکر مر جائیں گے تو ہم عتبہ بن ربیعہ کو ضرور قتل کر ڈالیں گے''۔

بنوتیم مسجد حرام میں برسرعام یہ دھمکی دے کر سیدھے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ اور بنوتیم کے افراد نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان کھل جائے اور وہ کچھ باتیں کریں۔ سارے اسی انتظار

میں ان کے اردگرد بیٹھے تھے۔ دن کے آخری پہر کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کچھ افاقہ ہوا اور زبان کھلی۔ پہلا جملہ جو ان کی زبان سے نکلا، وہ یہ تھا:

«مَا فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟!»۔

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا؟ وہ کیسے ہیں؟!!''

سارے لوگوں کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مرنے کا یقین ہو چکا تھا۔ مار کھانے کے بعد کافی دیر سے وہ یک دم خاموش تھے، آنکھیں بند تھیں، اور کافی دیر کے بعد جب زبان کھلی تو سب سے پہلے انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا۔ اس بات سے ان کی قوم کے لوگوں کو قدرے غصہ بھی آیا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ملامت کرتے ہوئے وہاں سے نکل گئے اور ان کی ماں سے کہا کہ ابوبکر کو کچھ کھلا پلا دو۔

جب بنو تیم سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس سے نکل گئے اور اب صرف ان کی ماں ان کے پاس باقی رہ گئی تو وہ اپنے بیٹے سے اصرار کرنے لگی کہ کھانا کھا لو۔ مگر اپنی ماں سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ صرف یہی پوچھتے رہے:

«مَا فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟!»۔

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا؟ وہ کیسے ہیں؟!!''

ماں نے جواب دیا: بیٹے! اللہ کی قسم! مجھے تیرے ساتھی محمد کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے کہ وہ کس حال میں ہیں اور ابھی کہاں ہیں؟

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی ماں سے کہا: اُم جمیل فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کرو کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟

بیٹے کی فرمائش پوری کرنے کی غرض سے ماں کھڑی ہوئی اور ام جمیل کے پاس پہنچ کر کہا: میرا بیٹا ابوبکر تم سے محمد بن عبداللہ کے بارے میں پوچھ رہا ہے کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟ ام جمیل نے جواب دیا: نہ تو مجھے ابوبکر کے بارے میں کچھ معلوم ہے اور نہ ہی محمد بن عبداللہ کے بارے میں۔ ہاں، اگر تم چاہو تو میں تمہارے بیٹے کو دیکھنے چلوں؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ماں نے کہا: ہاں، چلو۔ ام جمیل جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو شدتِ مرض سے ان کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے قریب ہوئی اور زور زور سے کہنے لگی: فسق وکفر میں ڈوبی ہوئی آپ کی قوم نے آپ کو یہ تکلیف دی ہے، مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ ضرور ان ظالموں سے انتقام لے گا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان کھلی اور پوچھا:

«مَا فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟!»۔

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا؟ وہ کیسے ہیں؟!!''

ام جمیل نے کہا: یہ آپ کی ماں بھی موجود ہے، میں اگر کچھ بتاؤں گی تو وہ بھی سن لے گی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کوئی بات نہیں ہے، تمھیں اس سے کوئی حرج نہیں۔

ام جمیل نے بتایا: "سَالِمٌ صَالِحٌ". ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالکل صحیح سالم ہیں''۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟

ام جمیل نے کہا: دار ابن ارقم میں ہیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

«فَإِنَّ لِلَّهِ عَلَيَّ أَنْ لَا أَذُوقَ طَعَامًا وَأَشْرَبَ شَرَابًا أَوْ آتِيَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»۔

''میں نے اللہ سے عہد کرلیا ہے کہ جب تک میں رسول کریم کی خدمت میں حاضر نہ ہو جاؤں' نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا''۔

ام جمیل اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ نے ان کا اصرار دیکھا تو وہ تھوڑی دیر تک رکی رہیں۔ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے ہیں اور راستہ خالی پڑا ہوا ہے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سہارا دیتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ مبارک جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پڑی تو آپ ان کی طرف جھک پڑے اور بوسہ دیا۔ دوسرے مسلمان بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف جھک پڑے۔ اس منظر کو دیکھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی کوفت ہوئی اور آپ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ مگر اس حالت میں بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بے لاگ محبت کا ثبوت دیا اور عرض کرنے لگے:

«بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ! لَيْسَ بِي بَأْسٌ إِلَّا مَا نَالَ الفَاسِقُ مِنْ وَجْهِي، وَهٰذِهِ أُمِّي بَرَّةٌ بِوَلَدِهَا وَأَنْتَ مُبَارَكٌ فَادْعُهَا إِلَى اللّٰهِ وَادْعُ لَهَا، عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَسْتَنْقِذَهَا بِكَ مِنَ النَّارِ».

''اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! (جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحیح سالم ہیں تو پھر) مجھے کوئی پرواہ نہیں، صرف اتنی تکلیف ہے کہ فاسق نے میرے چہرے پر جوتا مارا۔ اور یہ میری ماں ہے جو بلاشبہ اپنے بیٹے کے حق میں مہربان اور وفادار ہے، آپ کی ہستی مبارک ہے، آپ میری ماں کو اللہ کی طرف دعوت دیں اور اس کے حق میں دعائے خیر فرما دیں۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ میری ماں

کو آپ کی دعوت کی برکت سے جہنم کی آگ سے بچادے''۔

چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خواہش پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ماں کے لیے دعا فرمائی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ماں مسلمان ہوگئیں (1)۔

---

(1) دیکھئے حافظ ابن کثیر کی تاریخ: البدایۃ والنہایۃ (30/3)، تاریخ الخلفاء للسیوطی (38) وغیرہ۔

نوٹ: ابوبکر صدیق بن ابوقحافہ۔ یہ عبداللہ بن عثمان القرشی التیمی ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں۔ آپ نے بعثت نبوی سے قبل بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی تھی اور بعد میں بھی آپ کے ساتھ ساتھ رہے۔ مردوں میں سب سے پہلے آپ ہی نے اسلام قبول کیا۔ مورخ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا:

«مَا دَعَوْتُ أَحَدًا إِلَى الإِسْلَامِ إِلا كَانَتْ عِنْدَهُ كَبْوَةٌ وَتَرَدُّدٌ وَنَظَرٌ إِلاَّ أَبَا بَكْرٍ، مَا عَكَمَ عَنْهُ حِينَ ذَكَرْتُهُ وَلَا تَرَدَّدَ فِيهِ»۔

''میں نے ابوبکر کے علاوہ جس کسی کو بھی اسلام کی دعوت دی اسے تھوڑی دیر کے لیے توقف وتردد ہوا۔ صرف ابوبکر ہی ہیں جن کو میری دعوت پر ذرا بھی توقف وتردد نہیں ہوا''۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ غارِ ثور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوسرے ساتھی تھے جن کا تذکرہ قرآنِ کریم میں آیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ کے ساتھ سارے غزوات میں شریک رہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا۔ آپ کے ذریعے بڑے بڑے صحابۂ کرام نے اسلام قبول کیا جن میں حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم وغیرہم ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تجارت میں مصروف تھے۔ آپ کی تجارت اپنے شباب پر تھی۔ اس وقت آپ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ مگر ہجرت کے وقت ان میں سے صرف پانچ ہزار باقی رہ گئے تھے۔ بقیہ سارا مال آپ نے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا تھا۔ آپ نے ان سات مظلوم مسلمانوں کو خرید کر آزاد کیا تھا جنہیں مکہ کے کفار سخت سزائیں دیا کرتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو صدیق کا لقب دیا تھا۔ [دیکھئے: البداية والنهاية: 27/3، والإصابة: 341/2]

مضبوط رکاوٹ

شہر موصل میں ''عبود'' نامی ایک مشہور چور تھا جس کے ماتحت تجربہ کار چوروں کی ایک ٹیم تھی۔ وہ اس ٹیم کی مدد سے چوری اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کیے ہوئے تھا۔ ایک روز اس نے اپنے پڑوسی کے گھر ہی میں ڈاکا ڈالنے کا پلان بنایا؟ چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پڑوسی کی دیوار پھلانگ کر چھت پر چڑھ گیا اور چھت کے اوپر سے گھر والوں کی حرکات وسکنات کا معاینہ کرنے لگا تاکہ جب گھر والے سو جائیں تو اپنا کام شروع کرے۔

لیکن بری نیت سے آنے والے ان چوروں نے جب گھر کے آنگن میں جھانک کر دیکھا تو گھر پرانے طرز پر بنا ہوا تھا جس میں کشادہ آنگن ہوتا تھا اور گھر والے اس میں وقتاً فوقتاً اکٹھے ہوا کرتے تھے۔ آنگن میں درس وتدریس کی مجلس قائم تھی اور بہت سارے لوگ بیٹھ کر تعلیم وتعلم مشغول تھے۔

''عبود'' چور چھت ہی پر رات بھر انتظار کرتا رہا لیکن موقع ہاتھ نہیں آیا تو صبح اپنی ٹیم کے ساتھ واپس ہو گیا۔ اگلی رات بھی وہ اپنی ٹیم کے ساتھ پڑوسی کے گھر چوری کرنے کے لیے چھت پر چڑھا لیکن نتیجہ وہی نکلا جو گزشتہ رات نکلا تھا، چنانچہ وہ ایک ہفتہ مسلسل اپنی بری نیت کی تکمیل کے لیے پڑوسی کے گھر کی چھت پر آتا رہا لیکن ہر رات اسے پڑوسی کے آنگن میں لوگوں کی ایک جماعت اللہ تعالیٰ کے ذکر اذکار میں مصروف نظر آتی، چنانچہ وہ اُلٹے پاؤں نامراد واپس ہو جاتا۔

آٹھویں دن ''عبود'' چور نے اپنے پڑوسی کی زیارت کی جو متقی و پرہیز گار، پابندِ شرع و دیندار اور فقرا و مساکین اور ضرورت مندوں کا غمگسار و ہمدرد تھا۔ چور

نے پڑوسی سے پوچھا:

«أَفِي كُلِّ يَوْمٍ تُقِيمُ حَلْقَةً لِلتَّدرِيسِ فِي دَارِكَ؟»

''کیا آپ روزانہ تعلیم و تعلم کی مجلس اپنے گھر میں قائم کرتے ہیں؟''

پڑوسی نے بڑا تعجب کیا اور کہنے لگا: میں نے تو کئی سال سے اپنے گھر میں ایسی کوئی مجلس قائم نہیں کی!!

چور نے کہا: اب سچی بات کا انکشاف ہوا.......... پھر چور نے پڑوسی کو سارا قصہ کہہ سنایا۔

پڑوسی چور کی بات سننے کے بعد گویا ہوا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ﴾

''یقیناً اللہ ایمان والوں کا دفاع کرتا ہے، بے شک اللہ ہر خائن (اور ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔'' (الحج:38/22)

''عبود'' چور واپس ہوا تو لگتا تھا کہ اسے کوئی جنونی کیفیت لاحق ہے۔ وہ یہ جملہ بار بار دہرائے جا رہا تھا: میں نے خود اپنی آنکھوں سے ایسی متعدد مجالس دیکھی ہیں، اور یہ پڑوسی انکار کر رہا ہے!! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ [1]

---

(1) الفرج بعد الشدة والضيق للحازمي، ج:5

قیصرِ روم کو زبان درازی مہنگی پڑی

ہارون رشید نے روم کی شہزادی رنا کے ساتھ معاہدہ کیا تھا جس کا لقب اغسطہ تھا۔ لیکن روم کے باشندگان نے اس کو معزول کر کے اپنا بادشاہ نقفور کو بنا لیا جو ایک جری اور غیر محتاط انسان تھا۔ جب روم کی زمامِ حکومت نقفور کے ہاتھ آئی تو رومیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے معاہدے کو توڑ ڈالا اور نقفور نے ہارون رشید کو یہ خط لکھا:

شاہِ روم نقفور کی جانب سے شاہِ عرب ہارون رشید کے نام!

امابعد!

مجھ سے پہلے روم کی زمامِ حکومت جس شہزادی کے ہاتھ میں تھی اس نے تجھے بہت زیادہ اہمیت دے رکھی تھی۔ وہ مرعوب ہو کر ایک عرصہ تک تجھے خراج ادا کرتی رہی، حالانکہ سچی بات تو یہ ہے کہ تجھ جیسے لوگ اس دولت و ثروت کے مستحق ہرگز نہیں ہو سکتے۔ شہزادی نے صرف اپنے صنف نازک ہونے کے سبب تیرے ساتھ معاہدہ کر رکھا تھا کیونکہ عورتیں کمزور دل اور احمق ہوا کرتی ہیں!! لہٰذا جب میرا یہ خط تجھے ملے تو جو کچھ خراج شہزادی نے تجھے بھیج رکھا ہے، وہ جلد از جلد میری خدمت میں واپس بھیج دے اور اس حکم کی تعمیل کر کے اپنا بچاؤ کر لے!! ورنہ تیری سرکوبی اور ہماری جیت کا فیصلہ تلوار کرے گی!!......

ہارون رشید نے شاہِ روم کا خط پڑھا تو اس کے چہرے پر سخت غصے کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اس نے ایک لمحہ سوچا اور پھر اسی خط کی پشت پر یہ تحریر لکھی:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ»

«مِنْ هَارُوْنَ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِلٰى نَقْفُوْرَ كَلْبِ الرُّوْمِ

قَدْ قَرَأْتُ كِتَابَكَ يَا ابْنَ الْكَافِرَةِ ... وَالْجَوَابُ مَا تَرَاهُ دُوْنَ

مَا تَسْمَعُهُ»

وَالسَّلَامُ

''شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔''

''مسلمانوں کے امیر ہارون رشید کی جانب سے رومی کتے نقفور کے نام!

......اے کافرماں کی اولاد! میں نے تیرا خط پڑھ لیا ہے......اور اس کا جواب سننے سے نہیں بلکہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔''

والسلام

پھر ہارون رشید فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا' جنگ کی تیاری کی اور اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ رومی سرحد میں داخل ہو کر رومی شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ رومی بادشاہ کی بیٹی کو اپنے حرم میں شامل کر لیا اور بہت سارا مالِ غنیمت اسے حاصل ہوا۔ نیز اس نے دشمن کے گھروں کو ویران کر دیا اور باغات کو جلانے کا حکم دیا۔

جب شاہِ روم کو اپنی شکست نظر آئی تو اس نے ہارون رشید سے ہر سال خراج کی ادائیگی پر صلح کرنے کی درخواست کی۔ ہارون رشید نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ لیکن جب وہ واپسی میں شام کے علاقہ ''رقہ'' پہنچا تو نقفور نے اپنا معاہدہ توڑ ڈالا۔

ہارون رشید کو خبر ملی تو اس نے کہا: کیا اس نے عہد شکنی کر دی؟!

پھر وہیں سے ہارون رشید روم لوٹ گیا اور شاہِ روم کے آنگن میں اپنی سواری بٹھائی، نقفور سے اس کی عہد شکنی کے عوض کئی گنا بڑھا کر خراج لیا اور اپنے مقصد میں

کامیاب ہو کر واپس آیا۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ ہارون رشید نے اس وقت روم پر جو خراج عائد کیا تھا، اس کی وجہ سے سلطنتِ روم کی کمر دسیوں سال تک سیدھی نہ ہو سکی۔ [1]

(1) اس واقعے کی تفصیل کے لیے دیکھئے: البداية والنهاية (194/10) وغیرہ۔

وعظ کا نرالا انداز

محمد اسدی کے والد ابوبکر کا بیان ہے کہ میں نے جس سال حج کیا، اسی سال ابوالقاسم البغوی اور ابوبکر الادمی القاری نے بھی حج کیا۔ جب ہم نے حج کے فرائض ادا کر لیے تو مدینہ منورہ کی زیارت کا ارادہ کیا۔ مدینہ میں ایک دن ابوالقاسم البغوی میرے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے:

اے ابوبکر! مسجد نبوی کے ایک گوشے میں ایک اندھے آدمی نے اپنی مجلس قائم کر رکھی ہے اور حاضرین کو من گھڑت قصے اور موضوع احادیث سنا رہا ہے۔ کیوں نہ ہم لوگ اس کی مجلس میں چلیں اور اسے وعظ کرنے سے روکیں؟

میں نے کہا:

ابوالقاسم! ابھی ہماری حالت اس قدر مضبوط نہیں ہے کہ حاضرینِ مجلس ہماری بات سننے پر آمادہ ہو جائیں گے اور اندھے کی چٹ پٹی باتیں چھوڑ کر ہماری طرف متوجہ ہو جائیں، نیز اس وقت ہم بغداد میں نہیں ہیں جہاں ہماری اپنی ایک پہچان ہے اور لوگ ہماری بات سنتے ہیں، یہاں ہم غریب الوطنوں کی بات کون سنے گا؟ ہاں البتہ اس کے بجائے کوئی دوسری مناسب صورت نکالی جا سکتی ہے۔

یہ کہہ کر میں نے ابوبکر الادمی کا ہاتھ پکڑا جو اچھے قاری تھے، اور آگے بڑھا کر کہا:

چلیے، تلاوتِ کلام پاک کیجیے۔

انھوں نے جونہی تلاوت کلامِ پاک شروع کی، آہستہ آہستہ لوگ اندھے کی مجلس سے اُٹھ کر ہماری مجلس میں منتقل ہونے اور ابوبکر کی قراءت سے محظوظ ہونے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں اندھے کی مجلس خالی نظر آنے لگی اور اب تمام حاضرین

ہماری مجلس کی زینت بنے ہوئے تھے۔

یہ دیکھ کر اندھے نے اپنے قائد سے کہا:

«خُذْ بِيَدِي، فَهٰكَذَا تَزُولُ النِّعَمُ»

''میرا ہاتھ پکڑ کر گھر لے چلو، نعمتیں اسی طرح زوال پذیر ہوتی ہیں'' (1)

(1) کتاب الاذکیاء لابن جوزی، ص: 139

کافر چیلنج دے کر جانے نہ پائے

جنگ احزاب میں تمام عرب قبائل نے مل کر محمد ﷺ اور مسلمانوں کو جڑ سے ختم کر دینے کا منصوبہ بنایا تھا، چنانچہ رسول اکرم ﷺ عرب کے مشرکوں، یہودیوں، نصرانیوں اور منافقوں کے درمیان گھرے ہوئے تھے۔ چاروں طرف سے دشمنانِ اسلام اسلام کی بیخ کنی کے لیے اُمڈ پڑے تھے۔ ادھر مدینہ میں دو بڑی خائن جماعتوں نے عین موقعے پر مسلمانوں کے ساتھ دغا بازی کی تھی، ایک یہودیوں کی جماعت اور دوسری منافقین کی جماعت۔

محاصرے کے دوران میں ایک بہادر جنگجو عمرو بن عبدود کافروں کی طرف سے اکڑتا ہوا نکلا اور اس نے مسلمانوں کو للکارتے ہوئے بلند آواز سے کہا: «مَنْ يُبَارِزُنِي أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ؟» ''اے مسلمانو! تم میں سے کون مجھ سے مقابلہ کرے گا؟''

تمام مسلمان اس کی للکار سن کر خاموش تھے۔ عمرو بن عبدود نے دوبارہ للکارتے ہوئے کہا: ہے کوئی جو اس مجمع کے سامنے میرا مقابلہ کر سکے؟

مسلمان اس للکار کو سن کر بھی خاموش ہو رہے اور کوئی اس کے مقابلے کے لیے نہیں نکلا۔ لیکن حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اللہ کے اس دشمن کی للکار کو اسلام کی شان میں بہت بڑی گستاخی سمجھا اور بول اٹھے: میں اس کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوں اے اللہ کے رسول!

حضرت علی رضی اللہ عنہ مقابلہ آرائی سے پیچھے نہیں رہتے تھے بلکہ وہ اسلام کی سر بلندی کے لیے ہمہ وقت اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کو تیار رہتے تھے۔

أَرْوَاحُنَا يَا رَبِّ فَوْقَ أَكُفِّنَا   نَرْجُو ثَوَابَكَ مَغْنَمًا وَجِوَارًا

''اے پروردگار! ہماری جانیں ہر وقت ہماری ہتھیلیوں پر ہی رہتی ہیں (اور ہم ہر وقت انھیں تیرے دین کی سربلندی کی خاطر قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں،) ہم غنیمت اور قربت کے طور پر تیرے ثواب کی امید رکھتے ہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جواب سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«إِنَّهُ عَمْرُو بْنُ عَبْدِ وُدٍّ»

''یہ عمرو بن عبد ود ہے (کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ بہت بڑا بہادر ہے)''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

«وَلَوْكَانَ عَمْرُو بْنُ عَبْدِ وُدٍّ»

''اگرچہ عمرو بن عبد ود ہے (مجھے اس کی طاقت و جوانمردی کی کوئی پروا نہیں ہے۔)''

چنانچہ اس کے مقابلے کے لیے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ میدانِ کارزار میں کود پڑے۔ دونوں جنگجو آمنے سامنے ہوئے اور دونوں طرف سے تابڑ توڑ تلواریں چلنے لگیں۔ تلواریں ٹکرا رہی تھیں اور ان کی چمک سے آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔ ان کے اردگرد کی فضا گرد آلود ہو چکی تھی۔ ادھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کامیابی کے لیے دعائیں مانگ رہے تھے۔ اتنے میں گردوغبار ختم ہوا اور لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ عمرو بن عبد ود کے سینے پر بیٹھے ہوئے ہیں، اس کا سرتن سے جدا کر دیا ہے اور ان کی تلوار سے خون ٹپک رہا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھتے ہی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور آپ کے ساتھ دیگر مسلمانوں نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ (1)

(1) یہ قصہ سیرت کی متعدد کتابوں میں وارد ہے۔ مثلاً حافظ ابن کثیر کی تاریخ ''البداية والنهاية'' غزوة الخندق کے بیان میں۔ سیرت ابن هشام وغیرہ

(((شاہ اسکندریہ کا پیغام مسلمانوں کے نام)))

اسلامی لشکر جب اسکندریہ میں خیمہ زن ہوا تو شاہِ اسکندریہ نے لشکرِ اسلامی کے سپہ سالار عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے تبادلہ خیال کے بعد اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''تمہارے پیغمبر کا کہنا بالکل سچ ہے، تمہارے پیغمبر ہی کی طرح ہم لوگوں میں بھی پیغمبروں کی بعثت ہوتی رہی۔ ہم ان کی تعلیمات پر برابر گامزن رہے لیکن آگے چل کر ہمارے درمیان ایسے ایسے بادشاہوں کا ظہور ہوا جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو فرسودہ قرار دے کر نفسانی خواہشات کو بروئے کار لانا اپنا شیوہ اور مقصدِ زندگی بنا لیا۔ نتیجتاً ہم ثریا کی بلندی سے ذلت و رسوائی کے عمیق گڑھے میں جا گرے اور دوسری قومیں ہم پر چڑھ دوڑیں، لہٰذا اگر تم لوگ اپنے پیغمبر (محمد ﷺ) کی روشن تعلیمات کو گلے سے لگائے رکھو گے تو تم سے جنگ مول لینے والا ہر کوئی شکست و ذلت سے دوچار ہوگا اور تم ہمہ وقت فتح و کامرانی کے پرچم لہراتے رہو گے اور جو کوئی بھی تم سے ٹکرانے کی کوشش کرے گا اس کا تاج تمہارے جوتوں کی ٹھوکروں میں ہوگا۔ لیکن اگر تم بھی اپنے پیغمبر کی تعلیمات کو فراموش کر کے بے عمل ہو جاؤ گے اور ہماری ہی طرح اپنی خواہشات کے پجاری بن جاؤ گے تو پھر ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی رکاوٹ نہ رہے گی، اور اس وقت تم مسلمان لوگ ہم سے نہ تو تعداد میں زیادہ ہو گے اور نہ ہی قوت و سطوت میں۔''

مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ گفتگو سن کر کہا:

«فَمَا كَلَّمْتُ رَجُلاً أَذْكَرَ مِنْهُ ـ أَوْ : أَدْهَى مِنْهُ ـ» .(1)

''اس سے زیادہ معاملہ فہم اور ہوشیار آدمی سے بات کرنے کا مجھے کبھی اتفاق نہیں ہوا۔''

(1) حیاۃ الصحابۃ: 694/3۔

دعوت و تبلیغ ہر مسلمان پر واجب ہے

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»

''میری بات (لوگوں تک) پہنچاؤ، خواہ ایک ہی بات کیوں نہ ہو۔ اور بنی اسرائیل کی روایات بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور جو کوئی مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔ (1)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«نَضَّرَ اللهُ امْرَءًا سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا فَحَفِظَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيهٍ»

''اللہ تعالیٰ اس آدمی کو شاداب رکھے جس نے میری کوئی حدیث سنی، پھر اسے یاد رکھا اور دوسروں تک پہنچایا۔ بہت سے علم والے ایسے ہوتے ہیں جو اپنے سے زیادہ سمجھ دار لوگوں تک علم پہنچاتے ہیں۔ اور بہت سے حاملین علم ایسے ہیں جنہیں مسائل پر دسترس نہیں ہوتی۔'' (2)

---

(1) صحیح البخاری، احادیث الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، حدیث: 3461

(2) سنن ابی داود، العلم، باب فضل نشر العلم، حدیث: 3660

و جامع الترمذی، العلم، باب ما جاء فی الحث علی تبلیغ السماع، حدیث: 2656

(((ہم اس تقسیم پر راضی ہیں!)))

جنگِ حنین ختم ہو چکی ہے۔ وہ دشمنانِ اسلام لشکرِ اسلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے بے بس قیدی بن چکے ہیں جنھوں نے محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی قسمیں کھا رکھی تھیں۔ ان کا سارا غرور ٹوٹ چکا ہے۔ ان کی ساری طاقت مسلم مجاہدین کی پنجہ آزمائی اور ان کی شجاعت و بسالت کے سامنے دم توڑ چکی ہے۔ مجاہدینِ اسلام کی تلواروں کی جھنکار تو بدر و اُحد کے بعد پورے عرب میں گونج رہی تھی اور اس کا تذکرہ چہار سو ہو رہا تھا مگر اب دنیائے کفر میں آخری زلزلہ کو مشرکین عرب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ میدانِ حنین میں جدھر بھی نگاہ جاتی دشمن کی پسپائی کے آثار نظر آتے۔

میدانِ حنین میں اموالِ غنیمت کا انبار لگا ہوا ہے۔ بہت سا سونا چاندی اور اونٹ گھوڑے مسلمانوں کو غنیمت کے طور پر حاصل ہوئے ہیں۔ مجاہدین بہت خوش ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کو شکست فاش سے دو چار کر کے مسلمانوں کو سرخروئی عطا کی ہے۔ اب رسول اکرم ﷺ قیدیوں سے حاصل شدہ مالِ غنیمت کی تقسیم کے لیے جلوہ افروز ہیں۔ جو حاضرِ خدمت ہو رہا ہے منہ مانگی دولت لے کر واپس جا رہا ہے۔ وہ دیکھو سو اونٹ لے کر گیا!! یہ دیکھو ایک بڑی جاگیر کا مالک بن گیا!! مگر ان لوگوں میں ایک ایسا بھی گروہ ہے جو مالِ غنیمت کو تقسیم ہوتے دیکھ رہا ہے مگر اسے کچھ نہیں مل پا رہا ہے۔ حتی کہ مالِ غنیمت کا آخری ڈھیر بھی ختم ہو چکا اور وہ محروم ہی رہا!! یہ گروہ تھا انصارِ مدینہ کا جنھوں نے دامے درمے قدمے سخنے ہر طرح سے اسلام اور پیغمبر اسلام کا تعاون کیا تھا!!

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے اموال قریش اور عرب کے دیگر قبائل میں بانٹ دیے۔ انصارِ مدینہ کو اس میں سے کچھ بھی حصہ نہیں ملا۔ اس بات سے انصار کو خاصی تکلیف ہوئی۔ چنانچہ ان میں اس موضوع پر چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں اور کہنے لگے: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نظر انداز کر کے اپنی قوم میں یہ اموالِ غنیمت تقسیم کر دیے؛ جبکہ ہم اس کے زیادہ مستحق تھے۔ لگتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرانی حمیت جاگ اٹھی اور آپ کا رجحان اپنی قوم کی طرف ہوگیا۔ نیز انھوں نے کہا:

"يُعْطِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاسًا تَقْطُرُ سُيُوفُنَا مِنْ دِمَائِهِمْ أَوْ سُيُوفُهُمْ مِنْ دِمَائِنَا"۔

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ اموال انھیں دے رہے ہیں جن کا خون ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے، یا جن کی تلواریں ہمارے خون سے رنگین ہیں!!''۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ انصار کی طرف سے یہ شکایت نامہ لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ هَذَا الْحَيَّ مِنَ الْأَنْصَارِ قَدْ وَجَدُوا عَلَيْكَ فِي أَنْفُسِهِمْ لِمَا صَنَعْتَ فِي هَذَا الْفَيْءِ الَّذِي أَصَبْتَ، قَسَمْتَ فِي قَوْمِكَ وَأَعْطَيْتَ عَطَايَا عِظَامًا فِي قَبَائِلِ الْعَرَبِ، وَلَمْ يَكُنْ فِي هَذَا الْحَيِّ مِنَ الْأَنْصَارِ شَيْءٌ"۔

''اے اللہ کے رسول! آپ نے حاصل شدہ مالِ فئے میں جو تصرف فرمایا ہے کہ اپنی قوم میں تقسیم کر دیا اور عرب کے قبائل کو بڑے بڑے عطیات سے نواز دیا؛ جبکہ انصار کی اس جماعت کو اس میں سے کچھ نہیں ملا، اس بات پہ لوگ آپ پر من ہی من

میں پیچ وتاب کھا رہے ہیں"۔

رسول اکرم ﷺ نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا شکوہ سن کر فرمایا:

"فَأَيْنَ أَنْتَ مِنْ ذَلِكَ يَاسَعْدُ؟"

"سعد! پھر تمھارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا أَنَا إِلاَّ مِنْ قَوْمِي"۔

"اے اللہ کے رسول! میں بھی اپنی قوم ہی کا ایک فرد ہوں (اس لیے فطری طور پر مجھے بھی وہی شکوہ ہے جو میری قوم کو ہے!)"۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"فَاجْمَعْ لِي قَوْمَكَ فِي الْحَظِيرَةِ"۔

"اچھا، اپنی قوم کو اس چھولداری (راوٹی) میں اکٹھا کرو"۔

چنانچہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کے حکم کی تعمیل کی اور اپنی قوم کو راوٹی میں اکٹھا ہونے کا اعلان کیا۔ اعلان سن کر مہاجرین وانصار وہاں آ پہنچے۔ مگر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے مہاجرین کو چھولداری میں داخل ہونے سے منع کر دیا اور صرف انصاریوں ہی اندر جانے کی اجازت دی گئی۔ جب انصارِ مدینہ اکٹھا ہو چکے تو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! انصار راوٹی میں جمع ہو چکے ہیں، آپ تشریف لے چلیں۔ رسول اکرم ﷺ چھولداری میں تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد مجمع سے مخاطب ہوئے:

"يَا مَعْشَرَ الأَنْصَارِ! مَا قَالَةٌ بَلَغَتْنِي عَنْكُمْ وَمَوْجِدَةٌ

وَجَدْتُمُوهَا فِي أَنْفُسِكُمْ ، أَلَمْ آتِكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ بِي؟ وَعَالَةً فَأَغْنَاكُمُ اللّٰهُ بِي؟ وَأَعْدَاءً فَأَلَّفَ اللّٰهُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ؟"۔

''انصار کے لوگو! یہ کیسی چہ میگوئی تمھاری طرف سے مجھے پہنچی ہے اور یہ کیسی ناراضگی ہے جو اپنے دلوں میں محسوس کرنے لگ گئے ہو، کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ میں تمھارے پاس اس حالت میں آیا کہ تم راہِ راست سے بھٹکے ہوئے تھے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں (میرے ذریعے) رشد وہدایت سے نوازا؟ کیا یہ درست نہیں ہے کہ تم محتاج تھے مگر اللہ تعالیٰ نے تمھیں غنی کر دیا؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ تم ایکدوسرے کے دشمن تھے مگر اللہ تعالیٰ نے (میری برکت سے) تمھارے دلوں کو جوڑ دیا؟''۔

انصار نے رسول اکرم ﷺ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ان پر خاموشی طاری تھی۔ سب سر جھکائے ہوئے تھے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے انھوں نے رسول اکرم ﷺ کے متعلق مالِ غنیمت کے حوالے سے یہ لب کشائی کر کے بہت بھاری غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ شرم وحیا کے آثار ان کے چہروں سے ہویدا تھے۔ ان کی زبانیں بالکل ہی گنگ تھیں۔ کوئی لفظ ان کی زبان سے نہیں نکلا صرف اتنا ہی کہہ سکے:

"بَلَى ، لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ الْمَنُّ وَالْفَضْلُ"۔

''کیوں نہیں، ہمیں اللہ اور اس کے رسول کے فضل واحسان کا اعتراف ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے پھر ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"أَلَا تُجِيبُونِي يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ؟"

''جماعتِ انصار! تم میری بات کا جواب نہیں دو گے؟''۔

عرض کیا: بھلا ہم آپ کا کیا جواب دیں اے اللہ کے رسول! ہمیں یقین ہے کہ

ہمارے اوپر جو کچھ بھی فضل وکرم اور نوازشات واحسانات کی بارش ہوئی ہے وہ سب اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کے باعث ہے اور بس!!

جب ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تو رسول اکرم ﷺ پھر ان کی طرف مخاطب ہوئے اور ارشاد فرمایا:

"أَمَا وَاللّٰهِ! لَوْ شِئْتُمْ لَقُلْتُمْ فَصَدَقْتُمْ وَلَصُدِّقْتُمْ، أَتَيْتَنَا مُكَذَّبًا فَصَدَّقْنَاكَ، وَمَخْذُولاً فَنَصَرْنَاكَ، وَطَرِيدًا فَآوَيْنَاكَ، وَعَائِلاً فَآسَيْنَاكَ"۔

''ہاں اللہ کی قسم! اگر تم چاہو تو یہ کہہ سکتے ہو اور تمھارا کہنا بجا بھی ہوگا اور تمھاری بات سچ ہی مانی جائے گی کہ'' آپ ہمارے پاس جھٹلائے ہوئے آئے تو ہم نے آپ کی تصدیق کی، آپ ہمارے پاس بے یار و مددگار آئے تو ہم نے آپ کی حمایت و مدد کی، آپ ہمارے پاس گھر سے نکالے ہوئے آئے تو ہم نے آپ کو پناہ دی، آپ مفلس محتاج آئے تو ہم نے آپ کی غمخواری وغمگساری کی''۔

"وَجَدْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ يَا مَعْشَرَ الأَنْصَارِ فِي لُعَاعَةٍ مِنَ الدُّنْيَا، تَأَلَّفْتُ بِهَا قَوْمًا لِيُسْلِمُوا، وَوَكَلْتُكُمْ إِلَى إِسْلاَمِكُمْ"۔

''جماعتِ انصار! تم دنیا کی اس عارضی اور معمولی سی چیز کیلیے دل ہی دل میں ناراض ہو گئے جسے میں نے کچھ لوگوں کو تالیفِ قلب کے لیے دیا ہے تاکہ ان کے دلوں میں اسلام راسخ ہو جائے، اور تمھیں تمھارے اسلام کے حوالے کر دیا ہے (کہ تم تو سچے پکے مسلمان ہو، تمھیں تالیف قلب کی کوئی ضرورت نہیں)''۔

"أَفَلاَ تَرْضَوْنَ يَا مَعْشَرَ الأَنْصَارِ أَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاءِ

وَالبَعِيرِ وَتَرْجِعُوا بِرَسُولِ اللّٰهِ إِلَى رِحَالِكُمْ؟"۔

''جماعتِ انصار! کیا تمھیں اس بات سے خوشی نہ ہوگی کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں اور تم رسول اللہ کو لے کر اپنے گھروں کو جاؤ؟''۔

"وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَوْلاَ الهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَءً مِنَ الأَنْصَارِ، وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ شِعْبًا وَسَلَكَتِ الأَنْصَارُ شِعْبًا لَسَلَكْتُ شِعْبَ الأَنْصَارِ، اللّٰهُمَّ ارْحَمِ الأَنْصَارَ وَأَبْنَاءَ الأَنْصَارِ وَأَبْنَاءَ أَبْنَاءِ الأَنْصَارِ"۔

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا، اگر سارے لوگ ایک گھاٹی میں چلیں اور انصار ایک دوسری گھاٹی میں، تو میں انصار ہی کی گھاٹی میں ان کے ساتھ چلوں گا۔ اے اللہ! انصار پر، انصار کی اولاد پر اور انصار کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما''۔

رسول اکرم ﷺ نے جب اپنی تقریر ختم کی تو انصارِ صحابہ کی حالت دیکھنے والی تھے۔ سارے کے سارے خاموش تھے۔ ان کی آواز بالکل ہی بند تھی۔ ہاں جدھر بھی کان کی سماعت جاتی اُدھر سے ایک ہی قسم کی آواز سنائی دیتی۔ اِس جانب دیکھو! سسکیاں ہی سسکیاں!! اُس طرف دیکھو! ہچکیاں ہی ہچکیاں!! کسی کا سر اوپر نہیں ہے۔ سبھوں کا سر جھکا ہوا ہے۔ آنسوؤں کا دریا بہہ رہا ہے۔ ان کی خوبصورت داڑھیوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں جیسے موسمِ سرما میں درخت کے پتوں سے صبح صبح شبنم کی لڑیاں گرتی ہیں!! تاریخ طبری میں لکھا ہوا ہے:

"فَبَكَى الْقَوْمُ حَتَّى اخْضَلَتْ لِحَاهُمْ"۔

''انصار اتنا روئے کہ ان کے (اشکوں کی کثرت سے) ان کی داڑھیاں تر ہو

گئیں''۔

جب کچھ افاقہ ہوا تو بیک زبان ان کی طرف سے ایک ہی جملہ نکلا جو تاریخِ اسلامی میں سنہرے حروف سے لکھا ہوا ہے:

"رَضِينَا بِرَسُولِ اللّٰهِ قِسْمًا وَحَظًّا"۔

''ہم رسول اللہ ﷺ کی تقسیم اور اپنی خوش نصیبی پر تہِ دل سے راضی اور مطمئن ہیں'' (1)۔

(1) دیکھئے: تاریخ الطبری 165/2، صحیح مسلم 738/2، صحیح ابن حبان: 88/11، مصنف ابن أبی شیبة: 418/7، مصنف عبد الرزاق: 64/11، المعجم الكبير للطبرانی 196/12، مسند عبد بن حمید: 286/1، البداية والنهاية لابن كثير 358/4 مکتبة المعارف، بیروت.

((عالمِ ربانی کی شان!))

مقاتل بن صالح خراسانی کا بیان ہے کہ میں حماد بن سلمہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے گھر میں دنیاوی آسائش کا کوئی ساز وسامان نہیں ہے۔ صرف ایک چٹائی رکھی ہوئی تھی جس پر وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں قرآن مجید تھا جس کی تلاوت فرما رہے تھے۔ ایک تھیلا رکھا ہوا تھا جس میں چند کتابیں تھیں۔ ایک پیالہ رکھا ہوا تھا جسے وہ وضو وغیرہ کے کام میں لاتے تھے۔

میں ان کی خدمت میں بیٹھا ہی ہوا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ حماد بن سلمہ نے گھر میں موجود بچی سے کہا:

"يَا صَبِيَّةُ! اخْرُجِي فَانْظُرِي مَنْ هَذَا؟"۔

''بچی! ذرا جا کر دیکھنا دروازے پر کون ہے؟''۔

بچی نے آکر بتایا کہ محمد بن سلیمان بن عبدالملک کا پیغامبر ہے۔

حماد بن سلمہ نے کہا: اسے آنے کی اجازت دو اور کہہ دینا کہ وہ تنہا آئے اس کے ساتھ کوئی دوسرا نہ آئے۔

پیغامبر نے داخل ہوتے ہی محمد بن سلیمان کا ایک خط حماد بن سلمہ کے حوالے کیا۔ خط کا مضمون کچھ اس طرح تھا:

''محمد بن سلیمان کی طرف سے حماد بن سلمہ کے نام!...... اَمابعد!...... اللہ تعالیٰ آپ کو بخیر وعافیت رکھے جیسے اپنے نیک بندوں کو رکھتا ہے...... بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے درمیان ایک مسئلہ چھڑ چکا ہے جس کے بارے میں آپ سے فتویٰ درکار

ہے......والسلام‘‘۔

خط کا مضمون پڑھ کر بچی کو دوات لانے کا حکم دیا اور مقاتل بن صالح خراسانی سے کہا: خط کی پشت ہی پر اس کا جواب لکھو:

’’أما بعد! اللہ تعالیٰ آپ کو بھی بخیر و عافیت رکھے جیسے اپنے نیک بندوں کو رکھتا ہے‘‘۔

"إِنَّا أَدْرَكْنَا الْعُلَمَاءَ وَهُمْ لَا يَأْتُونَ أَحَدًا، فَإِنْ كَانَتْ وَقَعَتْ مَسْأَلَةٌ فَأْتِنَا وَسَلْنَا عَلَى مَا بَدَا لَكَ، فَإِنْ أَتَيْتَنِي فَلَا تَأْتِنِي إِلَّا وَحْدَكَ، وَلَا تَأْتِنِي بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ، فَلَا أَنْصَحُكَ وَلَا أَنْصَحُ نَفْسِي وَالسَّلَامُ".

’’ہم نے علماء کو دیکھا ہے کہ وہ کسی کے پاس نہیں جایا کرتے تھے (بلکہ مسئلہ پوچھنے والا خود ہی ان کے پاس حاضر ہوا کرتا تھا)۔ چنانچہ آپ کو اگر کوئی مسئلہ درپیش ہے تو ہمارے پاس آنے کی زحمت کریں اور جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لیں۔ یہ واضح رہے کہ آنا ہو تو اکیلے آئیں، اپنا لاؤ لشکر لے کر میرے پاس مت آئیں، ورنہ میں نہ تو آپ کو کچھ نصیحت کر سکوں گا اور نہ ہی خود کو اس کے لیے تیار کر پاؤں گا۔ والسلام‘‘۔

راوی کا بیان ہے: میں ابھی بیٹھا ہی ہوا تھا کہ کچھ دیر بعد دوبارہ دروازے پر دستک ہوئی۔ حماد بن سلمہ نے بچی کو دیکھنے کے لیے بھیجا۔ بچی نے آ کر بتایا کہ اس مرتبہ محمد بن سلیمان خود ہی چل کر آپ کی خدمت میں پہنچا ہے۔ آپ نے دروازہ کھولنے کی اجازت دی۔ محمد بن سلیمان نے داخل ہوتے ہی حماد بن سلمہ کو سلام کیا

اور آپ کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہنے لگا:

"مَا لِی إِذَا نَظَرْتُ إِلَيْكَ امْتَلأتُ رُعْبًا؟!"۔

''کیا بات ہے، جب میں آپ کی طرف دیکھتا ہوں تو میرے اوپر آپ کا رعب ودبدبہ طاری ہو جاتا ہے؟!''۔

حماد بن سلمہ نے اس کے جواب میں فرمایا: میں نے ثابت بنانی سے انس بن مالک کی یہ حدیث سنی ہے جس میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"إِنَّ الْعَالِمَ إِذَا أَرَادَ بِعِلْمِهِ وَجْهَ اللّٰهِ هَابَهُ كُلُّ شَيْءٍ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَكْنِزَ بِهِ الْكُنُوزَ هَابَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ"۔

''ایک عالم جب اپنے علم سے اللہ کی خوشنودی چاہتا ہے تو اس سے ہر چیز خوف کھاتی ہے، مگر اس کے برعکس جب وہ اپنے علم کو مال و دولت جمع کرنے کا ذریعہ بناتا ہے تو اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر کس و ناکس سے خوف زدہ رہتا ہے'' (1)۔

محمد بن سلیمان نے پوچھا: آپ کا مسئلہ ہذا میں کیا فتویٰ ہے کہ ایک آدمی کے پاس دو بیٹے ہیں، ایک بیٹا اسے زیادہ محبوب ہے؛ چنانچہ وہ اپنے مال کا دو تہائی حصہ اس کے نام کر دینا چاہتا ہے؟

حماد بن سلمہ نے کہا: اللہ اس پر رحم کرے۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ میں نے انس رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم ﷺ کی یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے:

"إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يُعَذِّبَ عَبْدَهُ بِمَالِهِ، وَفَّقَهُ إِلَى وَصِيَّةٍ جَائِرَةٍ"۔

''جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے مال کو اس کے لیے ذریعہ عذاب بنانا چاہتا

ہے اس کو ظلم پر مبنی وصیت کی توفیق دے دیتا ہے''۔

مورخین نے لکھا ہے کہ اس کے بعد محمد بن سلیمان نے حماد بن سلمہ کو چالیس (40) ہزار درہم کے عطیہ کی پیشکش کی مگر انھوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا (2)۔

---

(1) دیکھئے: ضعیف الجامع (3836)۔

(2) دیکھئے کتاب: الإسلام بین العلماء والحکماء (11)۔ یہ واقعہ ابن جوزی نے "المنتظم فی تاریخ الأمم والملوک" (296/8) میں اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق 98/76 میں لکھا ہے۔ نیز اس کا کچھ حصہ فیض القدیر (371/4) میں بھی مذکور ہے۔

ادائیگیٔ قرض کی فکرمندی

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک آدمی کے متعلق بتایا کہ اس نے بنی اسرائیل ہی کے کسی آدمی سے ایک ہزار دینار بطور قرض مانگے۔ اس نے کہا:

«ائْتِنِي بِالشُّهَدَاءِ أُشْهِدُهُمْ»

''دو تین آدمی لے کر آؤ جنہیں گواہ رکھ کر تجھے قرض دوں۔''

قرض طلب کرنے والے نے کہا:

«كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا»

''اللہ تعالیٰ بطور گواہ کافی ہے۔''

دوسرے آدمی نے (جس سے قرض طلب کیا جا رہا تھا) کہا:

کسی ذمہ دار کی ضمانت ہی دے دو۔

قرض طلب کرنے والے نے کہا:

«كَفٰى بِاللّٰهِ كَفِيلاً»

''اللہ تعالیٰ ہی کی ضمانت کافی ہے۔''

دوسرے نے کہا: تم نے سچ کہا۔

پھر اس نے قرض طلب کرنے والے آدمی کو ایک معینہ مُدّت تک کے لیے قرض دے دیا۔

مقروض نے سمندری سفر طے کیا اور اپنی ضرورت پوری کر لی۔ پھر واپسی کے لیے اس نے کسی کشتی کی تلاش کی تاکہ وہ مقررہ مدت پر پہنچ کر اپنے قرض کی ادائیگی

کر سکے مگر اسے کوئی کشتی نہیں مل سکی، چنانچہ اس نے ایک لکڑی لی اور اسے پھاڑ کر اس کے اندر ایک ہزار دینار رکھ دیے اور اپنی طرف سے قرض خواہ کے نام ایک خط بھی رکھ دیا، پھر لکڑی کا شگاف بند کر کے ٹھیک کر دیا اور سمندر کے پاس کھڑا ہو کر گویا ہوا:

اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار بطور قرض لیے تھے۔ اس نے مجھ سے کسی ذمہ دار کی کفالت کا سوال کیا تو میں نے کہا کہ اللہ کی کفالت کافی ہے، چنانچہ وہ تجھ پر راضی ہو گیا۔ میں نے بڑی کوشش کی کہ کوئی کشتی مل جائے تاکہ میں قرض خواہ کی امانت اسے بھیج دوں مگر مجھے کوئی کشتی نہ مل سکی، اب میں اس کو تیری امانت میں دیتا ہوں (تو اسے اس کے صاحب تک پہنچا دے)۔

یہ کہہ کر مقروض نے وہ لکڑی سمندر میں ڈال دی اور واپس ہو گیا۔ اس کے بعد بھی وہ کسی کشتی کی تلاش میں رہا تاکہ اپنے شہر کو روانہ ہو سکے۔

قرض کی معین مدت کے بعد قرض خواہ سمندر کی طرف دیکھنے کے لیے نکلا کہ شاید کوئی کشتی آئے جس میں اس کا مال بھی ہو۔ یکایک اس کی نگاہ مقروض کی بھیجی ہوئی لکڑی پر پڑی جس کے اندر مال رکھا ہوا تھا۔ اس نے وہ لکڑی اٹھا لی تاکہ گھر جلانے کے کام آ سکے۔ گھر لے جا کر جب اس نے لکڑی کو پھاڑا تو اس کے اندر ایک ہزار دینار اور ایک خط تھا۔

کچھ دنوں کے بعد وہ مقروض بھی قرض خواہ کے پاس ایک ہزار دینار لے کر حاضر ہو گیا۔ مقروض نے قرض خواہ سے کہا:

اللہ کی قسم! میں مسلسل کسی کشتی کی تلاش میں تھا تاکہ تمھارا مال لا کر تمھیں واپس کر دوں مگر مجھے بروقت کوئی کشتی نہیں مل سکی (اس لیے میں وقت مقررہ پر حاضر نہیں ہو سکا)۔

قرض خواہ نے پوچھا: کیا تم نے کوئی چیز میرے پاس بھیجی تھی؟

مقروض نے کہا: میں تجھے بتا رہا ہوں کہ مجھے اس سے پہلے کوئی کشتی نہیں مل سکی تھی۔

قرض خواہ نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے لکڑی کے اندر تمھاری بھیجی ہوئی امانت مجھ تک پہنچا دی ہے، یہ اپنے ہزار دینار لے کر صحیح سلامت بخوشی واپس جاؤ۔ [1]

(1) صحیح البخاری، الکفالة، باب الکفالة فی القرض، حدیث: 2291

((تجھ سے کافر تو محفوظ ہیں مگر......!!))

جعفر صادق رحمہ اللہ[1] کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور اس نے ان کی مجلس میں ایک مسلمان کو برا بھلا کہا۔

جعفر صادق رحمہ اللہ نے اس سے کہا:

«أَيُّهَا الرَّجُلُ! هَلْ قَاتَلْتَ الرُّومَ؟»

''اے شخص! کیا تو نے رومیوں سے قتال کیا ہے؟''

اس نے کہا: نہیں۔

جعفر صادق رحمہ اللہ نے کہا:

«هَلْ قَاتَلْتَ أَهْلَ كِسْرَى؟»

''ایرانیوں سے قتال کیا ہے؟''

اس نے کہا: نہیں۔

جعفر صادق رحمہ اللہ نے پوچھا:

«هَلْ جَاهَدْتَ الْكُفَّارَ؟»

''کیا تو نے کافروں سے جہاد کیا ہے؟''

اس نے جواب دیا: نہیں۔

جعفر صادق رحمہ اللہ نے فرمایا:

«سُبْحَانَ اللّٰه! يَسْلَمُ مِنْكَ الرُّومُ، وَفَارِسُ وَالْيَهُودُ وَالنَّصَارٰى، وَلَا يَسْلَمُ مِنْكَ الْمُسْلِمُونَ»

''سبحان اللہ! (یہ کس قدر افسوسناک بات ہے کہ) تجھ سے روم و فارس اور

یہود ونصاریٰ تو محفوظ ہیں مگر مسلمان تجھ سے محفوظ نہیں!!''

(1) ان کا نام جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علی بن ابی طالب ﷭ ہے۔ شیعہ امامیہ اور اسماعیلیہ ان کو اپنا چھٹا امام بتاتے ہیں۔ وہ جلیل القدر تبع تابعین میں شمار ہوتے تھے۔ وہ چودہ سال اپنے دادا زین العابدین اور چونتیس سال اپنے والد محمد الباقر اور ستائیس سال اپنے نانا حضرت قاسم کے سایۂ تربیت میں رہے۔ تمام بلاد اسلامیہ کے علماء وفضلا کسب علم وفیض کے لیے ان کے ہاں آتے تھے۔ وہ صبر وشکر، تسلیم ورضا، زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت کا نمونہ تھے۔ راست بازی اور حق گوئی کی وجہ سے انھیں صادق کہا جاتا تھا۔ ان سے بکثرت روایات مروی ہیں۔ اخذ علم میں وہ کسی طرح کا تعصب روا نہ رکھتے تھے۔ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ انھوں نے مدینہ منورہ میں گزارا۔ ان کی وفات مدینہ منورہ میں 148ھ میں ہوئی اور انھیں قبرستان بقیع میں دفن کیا گیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:7)

(((رسول اکرم ﷺ کی نیند میں خلل نہ پڑ جائے)))

رسول اکرم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے جذبۂ شوق سے آپ کی زیارت کے لیے صف بندی کر لی۔ ہر شخص کی خواہش یہی تھی کہ رسول اکرم ﷺ کا قیام اسی کے گھر ہو۔ جب رسول اکرم ﷺ کی اونٹنی آگے کی جانب بڑھنے لگی تو ہر قبیلہ آپ کی اونٹنی کی زمام پکڑ لیتا تاکہ آپ ﷺ اس کے گھر مہمان بنیں۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا:

«دَعُوهَا فَإِنَّهَا مَأْمُورَةٌ»

''اونٹنی کو اپنی حالت پر چھوڑ دو کیونکہ وہ مامور ہے (کہ اسے کہاں بیٹھنا ہے)۔''

اونٹنی چلتی رہی اور لوگ صف بندی کر کے رسول اکرم ﷺ کا دیدار کرتے رہے۔ پھر یکایک اونٹنی موجودہ مسجد نبوی شریف کے پاس بیٹھ گئی۔ مگر رسول اکرم ﷺ نیچے نہیں اترے۔ اونٹنی پھر اٹھی اور آگے بڑھی لیکن دوبارہ پہلی ہی جگہ آ کر بیٹھ گئی۔ اس بار رسول اکرم ﷺ اونٹنی پر سے نیچے اتر گئے۔ آپ ﷺ کا اونٹنی سے نیچے اترنا تھا کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ (1) جلدی سے اونٹنی کے پاس آئے اور اس پر سے رسول اکرم ﷺ کا سارا سامان اور کپڑے اتار لے گئے اور کجاوہ وغیرہ سب کھول لیا۔

جب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کا سارا سامان اپنے قبضے میں رکھ لیا تو قبیلہ بنو نجار کے لوگ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور درخواست کی:

ہمارے مہمان بنیں اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا، الرَّجُلُ مَعَ رَحْلِهِ»

''نہیں، آدمی وہیں ٹھہرتا ہے جہاں اس کا ساز و سامان ہو۔''

پھر نبی کریم ﷺ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

اے اللہ کے رسول! یہ میرا دومنزلہ غریب خانہ ہے۔ آپ اوپر کی منزل میں قیام کریں اور میں نیچے کی منزل میں رہتا ہوں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أُرِيدُ أَنْ أَكُونَ قَرِيبًا مِنَ النَّاسِ قَرِيبًا مِنَ الْمَسْجِدِ فَأُرِيدُ هٰذَا»

''میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کے اور مسجد کے قریب رہوں، اس لیے میں اسی (نچلی منزل) میں رہنا چاہتا ہوں۔''

چنانچہ حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کو نچلی منزل میں قیام کرایا اور خود اہلیہ کو لے کر اوپری منزل میں چلے گئے۔ جب نیند کا وقت آیا تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بستر پر کروٹیں لینے لگے جیسے تپتی ہوئی زمین پر انھیں سلا دیا گیا ہو۔ انھیں سوتے نہ دیکھ کر ان کی اہلیہ نے پوچھا:

«مَا لَكَ يَا أَبَا أَيُّوبَ! لَا تَنَامُ؟»

''اے ابوایوب! آخر آپ کو ہو کیا گیا ہے کہ آپ سوتے نہیں؟''

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

«وَاللّٰهِ! مَا أَتَانِي النَّوْمُ، كَيْفَ أَنَامُ فِي الْعُلِّيَّةِ وَ الرَّسُولُ ﷺ يَنَامُ أَسْفَلَ مِنِّي؟»

''اللہ کی قسم! مجھے نیند نہیں آ رہی ہے۔ آخر مجھے نیند کیسے آئے جبکہ میں اوپر والی منزل میں سو رہا ہوں اور اللہ کے رسول ﷺ مجھ سے نچلی منزل میں سو رہے ہیں؟!''

صبح ہوئی تو حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے دوبارہ درخواست

کی کہ آپ اوپر والی منزل میں تشریف رکھیں لیکن آپ ﷺ نے انکار کر دیا۔

اس دوران میں جب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کھانا پیش کیا جاتا تو وہ کھانے سے ہاتھ روک رکھتے اور ان کی بیوی بھی کھانے سے رک جاتی۔ پھر دونوں کہتے:

«وَاللهِ! لاَ نَأْكُلُ حَتَّى يَأْكُلَ الرَّسُولُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلاَمُ»

''اللہ کی قسم! ہم اس وقت تک نہیں کھائیں گے جب تک کہ رسول اکرم ﷺ کھانا تناول نہ فرمالیں۔''

پھر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ پیالہ اور رکابی لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے، آپ کے سامنے ثرید پیش کرتے، آپ کے لیے گوشت بھونتے اور آپ ﷺ کی اچھی مہمان نوازی کرتے جس کی تاریخ گواہ ہے۔

ایک دفعہ کی بات ہے کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ رات کو نمازِ تہجد کے لیے اٹھے تو اندھیرے میں ان کا پاؤں پانی کے گھڑے سے ٹکرا گیا اور گھڑا ٹوٹ گیا جس کے سبب پانی زمین پر بہہ پڑا۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ نے جلدی سے اپنی چادر لے کر زمین پر ڈال دی تاکہ چھت تر ہو کر ٹپکنے نہ لگ جائے اور کہیں رسول اکرم ﷺ کی نیند میں خلل نہ پڑے۔ صبح ہوئی تو دربار نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

اے اللہ کے رسول! میں آپ سے اللہ کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ آپ اوپری منزل میں تشریف لے چلیں اور میں نچلی منزل میں رہوں گا۔

چنانچہ رسول اکرم ﷺ دوسری منزل پر چڑھ گئے اور وہیں قیام پذیر رہے۔[2]

(1) ان کا نام خالد بن زید بن کلیب نجاری خزرجی رضی اللہ عنہ ہے۔ بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کے درمیانی وقفے میں انھوں نے اسلام قبول کیا۔ سلسلہ مؤاخات قائم ہوا تو سیدنا معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ آپ کے بھائی بنائے گئے۔ عہد نبوی میں انھوں نے تمام غزوات و مشاہد میں حصہ لیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر وہ نبی ﷺ کے ہمراہ تھے۔ 46ھ میں بحری لڑائیوں میں شرکت کے لیے وہ مصر تشریف لے گئے۔ 49ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ پر حملے کی غرض سے یزید بن معاویہ کی سالاری میں ایک بیڑا تیار کیا۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی اس میں شامل تھے۔ چار سال تک وہ قسطنطنیہ پر حملوں میں شریک رہے، پھر انھیں مرض الموت نے آ لیا اور انھوں نے امیر لشکر کو یہ وصیت کی: ''جب میں مر جاؤں تو میرا جنازہ اٹھا کر اسے دشمن کی سرزمین میں جہاں تک لے جا سکو لے جاؤ اور جب آگے بڑھنے کا امکان نہ رہے تو اسی جگہ مجھے دفن کر دو۔'' چنانچہ 52ھ کی ایک رات آپ غالبًا اسہال کی بیماری سے فوت ہو گئے۔ نماز جنازہ یزید نے پڑھائی اور قسطنطنیہ کی فصیل کے سامنے انھیں دفن کر دیا گیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:1)

(2) یہ قصہ تاریخ و سیر اور حدیث کی متعدد کتابوں سے استفادہ کر کے لکھا گیا ہے۔ مثلاً: فتح الباری (245/7)' سیر اعلام النبلاء (406/2)' المعجم الأوسط للطبرانی (35/4)' البدایۃ والنہایۃ (202/3)' بیہقی وغیرہ۔

(((رسول اکرم ﷺ کے قتل کی سازش ناکام)))

محسن انسانیت ﷺ کے تحمل' بردباری اور حوصلہ کی داستان ختم ہونے والی نہیں۔ اپنے دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک اور بدلہ لینے کی طاقت ہوتے ہوئے معاف کر دینے کی صفات آپ کی سیرت طیبہ کا ایک روشن باب ہیں۔

غزوہ بدر کو گذرے ہوئے تھوڑے ہی دن گذرے ہیں جب مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے سایے تلے حطیم میں دو شخص بیٹھے تاریخ انسانی کا بدترین منصوبہ تیار کر رہے ہیں۔ ایک شخصیت کو دھوکے سے قتل کرنے کا منصوبہ اور شخصیت بھی کوئی اور نہیں بلکہ کائنات کی سب سے اعلیٰ اور معزز ہستی کو اس دنیا سے اوجھل کرنے کا منصوبہ بنایا جا رہا ہے۔

پروگرام یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو معاذ اللہ غافل پا کر قتل کر دیا جائے۔ بدر کے میدان میں جو بڑے بڑے سردار واصل جہنم ہوئے ان میں ایک نام امیہ بن خلف کا بھی تھا یہ وہی شخص ہے جو حضرت بلال کا آقا تھا۔امیہ ان پر اسلام لانے کی وجہ سے جو ظلم و ستم ڈھاتا تھا وہ سیرت کے قاری کے لیے ڈھکے چھپے نہیں۔امیہ کا بیٹا صفوان غصے سے بھرا بیٹھا ہے۔ اس کے سامنے اس کا چچا زاد بھائی عمیر بن وہب بیٹھا ہوا ہے۔اس کا بیٹا وہب بدر کے قیدیوں میں ایک ہے اور ابھی تک مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی قید میں ہے۔ بدر کی ہزیمت اس قدر آسانی سے بھول جانے والی چیز نہیں ہے۔مقتولین کا ذکر کرتے ہوئے صفوان نے کہا:

«وَاللهِ! إِنَّهُ لَيْسَ فِي الْعَيْشِ بَعْدَهُمْ خَيْرٌ»

"اللہ کی قسم! ان بزرگوں کے دنیا چھوڑ جانے کے بعد اب جینے میں کوئی لطف نہیں"۔

عمیر بن وہب نے کہا:

«صَدَقْتَ وَ اللهِ! أَمَا وَ اللهِ! لَوْلاَ دَيْنٌ عَلَيَّ لَيْسَ لَهُ عِنْدِي قَضَاءٌ، وَ عِيَالٌ أَخْشٰى عَلَيْهِمُ الضَّيْعَةَ بَعْدِي، لَرَكِبْتُ إِلٰى مُحَمَّدٍ حَتّٰى أَقْتُلَهُ، فَإِنَّ لِي قِبَلَهُمْ عِلَّةً: ابْنِي أَسِيرٌ فِي أَيْدِيهِمْ»

''اللہ کی قسم تم نے سچ کہا، قسم اللہ کی! اگر میرے اوپر قرض نہ ہوتا جس کی ادائیگی کی میرے پاس طاقت نہیں ہے اور مجھ پر اہل وعیال کی ذمہ داری نہ ہوتی جن کے بارے میں مجھے خدشہ ہے کہ میرے نہ ہونے کی صورت میں (کوئی ان کا پرسان حال نہ ہوگا اور) وہ برباد ہو جائیں گے، تو میں سوار ہو کر محمد کے پاس پہنچتا اور اسے ختم کر دیتا کیونکہ میرے پاس ان (مسلمانوں) تک پہنچنے کا ایک بہانہ بھی ہے، وہ یہ کہ میرا بیٹا ان کی قید میں ہے۔''

تم واقعی یہ کارنامہ انجام دے سکتے ہو۔ صفوان نے بے تاب ہوتے ہوئے کہا۔

ہاں بالکل! کیوں نہیں؟۔ بس میرا قرض اور میرے بچوں کی کفالت۔ عمیر بن وہب نے کہا۔

صفوان: تم اس کی فکر نہ کرو یہ بڑی معمولی بات ہے۔ میں قرض اور کفالت کی مکمل ذمہ داری لیتا ہوں۔ بس تم یہ کام کر دو اور ہاں دیکھو! یہ نہایت راز داری سے کرنے کا کام ہے۔ روئے زمین پر اس منصوبہ کا میرے اور تمہارے سوا کسی کو علم نہیں ہونا چاہیے۔

عمیر بن وہب: بالکل یہ راز راز ہی رہے گا۔ تم فکر نہ کرو۔

صفوان: اچھا تو پھر ہاتھ ملاؤ اور وعدہ کرو کہ اس بات کا کسی کو علم نہ ہوگا۔

عمیر بن وہب: میں اس منصوبہ پر فوری عمل شروع کر رہا ہوں۔ صفوان! تمہیں

معلوم ہے میں اس قسم کے مکر و فریب والے امور کا خاصا تجربہ رکھتا ہوں...... اس نے شیطانی مسکراہٹ چہرے پر بکھیرتے ہوئے کہا۔

صفوان گھر آیا تو اس نے اپنی تلوار میان سے نکالی ذرا زنگ آلود نظر آئی۔ اس نے اسے خوب تیز کرنے کے بعد زہر میں بجھانا شروع کیا۔ آہا!!اس تلوار سے میرے والد کے قتل کا بدلہ لیا جائے گا اس نے اپنے آپ سے سرگوشی کی۔

پھر ایک دن اس نے اپنی زہر میں بجھی تلوار عمیر کے حوالے کر دی' اور اسے جلد از جلد مدینہ روانہ ہونے کے لیے کہا۔ عمیر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ ان دنوں مکہ کی ہر مجلس میں ہر گھر میں بدر کا قصہ ہی موضوعِ گفتگو ہوتا۔ صفوان لوگوں سے کہتا: بس چند دن کی بات ہے ایک ایسی خبر تمہیں سناؤں گا کہ تم لوگ بدر کا غم بھول جاؤ گے۔

عمیر بن وہب اپنی چالاکی' شرارت طبع اور بد باطنی کے باعث شیطانِ قریش کے لقب سے مشہور تھا۔ وہ مکہ میں اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ کو تکلیف دینے میں پیش پیش رہتا تھا۔ بدر کے روز اس کے بیٹے وہب کو ایک انصاری صحابی رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ نے گرفتار کر لیا تھا۔ عمیر بن وہب مدینہ منورہ پہنچا تو مسجد نبوی کے سامنے اپنی اونٹنی بٹھائی۔ نیچے اترا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بعض دیگر صحابہ کرام کے ساتھ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھے بدر کی باتیں کر رہے تھے کہ کیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں عزت و وقار بخشا اور کفار کو ذلیل و خوار کیا۔ اچانک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نگاہ عمیر پر پڑی جو تلوار لٹکائے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ

کی طرف جا رہا تھا۔ کہنے لگے: ہو نہ ہو اللہ کا یہ دشمن کسی خطرناک سازش کے تحت یہاں آیا ہے۔ یہ بدر کے روز لوگوں کو جنگ کے لیے بھڑکانے والوں میں پیش پیش تھا اور اسی نے مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ لگا کر کافروں کو بتایا تھا۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے گلے میں لٹکتی تلوار کے نیام کی پٹی سے اس کی گردن قابو میں کر لی اور اسے لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: اللہ کے رسول! یہ دشمنِ خدا تلوار لٹکائے آ رہا ہے۔

ارشاد ہوا: ''عمر! اسے چھوڑ دو' آگے آنے دو''۔

فاروق اعظم نے صحابہ سے کہا: تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی رہنا اور اس خبیث پر نگاہ رکھنا، یہ نہایت خطرناک آدمی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمیر میرے قریب آؤ''۔

وہ قریب ہو کر جاہلیت کے طریقے کے مطابق کہنے لگا:

«أَنْعِمُوا صَبَاحًا» ''آپ لوگوں کی صبح بخیر ہو''۔

ارشاد ہوا: ''اللہ تعالیٰ نے ان جاہلانہ الفاظ کے بدلے ہمیں ایک ایسے تحیہ سے مشرف کیا ہے جو تمہارے اس تحیہ سے بہتر ہے۔ یعنی سلام سے' جو اہل جنت کا تحیہ ہے۔ ہاں عمیر! بتاؤ کیسے آنا ہوا؟''۔

اس نے کہا: میں اپنے قیدی بیٹے وہب کا حال معلوم کرنے کے لیے آیا ہوں۔ برائے مہربانی اس کے بارے میں احسان فرما دیجیے۔ فرمایا:

«فَمَا بَالُ السَّيْفِ فِي عُنُقِكَ؟»

''یہ گلے میں تلوار کس لیے لٹکا رکھی ہے؟''۔

اس نے کہا: اللہ ان تلواروں کو غارت کرے انہوں نے ہمیں کیا فائدہ دیا ہے!

ارشاد ہوا: عمیر! سچ سچ بتاؤ تم کس مقصد کے لیے یہاں آئے ہو؟

کہنے لگا: سچ کہتا ہوں' میں صرف اسی قیدی کے لیے آیا ہوں۔

ارشاد ہوا:

''کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ تم اور صفوان بن امیہ حطیم میں بیٹھے تھے۔ تم دونوں نے بدر کے کنویں میں پھینکے جانے والے مقتول سرداروں کا تذکرہ کیا۔ پھر تم نے کہا: اگر مجھے قرض کی ادائیگی اور اہل وعیال کی کفالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں مدینہ جا کر محمد (ﷺ) کو قتل کر دیتا۔ اور پھر صفوان بن امیہ نے تمہارے قرض کی ادائیگی اور تمہارے بچوں کی کفالت کی ذمہ داری قبول کر لی۔ اس شرط پر کہ تم مجھے قتل کر دو۔ یاد رکھو عمیر! اللہ میرے اور تمہارے درمیان حائل ہے''۔

عمیر نے یہ سنا تو بے اختیار پکار اٹھا: أشهد أنك رسول الله ۔ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ ہمارے پاس آسمانوں کی جو خبریں لایا کرتے تھے ہم اسے جھٹلایا کرتے تھے۔ لیکن یہ معاملہ تو ایسا ہے کہ میرے اور صفوان کے علاوہ کسی کو اس کا علم ہی نہ تھا۔ اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ رب کائنات کے علاوہ کسی نے آپ کو یہ بات نہیں پہنچائی۔ اس اللہ کا شکر ہے کہ جس نے مجھے اسلام کی ہدایت عطا فرمائی اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دی۔

علامہ ابن اثیر کے بیان کے مطابق عمیر بن وہب کے اسلام لانے کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! عمیر بن وہب سے مجھے اس قدر شدید نفرت تھی کہ وہ مجھے خنزیر سے بدتر لگتا تھا' مگر اسلام لانے کے بعد اب یہ مجھے اپنے بچوں سے

بھی زیادہ عزیز ہے۔

قارئین! اللہ کے رسول ﷺ کا تحمل اور بردباری ملاحظہ فرمائیں کہ ایسے مجرم کو معاف فرما دیا۔

صحابۂ کرام سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«فَقِّهُوا أَخَاكُمْ فِي دِينِهِ، وَأَقْرِءُوهُ الْقُرْآنَ وَأَطْلِقُوا لَهُ أَسِيرَهُ»

''اپنے اس بھائی کو دین سکھاؤ' اسے قرآن پڑھاؤ اور اس کے قیدی کو رہا کر دو''۔

عمیر اس حسن سلوک کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ اب وہ اپنی گذشتہ حرکات پر نادم ہے۔ ان کی تلافی کا خواہش مند ہے۔ عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے اللہ کے نور کو بجھانے میں بہت کوشش کی' اب اس کا بدلہ دینا چاہتا ہوں' مجھے مکہ میں رہنے کی اجازت عطا فرمائیں۔ میں اہل مکہ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور دین اسلام کی طرف دعوت دوں گا۔ ان کی بات کو قبول کر لیا گیا اور وہ دین حق کے داعی بن کر مکہ میں مقیم رہے اور بہت سے لوگوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

ادھر صفوان بے چینی سے خبر کا منتظر تھا۔ وہ مدینہ سے آنے والے ہر مسافر سے کسی نئے واقعہ کے بارے میں پوچھتا۔ ایک دن اسے کسی سوار نے بتایا: صفوان! تمہارے لیے خبر یہ ہے کہ عمیر مسلمان ہو گیا ہے۔ اس کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی' اس نے قسم کھائی کہ اس سے ساری زندگی کلام کرے گا نہ ہی اس کے کام آئے گا (1)۔

(1) یہ واقعہ تاریخ و سیر کی متعدد کتابوں میں مذکور ہے۔ دیکھیے: الاصابة (6073)، سيرة ابن هشام (371/2)' المعجم الكبير للطبراني (58/17)، وغیرہ۔

((رسول کریم ﷺ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر اعتماد))

رسول اکرم ﷺ جب غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ وہ جاں باز، بہادر اور بڑے طاقت ور جوان تھے اور مقابلے میں بہت ہی دلیر تھے۔ عصمت وعفت کا تحفظ اور کمزوروں اور لاچاروں کی نگہبانی کی ذمہ داری حضرت علی جیسے نیک نفس، بہادر و جانباز اور جرأت مند و باہمت لوگ ہی کر سکتے تھے، چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے داماد اور چچا زاد بھائی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین مقرر کیا تاکہ وہ جنگ میں شرکت کرنے والے مسلمانوں اور مجاہدین کی بیویوں اور بیٹیوں کی رسول اکرم ﷺ کی عدم موجودگی میں نگہبانی کا فریضہ انجام دے سکیں۔

جب رسول اکرم ﷺ مدینہ سے تبوک کی طرف روانہ ہو گئے تو منافقین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے علی! رسول اکرم ﷺ کے اوپر آپ ایک بوجھ بن چکے ہیں۔ آپ کو ایک بوجھ ہی سمجھ کر رسول اکرم ﷺ نے مدینہ ہی میں چھوڑ دیا اور خود غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہو گئے۔

استغفر اللہ! کس قدر بے بنیاد بات تھی ان منافقوں کی، کیا رسول اکرم ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کبھی بوجھ سمجھ سکتے تھے جبکہ بچپن ہی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر میں پالا پوسا، جوان کیا، اور جنتی عورتوں کی سردار اپنی چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ان کی شادی بھی کی؟!

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منافقین کی بات پر بڑا غصہ آیا اور وہ جوش میں تلوار سونت کر تبوک کے راستے میں رسول اکرم ﷺ سے جا ملے اور آپ ﷺ کو مدینہ میں

درپیش ساری باتوں سے آگاہ کیا۔ رسول اکرم ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بات سن کر ہنس پڑے اور فرمایا:

«يَا عَلِيُّ! أَلاَ تَرْضٰى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسٰى إِلاَّ أَنَّهُ لَيْسَ نَبِيٌّ بَعْدِي»

''اے علی! تمھیں اس بات سے خوشی نہیں کہ تم میرے نزدیک اسی مقام کے حامل ہو جیسے حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھے، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔''(1)

کہاں نبیٔ کریم ﷺ کا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ ارشاد، اور کہاں منافقین کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ کہنا کہ رسول اکرم ﷺ آپ کو اپنے اوپر بوجھ سمجھنے لگے ہیں؟!

(1) صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة تبوك و هي غزوة العسرة، حديث: 4416 و صحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل علي بن ابي طالب رضی اللہ عنہ، حديث: 2404 ومسند احمد: 185/1

مظلوم کی بددعا کی تاثیر

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ ''البداية والنهاية'' میں بیان کیا ہے کہ برامکہ خاندان جو خاصا مشہور اور نہایت ہی خطرناک تھا، بغداد میں خلیفہ ہارون رشید کی وزارت کی کرسیاں انہی کے ہاتھ میں تھیں۔ یہ خاندان خوشحال اور ترقی یافتہ شمار ہونے لگا تھا، چنانچہ اس خاندان کے لوگ اپنی عالی شان بلڈنگوں کے اندر اور باہر سونے چاندی کے پانی سے ملمع سازی کرتے جس کی وجہ سے یہ عمارات سورج کی روشنی میں جگمگ جگمگ کرتی تھیں۔

اس خاندان نے اسی طرح کے فضول کاموں میں اپنی دولت کو ضائع کیا، ناحق خون بہائے، سرکشی کی اور بغاوت کو جنم دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک زبردست پکڑنے والے کی طرح پکڑ لیا اور ان کا انجام کار بہت خراب ہوا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ يُمْلِي الظَّالِمَ حَتَّى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ»

''اللہ تبارک وتعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے، مگر جب اسے پکڑ لیتا ہے تو ہرگز نہیں چھوڑتا۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تلاوت فرمائی:

﴿وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾

''تیرے پروردگار کی پکڑ کا یہی طریقہ ہے جبکہ وہ بستیوں کے رہنے والے ظالموں کو پکڑتا ہے۔ بے شک اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور نہایت سخت ہے۔'' (ھود:102/11)[1]

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس خوشحال خاندان پر ایک ایسے آدمی کو مسلط کر دیا جوان کا سب سے زیادہ محبوب اور ان کا بہت قریبی بھی تھا، دنیا اس کو خلیفہ ہارون رشید کے نام سے جانتی ہے۔ اس نے ایک ہی رات کے اندر اس خاندان (برامکہ) کے بڑے بڑے لوگوں کو قید کر لیا اور ان میں سے ہر ایک کی پیٹھ پر کوڑے برسائے، پھر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے، انھیں بری طرح سے قتل کیا، ان کے مال و جائداد پر قبضہ کر لیا، ان کی عالیشان عمارتوں کو منہدم کر دیا اور ان کی عورتوں کو قید خانوں میں ڈال دیا۔ اسی خاندان کا ایک عمر رسیدہ شخص تھا جس کی پیٹھ پر کوڑوں کی بارش ہو رہی تھی اور وہ رو رہا تھا، اس سے جب ایک غلام نے دریافت کیا کہ آخر یہ کیسی مصیبت تم لوگوں پر آ پڑی ہے؟ بوڑھے نے جواب دیا: کسی مظلوم کی بددعا راتوں رات ہمیں لگ گئی، جس سے ہم غفلت میں پڑے سو رہے تھے لیکن اللہ اس سے ہرگز غافل نہیں تھا۔

لَا تَظْلِمَنَّ إِذَا مَا كُنْتَ مُقْتَدِرًا فَالظُّلْمُ يَرْجِعُ عُقْبَاهُ إِلَى النَّدَمِ

"جب تم صاحبِ قدرت ہو تو ہرگز کسی پر ظلم نہ کرو کیونکہ ظلم کا انجام بالآخر ندامت ہی ہوتا ہے۔"

تَنَامُ عَيْنَاكَ وَالْمَظْلُومُ مُنْتَبِهٌ يَدْعُو عَلَيْكَ وَعَيْنُ اللهِ لَمْ تَنَمِ

"تم محوِ خواب ہو جاتے ہو جبکہ مظلوم کو نیند نہیں آتی۔ وہ تمھارے لیے بددعا کرتا ہے، اور (جان رکھو کہ) اللہ کی آنکھ نہیں سوتی (اس لیے ظالم کو چھٹکارا نہیں۔)"

اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ يَرْفَعُهَا اللهُ دُونَ الْغَمَامِ وَ تُفْتَحُ لَهَا أَبْوَابُ

السَّمَاءِ، وَيَقُولُ: وَعِزَّتِي لأَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِينٍ»

''مظلوم کی دعا کو اللہ تعالیٰ بادلوں کے اوپر اٹھاتا ہے، اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: میری عزت کی قسم! میں تیری ضرور بالضرور مدد کروں گا، اگرچہ کچھ مدت بعد ہی سہی۔''(2)

اور جب نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا تو ان سے آخری وصیت یہی فرمائی تھی:

«وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ»

''مظلوم کی بددعا سے بچنا، کیونکہ اس کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے۔''(3)

---

(1) جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورۃ ھود، حدیث:3110

(2) سنن ابن ماجه، الصیام، باب فی الصائم لا ترد دعوته، حدیث:1752
و جامع الترمذی، الدعوات، باب سبق المفردون، حدیث:3598

(3) صحیح البخاری، الزکاۃ، باب اخذ الصدقة من الاغنیاء، حدیث:1496
وصحیح مسلم، الایمان، باب الدعاء الی الشهادتین و شرائع الاسلام، حدیث:19

ماں کی محبت

امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک جنگ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند قیدیوں کو گرفتار کر کے لایا گیا۔ ان میں ایک خاتون بھی تھی۔ جب بھی وہ کسی بچے کو دیکھتی تو اسے دودھ پلانے لگتی۔

«إِذَا وَجَدَتْ صَبِيًّا فِي السَّبْيِ أَخَذَتْهُ فَأَلْصَقَتْهُ بِبَطْنِهَا وَأَرْضَعَتْهُ»

''قیدیوں میں سے جس بچے کو پاتی اسے اپنی گود میں لے لیتی اور اپنے پیٹ سے چمٹا کر دودھ پلانے لگتی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس خاتون کی بچے کے لیے یہ بے چینی دیکھی تو آپ نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا:

«أَتُرَوْنَ هَذِهِ طَارِحَةً وَلَدَهَا فِي النَّارِ»

''تمہارے خیال میں کیا یہ خاتون اپنے بچے کو آگ میں پھینک سکتی ہے؟''۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: نہیں، یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ یہ خاتون اپنے بچے کو آگ میں پھینک دے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَلّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هَذِهِ بِوَلَدِهَا»

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس خاتون سے کہیں زیادہ رحم کھانے والا ہے جو ابھی اپنے بچے پر رحم کا اظہار کر رہی ہے''۔(1)

---

(1) بخاری (5999)، مسلم (2754)۔

(((اے کاش! مرنے والا میں ہی ہوتا)))

نبی ٔکریم ﷺ غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوئے۔ دوران سفر ایک رات آپ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سو رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نیند سے بیدار ہوا اور جا کر رسول اکرم ﷺ کے بستر کو دیکھا لیکن آپ ﷺ موجود نہیں تھے۔ میں نے اپنا ہاتھ بستر پر رکھا تو بستر بالکل ٹھنڈا تھا۔ پھر میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بستر کو جا کر دیکھا تو وہ بھی موجود نہیں تھے، اس کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بستر کا رُخ کیا لیکن وہ بھی غائب تھے۔

اتنے میں میری نگاہ خیمے کے آخر میں پڑاؤ کے کنارے ایک روشنی پر پڑی۔ میں نے اس روشنی کا رُخ کیا۔ جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک قبر کھودی گئی ہے اور اس میں رسول اکرم ﷺ اترے ہوئے ہیں۔ وہاں ایک جنازہ رکھا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما جنازے کے گرد تھے اور رسول اکرم ﷺ ان سے فرما رہے تھے:

«نَاوِلُونِي صَاحِبَكُمَا»

''اپنے ساتھی کو مجھے دو۔''

جب انھوں نے جنازہ قبر میں اتارا تو رسول اکرم ﷺ نے اسے قبر میں رکھ دیا۔ آپ ﷺ کی آنکھوں سے زاروقطار آنسو بہنے لگے، پھر آپ ﷺ نے قبلے کی طرف اپنا چہرہ کیا اور اپنے ہاتھ اٹھا کر فرمایا:

«اللّٰهُمَّ أَمْسَيْتُ عَنْهُ رَاضِيًا فَارْضَ عَنْهُ»

''اے اللہ! آج شام تک میں اس مرنے والے سے راضی تھا تو بھی اس سے راضی

ہو جا‘‘[1]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا: یہ میت کون ہے؟ حاضرین نے بتایا: یہ تمھارے بھائی عبداللہ ذوالبجادین[2] ہیں جو رات کے ابتدائی حصے میں انتقال فرما گئے۔

عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے:

«فَوَدِدْتُ وَاللهِ! أَنِّي أَنَا الْمَيِّتُ»

’’اللہ کی قسم! میری خواہش ہوئی کہ اے کاش! مرنے والا میں ہی ہوتا۔‘‘

---

(1) مجمع الزوائد للهيثمي: 369/9

(2) ان کا نام عبداللہ بن عبدنُہم بن عفیف ہے۔ وہ یتیم پیدا ہوئے اور ان کے چچا نے ان کی پرورش کی۔ زمانۂ جاہلیت میں ان کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ جب انھوں نے اسلام قبول کیا تو ان کی قوم نے ان سے سب کچھ چھین لیا سوائے ایک موٹی چادر کے۔ اس چادر کے انھوں نے دو حصے کیے۔ ایک کا ازار بنایا اور دوسرا اوپر اوڑھ لیا اور مدینہ کی راہ لی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس حالت میں دیکھا تو ان کا لقب ’’ذوالبجادین‘‘ (دو چادروں والا) رکھا۔ وہ حلیم، فاضل اور قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرنے والے تھے۔ انھوں نے غزوۂ تبوک کے موقع پر وفات پائی۔ (اسدالغابہ، ج:3)

(((عزت دار کون؟)))

ایک روز رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں اشرافِ قریش بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک عبداللہ بن ام مکتوم جو نابینا تھے' تشریف لے آئے اور آ کر نبی کریم ﷺ سے دین کی باتیں پوچھنے لگے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس پر کچھ ناگواری محسوس کی اور کچھ بے توجہی برتی۔ کیونکہ آپ اشراف قریش کو راہ راست پر آنے کی دعوت پیش کر رہے تھے اور آپ کی بڑی خواہش تھی کہ وہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی اس ناگواری و بے توجہی پر تنبیہ فرمائی اور یہ آیات نازل فرمائیں(1)

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝﴾

''وہ ترش رو ہوا اور منہ موڑ لیا' صرف اس لئے کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔ تجھے کیا خبر شاید اس کی اصلاح ہو جاتی ' یا نصیحت سنتا اور اسے نصیحت فائدہ پہنچاتی ' لیکن جو بے پروائی کرتا ہے اس کی طرف تو پوری توجہ کرتا ہے۔ حالانکہ اس کی اصلاح نہ ہونے سے تجھ پر کوئی الزام نہیں اور جو شخص تیرے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ ڈر بھی رہا ہے تو اس سے تو بے رخی برتا ہے۔ یہ ٹھیک نہیں' قرآن تو نصیحت کی چیز ہے' جو چاہے اس سے نصیحت لے۔'' (عبس :1-12)

چنانچہ جب رسول اکرم ﷺ کے پاس دوبارہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر

ہوئے تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور ان سے معانقہ کیا اور اپنی چادر ان کے لیے بچھا دی اور فرمایا:

«مَرْحَبًا بِالَّذِي عَاتَبَنِي فِيهِ رَبِّي»

''خوش آمدید اس آدمی کو' جس کے بارے میں میرے رب نے میری سرزنش کی''(2)۔

وہ اشراف قریش جن کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کی یہ خواہش تھی کہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں' ان کا انتقال تو کفر کی حالت میں ہوا اور وہ بھڑکتی آگ کے ایندھن بن گئے۔ اس کے برعکس وہ نابینا شخص جس کی آمد سے کفار کے سامنے رسول اکرم ﷺ کو کچھ ناگواری سی محسوس ہوئی تھی وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور مسلسل دینی خدمات انجام دیتے رہے' حتی کہ رسول اکرم ﷺ جب غزوے کی مہم پر نکلتے تو اکثر و بیشتر عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ہی کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین مقرر کرتے جو لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے انہیں تیرہ مرتبہ مدینہ منورہ پر اپنا جانشیں مقرر کیا تھا۔ انھوں نے جنگ قادسیہ میں اسلام کا جھنڈا اٹھائے ہوئے شہادت پائی تھی۔(3)

---

(1) [صحيح الإسناد] ترمذی: کتاب تفسیر القرآن، باب تفسیر سورۃ عبس (3331).

(2) الدر المنثور (6/518-519)

(3) تهذيب التهذيب لابن حجر (31/8)

یہ تھے ہمارے حکمران

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ شدید سرد اور تاریک رات میں ایک جگہ آگ کی روشنی دیکھی، چنانچہ وہاں تشریف لے گئے۔ ساتھ جلیل القدر صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (1) بھی تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آگ کے پاس ایک عورت کو دیکھا جس کے تین بچے زاروقطار رو رہے تھے۔ ایک بچہ کہہ رہا تھا: امی جان! ان آنسوؤں پر رحم کھاؤ اور کچھ کھانے کو دو۔ دوسرا بچہ یہ کہہ کر رو رہا تھا: امی جان! لگتا ہے شدت بھوک سے جان چلی جائے گی۔ تیسرا بچہ کہہ رہا تھا: امی جان! کیا موت کی آغوش میں جانے سے پہلے مجھے کچھ کھانے کو نہیں مل سکتا؟!

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آگ کے پاس بیٹھ گئے اور اس عورت سے پوچھا: اے اللہ کی بندی! تیرے اس حال کا ذمہ دار کون ہے؟

عورت نے جواب دیا: اللہ اللہ! میری اس حالت کا ذمہ دار امیر المؤمنین عمر ہے۔

حضرت عمر نے اس سے فرمایا: کوئی ہے جس نے عمر کو تمھارے حال سے آگاہ کیا ہو؟

عورت نے جواب دیا: ہمارا حکمران ہو کر وہ ہم سے غافل رہے گا؟ یہ کیسا حکمران ہے جس کو اپنی رعایا کی کچھ خبر نہیں؟!

یہ جواب سن کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (راتوں رات) مسلمانوں کے بیت المال گئے اور دروازہ کھولا۔

بیت المال کا محافظ (چوکیدار) بولا: خیر تو ہے امیر المؤمنین؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور آٹے کی ایک بوری، گھی اور شہد کا ایک ایک ڈبہ بیت المال سے نکالا اور چوکیدار سے فرمایا: انھیں میری پیٹھ پر لاد دو۔

چوکیدار نے عرض کی: امیر المؤمنین! آپ چاہتے کیا ہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری پیٹھ پر لاد دو۔

چوکیدار نے عرض کیا: آپ یہ چیزیں اپنی پیٹھ پر نہ لادیں، اے امیر المؤمنین!

حضرت عمر نے فرمایا: میری پیٹھ پر یہ سامان لاد دو۔

چوکیدار نے کوشش کی کہ امیر المؤمنین کا تیار کردہ سامان خود اپنی پیٹھ پر لادلے لیکن امیر المؤمنین نے سختی سے انکار کیا اور اس سے یوں مخاطب ہوئے:

«ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ! أَحْمِلْ عَلَيَّ أَأَنْتَ تَحْمِلُ عَنِّي ذُنُوبِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟»

''تیری ماں تجھے کھودے! یہ سامان میری پیٹھ پر لاد دو، کیا قیامت کے روز تم میرے گناہوں کا بوجھ اٹھاؤ گے؟''

یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آٹا، گھی اور شہد اپنی پیٹھ پر لادلیا۔

جب اس عورت کے ہاں پہنچے تو آگ کے پاس بیٹھ گئے، اور ان بچوں کے لیے کھانا پکایا۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو اس میں گھی اور شہد کی آمیزش کی اور اپنے مبارک ہاتھ سے بچوں کو کھانا کھلایا۔ یہ منظر دیکھ کر ان یتیم بچوں کی ماں کہنے لگی:

«وَاللّٰهِ! إِنَّكَ أَحَقُّ بِالْخِلَافَةِ مِنْ عُمَرَ»

''قسم اللہ کی! تم عمر سے کہیں زیادہ منصب خلافت کے اہل ہو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: اے اللہ کی بندی! کل عمر کے پاس جانا، وہاں میں ہوں گا اور تمھارے معاملات کے متعلق اس سے سفارش کروں گا۔

یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ واپس آ گئے اور ایک چٹان کے پیچھے آ کر بیٹھ رہے اور ان بچوں کو دیکھنے لگے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: آیئے، واپس چلتے ہیں کیونکہ رات بہت ہی ٹھنڈی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں اپنی جگہ اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک ان بچوں کو ہنستا ہوا نہ دیکھ لوں، جیسے میں نے آتے وقت انھیں روتے ہوئے دیکھا تھا۔

جب اگلے روز کا سورج طلوع ہوا تو ان یتیم بچوں کی ماں دربار خلافت میں گئی۔ وہاں اس نے دیکھا کہ حضرت علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے مابین ایک شخص تشریف فرما ہے اور وہ دونوں حضرات اسے امیر المؤمنین کہہ کر مخاطب کر رہے ہیں۔ اور یہ وہی شخص تھا جس نے گزشتہ رات اس عورت اور اس کے بچوں کی خدمت میں گزاری تھی اور جس سے اس نے کہا تھا: اللہ اللہ! میری اس حالت کا ذمہ دار عمر ہے، چنانچہ جب عورت کی نگاہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر پڑی تو گویا اس کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی۔

امیر المؤمنین نے عورت سے فرمایا: اللہ کی بندی! تیرا کوئی قصور نہیں، چل بتا، تو اپنی شکایت کتنی قیمت کے عوض فروخت کرے گی۔

عورت گویا ہوئی: معاف فرمایئے اے امیر المؤمنین!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم اللہ کی! تو اس جگہ سے ہٹ نہیں سکتی جب تک کہ میرے ہاتھ اپنی شکایت بیچ نہ دو۔

بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بیوہ خاتون کی شکایت اپنے مالِ خاص سے چھ سو

درہم کے عوض خرید لی اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو کاغذ قلم لانے کا حکم دیا اور یہ تحریر قلمبند کرائی:

''ہم علی اور ابن مسعود اس بات پر گواہ ہیں کہ فلاں عورت نے اپنی شکایت امیر المؤمنین عمر بن خطاب کے ہاتھ فروخت کر دی۔''

پھر امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«إِذَا أَنَا مِتُّ فَدَعُوهَا فِي كَفَنِي حَتَّى أَلْقَىٰ بِهَا اللهَ تَعَالَىٰ»

''جب میری وفات ہو جائے تو اسے میرے کفن میں رکھ دینا تاکہ میں اس کو لے کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں۔''(2)

---

(1) عبدالرحمٰن بن عوف زہری رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ آپ کا شمار حضرت عمر کے نامزد کردہ ان چھ اصحاب شوریٰ میں بھی ہے جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بوقت وفات راضی تھے۔ آپ کی پیدائش عام الفیل کے دس سال بعد ہوئی۔ دارِ ارقم میں دخول سے قبل ابتدائے دعوت ہی میں آپ نے اسلام قبول کیا اور دو بار ہجرت کی۔ جنگ بدر اور جملہ غزوات میں آپ نے شرکت فرمائی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دومۃ الجندل کی طرف (لشکر کے ساتھ) روانہ کیا اور وہاں کے سردار اصبع بن ثعلبہ کلبی کی بیٹی سے شادی کرنے کی اجازت دی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں اسے فتح کرایا اور آپ نے اصبع کی صاحبزادی سے شادی کر لی...... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر کے دوران میں نماز فجر میں آپ کو اپنا جانشین بنایا۔ آپ کی وفات بہتر (72) سال کی عمر میں 31ھ میں ہوئی اور بقیع میں دفن کیے گئے۔ آپ کی نمازِ جنازہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

(2) واقعہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے: البداية والنهاية للعلامة ابن كثير: 10/185-187 دار هجر۔

یہود و نصاریٰ سے دوستی

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ[1] سے کہا: تم اپنے کاتب کو میری خدمت میں پیش کرو تاکہ وہ ہمارے سامنے ملک شام سے آیا ہوا صحیفہ پڑھ کر سنائے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عرض کی: وہ مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا اس کو جنابت لاحق ہے؟

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں بلکہ وہ نصرانی ہے؟

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ اٹھا کر بڑے زور سے اپنی ران پر مارتے ہوئے فرمایا: تمھیں کیا ہو گیا ہے؟! اللہ تعالیٰ تمھیں غارت کرے، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ﴾

''اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔'' (المائدہ:51/5)

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا: تم نے کسی مسلمان کو اپنا کاتب کیوں نہ مقرر کیا؟

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اس کے لیے اس کا دین ہے اور میرے لیے اس کی کتابت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«لَا أُكْرِمُهُمْ إِذَا أَهَانَهُمُ اللهُ وَلَا أُعِزُّهُمْ إِذَا أَذَلَّهُمُ اللهُ وَلَا أُدِينُهُمْ إِذَا أَقْصَاهُمُ اللهُ»

''اللہ تعالیٰ نے جب ان (یہود ونصاریٰ) کی توہین کی ہے تو میں ان کی تکریم نہیں کر سکتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں ذلیل و رسوا کیا ہے تو میں انھیں عزت نہیں بخش سکتا اور جب اللہ تعالیٰ نے (اپنی رحمت سے) انھیں دور رکھا ہے تو میں ایسے لوگوں کو قریب نہیں کر سکتا۔'' (2)

---

(1) آپ کا اسم گرامی عبد اللہ بن قیس ہے اور کنیت ابوموسیٰ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اعلان نبوت کے فوراً بعد آپ نے ملک یمن کو خیر باد کہہ کر مکہ مکرمہ کا رخ کیا۔ وہاں سعید بن العاص کے حلیف بن گئے۔ مشرف باسلام ہوئے اور حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ جب غزوہ خیبر کے موقع پر حضرت جعفر طیار حبشہ سے مدینہ پہنچے تو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کی دعوت کے نتیجے میں داخل اسلام ہونے والے پچاس دیگر اشعری بھی اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ کا شمار اُن اجلہ صحابہ میں ہوتا ہے جنھوں نے قرآن کریم کو یاد کیا، اسے سمجھا اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوئے۔ دیکھیے: اسد الغابة: 364/3، الاصابة: ت: 4916، والاستیعاب: ت: 1656

(2) عیون الاخبار لابن قتیبہ

ورنہ تجھے طلاق!!

خلیفہ ہارون رشید اور اس کی اہلیہ زبیدہ کے درمیان کسی بات پر اختلاف پیدا ہوگیا۔ اختلاف نے جب طول پکڑا تو ہارون نے غصہ میں قسم کھالی کہ آنے والی رات تم میری سلطنت سے باہر گزارو؛ ورنہ تمہیں طلاق!!

ہارون رشید کی حدود سلطنت مشرق میں چین سے لے کر مغرب میں فرانس کے نواح تک پھیلی ہوئی تھیں۔ پھر ایسی وسیع وعریض سرزمین کو ایک ہی رات میں ہارون رشید کی اہلیہ کیوں کر طے کر سکتی تھی جبکہ اس وقت نقل وحمل کے وسائل و ذرائع بھی آج کی طرح کوئی تیز رفتار نہ تھے۔ اب بات زبان سے نکل چکی تھی۔ اہلیہ بھی کوئی معمولی خاتون نہ تھی، زبیدہ تھی جو اسے جان سے زیادہ عزیز تھی۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ دونوں نہایت پریشان، ادھر ہارون اپنی سبقتِ لسانی پر پشیمان وشرمندہ بھی تھا۔ چنانچہ اس معمہ کو حل کرنے کے لیے بڑے بڑے علماء ہارون رشید کی خدمت میں بلائے گئے۔ ان میں قاضی ابو یوسف بھی تھے۔ جب علماء کے سامنے اس مسئلہ کو رکھا گیا تو سارے علماء غور وخوض میں لگ گئے۔ مسئلے کا کوئی معقول حل نظر نہیں آ رہا تھا۔ خاموشی طاری ہوگئی۔ ہاں ایک بات پر سبھوں کا اتفاق تھا کہ شرع میں تو اس طرح طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہارون رشید کی دی ہوئی طلاق واقع ہوگئی۔ اب علماء کی نظریں قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کی طرف اٹھیں: حضرت! اس مسئلے کا کوئی حل ہے؟ آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

قاضی ابو یوسف مسکرائے، خلیفہ کی طرف دیکھا اور گویا ہوئے: آپ کی قسم ایک صورت میں واقع ہونے سے بچ سکتی ہے۔

ہارون رشید: وہ کونسی صورت ہے؟

امام ابو یوسف: اپنی بیوی سے کہیں کہ وہ آج رات کسی بھی مسجد میں گزار لیں، اس لیے کہ مسجد آپ کی ملکیت میں نہیں ہے، وہ آپ کی سلطنت سے باہر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴾

''اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لیے خاص ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو''۔[الجن:18]

امام ابو یوسف(1) کا یہ فتویٰ سن کر تمام علماء عش عش کر اٹھے۔ ان کی ذہانت اور فطانت کے قائل ہو گئے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے فتوی کے مطابق ہارون رشید کی اہلیہ زبیدہ نے رات مسجد میں گزاری اور اس طرح ہارون رشید کی طلاق واقع ہوتے ہوتے رہ گئی۔

(1) یہ یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن خُنیش بن سعد ہیں، ابو یوسف کی کنیت سے مشہور ہیں۔ آپ امام ابوحنیفہ کے سب سے عظیم شاگرد رشید ہیں۔ ذہانت وفطانت اور مسائل کے استنباط میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ سب سے پہلے آپ ہی کو قاضی القضاۃ کا لقب ملا۔ امام ابوحنیفہ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ''میرے شاگردوں میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے ابو یوسف ہی ہیں''۔ آپ کی وفات 67 سال کی عمر میں ربیع الاول 182 ھ میں ہوئی۔

درود شریف کی فضیلت

ایک دن حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اپنے روز و شب کے معمولات میں سے بعض اوقات ذکر واذکار کے لیے مقرر کر رکھے ہیں۔ اس دوران میں آپ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں، میں کتنا وقت آپ پر درود پڑھا کروں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جتنا وقت پڑھ سکو''۔

میں نے عرض کیا: میں اپنی دعا کے اوقات میں سے ایک چوتھائی آپ پر درود بھیجنے میں صرف کروں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ»

''جتنا تم پڑھ سکو، اگر زیادہ پڑھو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا''

میں نے عرض کیا: اپنی دعا کا آدھا وقت درود شریف کے لیے نکالوں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ»

''جتنا پڑھ سکو، اگر زیادہ پڑھو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا''

میں نے عرض کیا: دو تہائی وقت؟

آپ نے فرمایا: جتنا تم پڑھ سکو، اگر زیادہ پڑھو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

میں نے عرض کیا:

«أَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِي كُلَّهَا؟»

''کیا اپنی ساری دعا کو آپ کے لیے (درود) بنا دوں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِذًا تُكْفَى هَمَّكَ وَيُغْفَرُ لَكَ ذَنْبُكَ»

''تب تو تمہارے سارے غم اور پریشانیاں دور کر دی جائیں گی اور تمہارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے'' (1)۔

اس حدیث سے اندازہ لگائیں کہ رسول اکرم ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کے کتنے فوائد و برکات ہیں۔ اے کاش! ہماری زبانیں ہمہ وقت درود وسلام سے معطر رہیں۔

(1) [حسن] ترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ، باب (23) نمبر (2457)، (تحفۃ الأحوذی: 198/7)

(((تو دسواں جہنمی ہے)))

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ[1] بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں دو آدمیوں نے اپنا اپنا نسب نامہ بیان کیا۔

ایک آدمی نے دوسرے سے کہا:

میں فلاں ابن فلاں ہوں، تم کون ہو؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں دو آدمیوں نے اپنا اپنا نسب بیان کیا۔ ایک آدمی نے (بطور فخر) کہا: میں فلاں ابن فلاں ہوں...... اس نے نو پشت تک گنایا، پھر پوچھا: لیکن تم کون ہو تیری ماں مرے؟ دوسرے آدمی نے جواب دیا: میں فلاں ابن فلاں ابن اسلام ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ان دونوں آدمیوں کو بتا دیں۔ پہلے کو بتائیں کہ اے وہ شخص جس نے نو پشت تک اپنا نسب (بطور فخر) بیان کیا ہے، وہ نو جہنم میں ہیں اور تو جہنم میں ان کے ساتھ جانے والا دسواں آدمی ہے۔ اور دوسرے آدمی کو بتائیں کہ اے دو پشت تک اپنی نسبت کرنے والے! وہ دونوں جنت میں ہیں اور تو ان کے ساتھ جنت میں جانے والا تیسرا شخص ہے۔''[2]

---

(1) یہ نامور صحابی اور قاریٔ قرآن تھے۔ وہ سید القراء، سید الانصار اور سید المسلمین کے القاب سے معروف تھے۔ ان کا تعلق خزرجی قبیلہ نجار کے خاندان بنو معاویہ سے تھا، جنہیں بنو حدیلہ بھی کہا جاتا ہے ان کا شمار انصار کے تعلیم یافتہ لوگوں میں ہوتا تھا۔ انہوں نے بیعت عقبہ ثانیہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ مؤاخات قائم ہوئی تو وہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے بھائی بنے۔ وہ غزوۂ طائف تک تمام غزوات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔ انھوں نے عہد صدیقی میں

قرآن مجید کی تدوین کا اہم کام انجام دیا۔ خلافت فاروقی میں مجلس شوریٰ کے اہم رکن تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب نماز تراویح کے باجماعت قیام کا حکم دیا تو اس کی امامت آپ کے سپرد کی۔ انھیں قرآن حکیم کے ساتھ غیر معمولی لگاؤ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جسے قرآن سننے کا ذوق ہو وہ ابی کے پاس جائے۔ انھوں نے 30 یا 32ھ میں وفات پائی اور خلیفۂ ثالث عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:1)

(2) شعب الایمان للبیهقی: 4765، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

بینائی لوٹ آئی!

زِنّیرہ رومیہ رضی اللہ عنہا ان خواتینِ اسلام میں سے تھیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ابتدائی ایام میں اسلام کے شرف سے مشرف ہوئی تھیں۔ یہ بنومخزوم کی لونڈیوں میں سے تھیں۔ ایک قول کے مطابق بنوعبدالدار کی لونڈی تھیں۔ جب انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تو ان کے اوپر ظلم وستم کا وہی پہاڑ ڈھایا جانے لگا جیسا کہ ان سے پہلے کمزور ولاچار مسلمانوں پر ڈھایا جا رہا تھا۔ مشرکینِ مکہ انہیں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرتے مگر یہ اللہ کی بندی پورے صبر وتحمل کے ساتھ اپنے ایمان پر قائم رہی۔ اسلام کی راہ میں ہر تکلیف برداشت کی۔ مشکلات ومصائب سے تنگ آ کر کبھی اپنی زبان پر حرفِ شکایت اُف تک نہیں لائیں۔

ابوجہل سیدہ زِنیرہ رومیہ رضی اللہ عنہا کو سزائیں دینے میں پیش پیش تھا۔ علامہ بلاذری کا بیان ہے کہ ابوجہل اپنے لوگوں سے کہا کرتا تھا:

«أَلاَ تَعْجَبُونَ لِهٰؤُلاَءِ وَاتِّبَاعِهِمْ مُحَمَّدًا؟ فَلَوْ كَانَ مَا أَتَى بِهِ مُحَمَّدٌ خَيْرًا وَحَقًّا، مَا سَبَقُونَا إِلَيْهِ، أَفَسَبَقَتْنَا زِنِّيرَةُ إِلَى رُشْدٍ وَهِيَ مَنْ تَرَوْنَ؟!»

''تم لوگوں کو اس بات سے تعجب نہیں ہوتا کہ یہ کیسے کیسے (کمزور ولاچار) لوگ کس طرح محمد کی پیروی کرتے ہیں؟ اگر محمد کا لایا ہوا دین بہتر اور حق ہوتا تو یہ (خستہ حال لوگ) ہم سے پہلے اسے قبول نہیں کر سکتے تھے (بلکہ ہم مالدار، سمجھدار اور اثر ورسوخ والے پہلے اسے قبول کرتے)۔ کیا یہ زِنیرہ رشد وہدایت کی طرف ہم پر سبقت لے گئی؛ جبکہ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ کون ہے (اور اس کی حیثیت کیا ہے)؟!''۔

حضرت زِنیرہ رومیہ رضی اللہ عنہا کو کفارِ مکہ مارتے جاتے اور کہتے جاتے: تم محمد کا دین چھوڑ دو۔ مگر قربان جایئے اس اولوالعزم اور بہادر خاتون کے مضبوط ایمان پر، کہ اس نے کفارِ مکہ کے ہر ستم کو برداشت کر لینا گوارا کر لیا؛ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو ایک لمحے کے لیے چھوڑنا گوارا نہیں کیا!! بالآخر اللہ کی راہ میں مسلسل سزائیں برداشت کرتے کرتے ان کی آنکھوں کی بینائی چلی گئی۔ اس وقت کفارِ مکہ حضرت زِنیرہ رومیہ رضی اللہ عنہا سے کہنے لگے:

«إِنَّ اللَّاتَ وَالعُزَّى فَعَلَتَا بِكِ مَا تَرَيْنَ»

''یقیناً لات وعزی نے تمہارا یہ حال کیا ہے جو تم دیکھ رہی ہو''۔

حضرت زنیرہ رومیہ رضی اللہ عنہا بلاشبہ اندھی ہو چکی تھیں مگر ان کے دل کی آنکھیں روشن تھیں!! چنانچہ انہوں نے کفار کی باتوں کا فوراً اور دوٹوک جواب دیا:

«وَمَا تَدْرِ اللَّاتُ وَالعُزَّى مَنْ يَعْبُدُهُمَا؟ وَلَكِنْ أَمْرٌ مِنَ السَّمَاءِ، وَرَبِّي قَادِرٌ عَلَى أَنْ يَرُدَّ بَصَرِ»

''لات وعزی کو کیا معلوم کہ کون ان کی پوجا کرتا ہے؟ بلکہ یہ بینائی آسمان والے کے حکم ہی سے زائل ہوئی ہے (میری قسمت میں تمہارے ظلم وستم کی بدولت مجھے اندھا ہونا لکھا تھا) اور ہاں، میرا پروردگار اب بھی میری بینائی واپس کرنے پر قادر ہے''۔

سیر وتاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے:

«فَأَصْبَحَتْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَقَدْ رَدَّ اللهُ بَصَرَهَا»

''اسی رات کی صبح کو اللہ تعالیٰ نے زنیرہ رومیہ رضی اللہ عنہا کی بینائی واپس کر دی''۔

چہ جائیکہ کفارِ قریش اس واقعے سے درسِ عبرت لیتے۔ الٹا کہنے لگے:

«هَذَا مِنْ سِحْرِ مُحَمَّدٍ!!»

"ارے! یہ تو محمد کے جادو کا کرشمہ ہے!!"۔

حضرت زنیرہ رومیہ رضی اللہ عنہا پر آئے دن کفارِ قریش ستم توڑ رہے تھے۔ چنانچہ ایک دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ زنیرہ رضی اللہ عنہا بھی ان سات لوگوں میں سے ایک تھیں جنہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے آقاؤں سے خرید کر آزاد کر دیا تھا اور جو اللہ کے راستے میں ستائے جا رہے تھے[1]۔

(1) دیکھئے: أسد الغابة (6948)، الاستیعاب (3388)، الإصابة (11222)، السيرة الشامية (483/2)

سخاوت اس کو کہتے ہیں

عربوں میں بہت ساری ایسی صفات پائی جاتی ہیں جو انھیں دیگر اقوام کے مقابلہ میں نمایاں کرتی ہیں۔ شجاعت، بہادری، دلیری، مہمان نوازی عفو و درگزر اور حوصلہ مندی میں انھوں نے حیران کن مثالیں پیش کیں۔ ایسے ایسے لوگ بھی دنیا میں پیدا ہوئے۔ انہیں اس دنیا سے رخصت ہوئے سینکڑوں سال گزر چکے ہیں۔ مگر تاریخ میں ان کا نام آج بھی زندہ ہے اور ان کے کارناموں کو سنہرے حروف سے لکھا جا چکا ہے۔

معن بن زائدہ کا نام حوصلہ مندی اور بردباری کے حوالہ سے بڑا مشہور ہے۔ عربی کا ایک مقولہ ہے:

«الحِلْمُ سَيِّدُ الأَخْلَاقِ».

''تحمل و بردباری سرچشمۂ اخلاق ہے''۔

یہ بالکل درست ہے کہ اعلیٰ اخلاق کی پہچان حوصلہ مندی سے شروع ہوتی ہے۔ حلیم شخص بڑا صابر، شاکر، متواضع، کریم اور ہر معاملہ میں نرمی برتنے والا ہوتا ہے۔ اور ایسے لوگ یقیناً اللہ کے ہاں بھی محبوب ہوتے ہیں اور لوگوں میں بھی بے پناہ شہرت کے حامل اور پسندیدہ ہوتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ایک صحابی اشج عبد قیس کو فرمایا تھا:

«إِنَّ فِيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ: الحِلْمُ وَالأَنَاةُ»

''تمہارے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ کو نہایت پسند ہیں: حلم و بردباری اور کام میں حوصلہ مندی (1)۔''

اس تمہید کے بعد آیئے معن بن زائدہ کے بارے پڑھتے ہیں:

ابوالولید معن بن زائدہ بن عبداللہ بن مطر شیبانی بڑا رئیس اور امیر کبیر شخص تھا۔ لوگوں میں بہت سخی اور رحم دل شخص کے طور پر معروف تھا۔ اپنی سخاوت، حوصلہ مندی اور بردباری کی بدولت ضرب المثل تھا۔

بنی امیہ کے دور میں یہ شخص مختلف عہدوں پر فائز رہا اور ان کے آخری دور میں یزید بن عمر بن ہبیرہ کے خواص میں شامل تھا جو اس وقت أمیر العراقین (کوفہ وبصرہ) تھا۔ زمانے کے انقلابات ہیں۔ بنی امیہ سے بنی عباس نے حکومت چھین لی اور منصور نے یزید بن عمر کا واسط نامی شہر میں محاصرہ کر لیا۔ معن بن زائدہ نے یزید بن عمر کی طرف سے اس کا خوب ساتھ دیا۔ داد شجاعت دی۔ محاصرہ کا اختتام یزید بن عمر کے قتل کی صورت میں ہوا۔ معن کو موقع مل گیا، وہ بھاگنے میں کامیاب ہو گیا اور ایک مدت تک چھپا رہا۔ ادھر منصور نے معن کو گرفتار کرنے کا حکم دیا اور بھاری انعام کا اعلان کیا۔ کوفہ کے قریب ایک چھوٹا سا قصبہ ''ہاشمیہ'' ہے۔ وہاں کے لوگوں نے منصور کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس وقت بنو عباس کی حکومت مضبوط ہو چکی تھی۔ بنو امیہ کے افراد نے خلیفہ کی بیعت کر لی تھی۔ آپس میں صلح ہو چکی تھی۔ ان حالات میں بغاوت کا کوئی سوال نہ تھا۔ معن ہاشمیہ کے قریب ہی چھپا ہوا تھا۔ جب باغیوں کی سرکوبی کے لیے عباسی فوج آئی تو انہوں نے خوب مقابلہ کیا۔ معن نے اپنے چہرے کو چھپایا اور باغیوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ بہادری کے ناقابلِ فراموش جوہر دکھائے اور منصور کو فتح دلانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ چونکہ چہرہ چھپا ہوا تھا۔ لہٰذا منصور پہچان نہ سکا۔ جب لڑائی ختم ہو گئی اور منصور فتح یاب ہوا تو اس نے اس بہادر نوجوان کو اپنے پاس بلایا۔ تعجب سے پوچھا:

«مَنْ أَنْتَ وَيْحَكَ».

''تمہارا ناس ہو تم کون ہو؟''

اب اس نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا اور کہنے لگا: امیر المومنین! میں آپ کا وہ مجرم ہوں جس کی تلاش میں آپ کے سپاہی مارے مارے پھرتے ہیں اور جس کی گرفتاری پر آپ نے بھاری رقم دینے کا اعلان کر رکھا ہے۔ میں ہی معن بن زائدہ ہوں۔

منصور اس کی وفا دیکھ چکا تھا۔ اس نے نہ صرف اسے امان دی بلکہ نہایت عزت افزائی کی۔ مال و دولت سے نوازا اور اپنے خاص مقربین میں شامل کر لیا۔

جس دور میں معن چھپا ہوا تھا اس دوران ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ اس کا راوی خود معن ہی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ منصور نے میری گرفتاری کے آرڈر جاری کر رکھے تھے۔ پولیس مجھے ہر طرف سے تلاش کر رہی تھی اور میں گرفتاری کے خوف سے ادھر ادھر بھاگ رہا تھا۔ کوئی شخص بھی مجھے پناہ دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ میری گرفتاری پر بھاری انعام کا اعلان تھا۔ میں نے بھیس بدلنے کی کوشش کی۔ دھوپ میں بیٹھا رہتا تاکہ میرا سفید رنگ کالا ہو جائے۔ داڑھی کی تراش خراش' سر کے بال اور کپڑوں سے بھی میں ایک مزدور نظر آتا تھا۔ ایک جگہ ٹک کر بیٹھنے اور رہنے کا کوئی سوال نہ تھا۔ میں نے ایک دن بغداد سے نکلنے کا ارادہ کیا۔ حلیہ کو مکمل تبدیل کر کے ڈرتا ڈرتا اونٹ پر سوار صحرا کی طرف روانہ ہوا۔ میری منزل بدوؤں کے خیمے تھے۔ جن میں پناہ لے سکتا تھا۔ ادھر میں باہر نکلا ادھر ایک کالا کلوٹا شخص میرے پیچھے روانہ ہوا۔ شہر سے باہر ویرانے میں اس نے میرے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور اسے بٹھانا شروع کر دیا۔ میرا اونٹ نیچے ہوا تو لپک کر وہ اونٹ پر چڑھ گیا اور پوری قوت سے میرا بازو پکڑ لیا۔ خنجر اس کے ہاتھ میں تھا۔

میرے اوپر قابو پانے کے بعد اس نے مجھے غور سے دیکھا تو میں نے بڑی لجاجت سے اسے کہا کہ تم نے مجھے کیوں پکڑا ہے اور کیا چاہتے ہو۔ وہ کہنے لگا کہ تمہیں امیر المومنین تلاش کر رہے ہیں۔اس نے کہا: تم معن بن زائدہ ہو۔

میں نے کہا کہ اتق اللہ عز وجل کہاں میں کہاں معن بن زائدہ، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میری شکل وصورت اور حلیہ کو دیکھو کہاں معن کہاں میں۔ میں ایک عام آدمی ہوں۔

اس نے کہا کہ چالاک بننے کی کوشش نہ کرو۔ میں تمہیں خوب جانتا اور پہچانتا ہوں۔ لہٰذا ادھر ادھر بھاگنے کی کوشش مت کرنا۔ ورنہ خنجر؟ جب میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے تو میں منت سماجت پر اتر آیا۔ میں نے اسے کہا کہ اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تمہیں دولت سے مالا مال کر دوں گا۔ میں نے اپنی خفیہ جیب سے نہایت قیمتی موتیوں کا ایک ہار نکالا اور کہا کہ اگر تم مجھے منصور کے پاس لے جاؤ گے تو وہ تمہیں زیادہ سے زیادہ کیا دے گا۔ یہ ہار اس انعام کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہے۔تم یہ لے لو اور مجھے چھوڑ دو۔ کیوں میرے خون ناحق کا گناہ اپنے ذمہ لیتے ہو۔

اس نے موتیوں کا ہار اپنے ہاتھ میں لیا اور الٹ پلٹ کر اسے دیکھا۔ کہنے لگا: جو قیمت تم نے بتائی ہے واقعی درست ہے۔لیکن میں اسے لینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

میں نے کہا کیوں آخر وجہ کیا ہے؟

اس نے اپنا سر ہلایا اور کہنے لگا کہ میں تم سے کچھ سوالات کروں گا اگر تم نے درست جوابات دے دیے تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔

میں نے کہا: پوچھو تمہارے ذہن میں کیا سوالات ہیں؟

کہنے لگا: تم لوگوں میں بہت بڑے سخی کے طور پر مشہور ہو۔ کیا تم نے کبھی اپنا پورا مال کسی کو بخشا ہے؟

میں نے کہا: نہیں ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ میں کسی کو پورا مال دے دوں۔

کہنے لگا: اچھا آدھا مال کسی کو دیا ہے؟

میں نے کہا: نہیں۔

اس نے پوچھا: تیسرا حصہ؟

میں نے کہا: نہیں تیسرا حصہ بھی نہیں دیا۔

خیر اس طرح سوال کرتے کرتے اس نے کہا کہ کیا تم نے کبھی اپنے مال کا دسواں حصہ لوگوں میں تقسیم کیا ہے۔ اب مجھے شرم آنے لگی کہ میں لوگوں میں اتنا زیادہ سخی مشہور ہوں جان چھڑوانے کے لیے کہہ دیا کہ ہاں دسواں حصہ تو لوگوں میں تقسیم کیا ہے۔

اب وہ کہنے لگا کہ دیکھو یہ کوئی بڑی چیز نہیں جس پر تم فخر کرسکو۔ سنو میں ایک عام شخص ہوں۔ میرے پاس گھوڑا تک نہیں، نہ ہی درہم و دینار کا مالک ہوں۔ میری تنخواہ محض بیس درہم ہے جو مجھے منصور سے ماہوار ملتی ہے اور یہ ہار جو تم نے مجھے دیا ہے اس کی قیمت بلاشبہ ہزاروں دینار بنتی ہے جس کا میں اب مالک بن گیا ہوں۔ اور پھر اس نے وہ ہار مجھے واپس دیتے ہوئے کہا کہ میں یہ ہار اور تمہاری جان تمھیں عطیہ کرتا ہوں۔ میں تمہیں منصور کے حوالے بھی نہیں کروں گا۔ تم چونکہ لوگوں کے درمیان ایک سخی اور رحم دل انسان کے طور پر معروف ہو۔ مگر کبھی اتراتے ہوئے یہ مت کہنا کہ تم بڑے سخی اور رحم دل ہو۔ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ اس دنیا میں کوئی تم سے بڑا سخی بھی ہے۔ آج تک تم نے جتنی سخاوت کی ہے کبھی اس پر فخر نہ کرنا، لوگوں کو

بڑے سے بڑا عطیہ دے کر بھی اسے معمولی ہی سمجھنا اور اپنی اس اچھی خصلت کو چھوڑ مت دینا۔ یہ کہہ کر اس نے میرے اونٹ کی مہار چھوڑ دی اور مجھے آزاد کر کے واپس ہونے لگا۔

میں نے اس کو آواز دی کہ تم نے تو مجھے شرمندگی کے بحر بیکراں میں غرق کر دیا۔ میرا قتل ہونا میرے لیے اس سے کہیں زیادہ آسان تھا جو تم نے میرے ساتھ کیا ہے۔ یہ موتی تم لے لو میں اس سے مستغنی ہوں۔ یہ سن کر وہ زور سے ہنسا اور کہنے لگا:

تم چاہتے ہو کہ میں اپنی بات سے پھر جاؤں اور اس سے رجوع کر لوں۔

اللہ کی قسم یہ ہار میں ہرگز نہیں لوں گا اور تمہیں چھوڑ کر جو میں نے اچھا کام کیا ہے اس کا بدلہ بھی دنیا میں نہیں لوں گا۔ یہ کہہ کر وہ تیز قدموں سے چل دیا۔

معن کہتا ہے: اس شخص کا سلوک مجھے ہمیشہ یاد رہا۔ وہ دن بھی آیا جب منصور نے مجھے امان دے دی۔ میری مال و دولت اور جاگیر واپس آ گئی تو میں نے اس شخص کی تلاش شروع کروائی تا کہ اس کو بدلہ دے سکوں۔ پھر میں نے بھاری انعام کا اعلان بھی کیا مگر بے سود ساری تلاش کے باوجود وہ شخص مجھے نہ مل سکا۔ نجانے اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ بہرحال اس کا احسان مجھے ساری زندگی یاد رہے گا۔ کہ مجھ سے زیادہ سخی لوگ بھی اس دنیا میں موجود ہیں(2)۔

---

(1) مسلم: 18۔ ترمذی، ابوداود، سنن بیہقی (104/10)، صحیح ابن حبان وغیرہ۔

(2) دیکھئے: وفیات الأعیان لابن خلکان (246-244/5)۔

شجاعت فاروقی کے چند مناظر

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دار ارقم کی طرف روانہ ہوتے ہی اسلام کے سورج میں کچھ زیادہ ہی روشنی اور چمک نظر آنے لگی تھی۔ ان کا کلمۂ حق کی شہادت ادا کرنا تھا کہ مسلمانوں کے دل خوشی و مسرت سے باغ باغ ہو گئے۔

خلعتِ شہادت سے سرفراز ہونے کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں سے پوچھتے ہیں: قریشیوں میں وہ کونسا آدمی ہے جو مسلمانوں کی بات اِدھر سے اُدھر پہنچایا کرتا ہے؟ جب جمیل بن معمر الجمحی کا نام بتایا گیا تو آپ فوراً اس کے پاس پہنچتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں:

«أَ عَلِمْتَ يَا جَمِيلُ! أَنِّي أَسْلَمْتُ وَدَخَلْتُ فِي دِينِ مُحَمَّدٍ؟»

''اے جمیل! کیا تجھے معلوم بھی ہے کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور محمد کے دین میں داخل ہو چکا ہوں؟''۔

اتنا سننا تھا کہ جمیل بن معمر کوئی بات کہے بغیر اپنی چادر کھینچتے ہوئے وہاں سے چل پڑا۔ اس کے پیچھے عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ہو لیے۔ سردارانِ قریش کعبہ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ جمیل جیسے ہی مسجد حرام کے دروازے پر پہنچا زوردار آواز میں پکارنے لگا:

«يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! أَلَا، إِنَّ ابْنَ الْخَطَّابِ قَدْ صَبَأَ»

''اے قریش کی جماعت! تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ابن خطاب بھی بے دین ہو گیا''۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جمیل کے پیچھے سے فوراً آواز دی:

«كَذَبَ، وَلَكِنِّى أَسْلَمْتُ وَشَهِدْتُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ»

''اس نے جھوٹ کہا؛ بلکہ میں نے اسلام قبول کیا ہے اور میں نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔

قریش نے جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زبانی ان کے اسلام کا اعلان سنا تو سب کے سب ان کے اوپر ٹوٹ پڑے۔ ادھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ان سے گتھم گتھا ہو گئے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ دو پہر تک قریشیوں سے برسرِ پیکار رہے۔ اب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کافی تھک چکے تھے؛ چنانچہ بیٹھ گئے اور قریش نے انھیں گھیرے میں لے لیا۔ اس وقت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا:

«افْعَلُوا مَا بَدَا لَكُمْ، فَأَحْلِفُ بِاللهِ أَنْ لَوْ كُنَّا ثَلاَثَمِائَةٍ لَقَدْ تَرَكْنَاهَا لَكُمْ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا لَنَا»

''تم جو جی میں آئے کرو (میں اپنا فیصلہ بدلنے والا نہیں)، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم مکہ میں تین سو مسلمان ہوتے تو دو میں سے ایک فیصلہ یقینی تھا؛ یا تو ہم مکہ تمھارے لیے چھوڑ دیتے یا تمھیں مکہ کو ہمارے لیے چھوڑنا پڑتا''۔

اسی دوران ایک عمر رسیدہ قریشی ریشمی دھاری دار حُلّہ اور منقش قمیص زیب تن کیے ہوئے وہاں آ پہنچا۔ اس نے پوچھا: ماجرا کیا ہے؟

کہنے لگے: عمر بے دین ہو گیا ہے۔

اس نے کہا: ایک شخص نے اپنی ذات کے بارے میں فیصلہ کیا ہے، تمھیں کیا پریشانی ہے؟ کیا بنو کعب بن عدی کی طاقت کا تمھیں اندازہ نہیں، چلو بھاگو یہاں سے!!

قریش نے اس کی بات کی تعمیل کی اور فوراً تتر بتر ہو گئے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ہجرت کے بعد میں نے اپنے والد سے پوچھا: وہ شخص کون تھا؟ تو فرمایا: عاص بن وائل (1)۔ یہ رشتے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ماموں لگتا تھا۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے قبل مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ وہ مدینہ منورہ چھپ چھپا کر ہجرت کرتے تھے۔ مگر جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو ہجرت کے وقت تلوار لٹکائے ہوئے مسجد حرام میں آئے اور بیت اللہ کا طواف کیا۔ قریشِ مکہ بیت اللہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے پاس آکر کھڑے ہو گئے اور انھیں مخاطب کر کے بآوازِ بلند گویا ہوئے:

«شَاهَتِ الوُجُوهُ، وَاللهِ! لاَ يُرْغِمُ اللهُ إِلاَّ هَـٰذِهِ المَعَاطِسَ، مَنْ أَرَادَ أَنْ تَثْكِلَهُ أُمُّهُ أَوْ يُوتِمَ وَلَدَهُ أَوْ تُرْمِلَ زَوْجَتُهُ، فَلْيَلْقَنِي خَلْفَ هَذَا الوَادِي»

''یہ چہرے نامراد ہوں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ ان دشمنوں کو نامراد کرے۔ جس کی خواہش ہو کہ اس کی ماں اسے گم کر دے، جو اپنے بچوں کو یتیم کروانا چاہے۔ جو چاہے کہ اس کی گھر والی بیوہ ہو جائے' وہ اس وادی کے پیچھے مجھ سے مقابلہ کرنے آ جائے''۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شجاعت سے سارے لوگ واقف تھے۔ کس کی ہمت تھی جو اس مردِ مجاہد کے مقابلے کے لیے نکلتا؟! چنانچہ برسرِ عام عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور اس موقع سے دوسرے کمزور مسلمانوں نے بھی فائدہ اٹھایا اور تقریباً بیس کمزور ولاچار مسلمانوں نے ان کی معیت میں مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

بخاری کی روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

«مَا زِلْنَا أَعِزَّةً مُنْذُ أَسْلَمَ عُمَرُ»

''عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد ہم ہمیشہ شان وشوکت کے ساتھ رہے'' (2)۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں ہے:

«وَاللهِ! مَا اسْتَطَعْنَا أَنْ نُصَلِّ عِنْدَ الكَعْبَةِ ظَاهِرِينَ حَتَّى أَسْلَمَ عُمَرُ»

''اللہ کی قسم! عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے قبل ہم لوگوں کو کعبہ کے سامنے کھلے عام نماز پڑھنے کی طاقت نہیں تھی'' (3)۔

---

(1) دیکھئے: سیر اعلام النبلاء، تالیف: امام ذہبی (141/1)۔

(2) بخاری (1348/3)، صحیح ابن حبان (304/15)، سنن البیہقی الکبری (371/6)، مصنف ابن ابی شیبہ (354/6)، مسند بزار (274/5)۔

(3) مستدرک حاکم (90/3)، المعجم الکبیر للطبرانی (162/9)، حدیث نمبر (8806)۔

نوٹ! سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شجاعت کے واقعات تاریخ کے صفحات میں بے شمار ہیں۔ میں نے اپنے قارئین کے لیے مذکورہ چند گوشوں کو ہی یہاں جگہ دی ہے۔

جس کی گواہی دشمن بھی دیں!

احنف بن قیس رحمہ اللہ کی قیادت میں سلطنتِ ایران کے شہر یکے بعد دیگرے فتح ہوتے جاتے رہے تھے اور سلطنتِ اسلامیہ کا حصہ بنتے جا رہے تھے۔ ادھر کسریٰ ایران یزدجرد بن شہریار کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی کہ وہ اپنے ملک کے علاقوں کو فتوحاتِ اسلامیہ میں شامل ہوتے دیکھ رہا تھا۔ جب بھی کوئی شہر یا گاؤں مسلمانوں کے ہاتھ آتا کسریٰ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا اور کسی قریبی بستی یا شہر میں پناہ گزیں ہو جاتا۔

جب اس نے دیکھا کہ اسلامی فتوحات کا سلسلہ اپنے عروج پر ہے اور نہ معلوم کب کونسا شہر مسلمانوں کے قبضے میں چلا جائے تو اس نے چین کے بادشاہ کو خط لکھ کر پناہ طلب کی۔ اسی طرح اس نے صغد (مشرقی ایشیا میں ایک ملک جس کا دارالحکومت سمرقند ہے) اور ترکیا کے بادشاہ سے بھی پناہ اور تعاون طلب کیا۔ شاہِ ترک خاقان نے کسریٰ ایران یزدجرد کا تعاون کرنے کا وعدہ کیا۔ تاریخ میں لکھا ہوا ہے:

«فَأَنْجَدَهُ مَلِكُ التُّرْكِ خَاقَانُ بِقُوَّةٍ عَظِيمَةٍ وَجَمْعٍ هَائِلٍ، وَمَا لَبِثَ أَنْ لَوَّى عُنُقَ فَرَسِهِ عَائِدًا عِنْدَمَا قَتَلَ الْأَحْنَفُ ابْنُ قَيْسٍ اثْنَيْنِ مِنْ خِيرَةِ قُوَّادِهِ فِي مُبَارَزَةٍ فَرْدِيَّةٍ»

''شاہِ ترک خاقان کسریٰ ایران یزدجرد کے تعاون کے لیے بھاری تعداد میں ایک عظیم لشکری قوت لے کر (مجاہدین اسلام سے مقابلے کے لیے) آیا۔ ابھی کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ (مسلمانوں کے کمانڈر) احنف بن قیس رحمہ اللہ نے انفرادی مقابلے میں اس کے دو چنیدہ کمانڈروں کو جہنم رسید کر دیا۔ یہ دیکھ کر شاہِ ترک پر اسلامی قوت کی

دہشت طاری ہوگئی اور اس نے اپنے گھوڑے کا رخ اپنے ملک کی طرف موڑ دیا اور بھاگ کھڑا ہوا''۔

اب کسریٰ کو یقین ہو چلا تھا کہ ایرانی قوت اسلامی قوت کے سامنے دم توڑ چکی ہے اور مسلم مجاہدین سے مقابلہ ناممکنات میں سے ہے۔ چنانچہ اس نے ایران کے سارے خزانے اکٹھا کرنا شروع کر دیے۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اپنے خزانوں کے ساتھ شاہِ ترک یا شاہِ چین کے پاس چلا جائے اور وہیں اپنی بقیہ زندگی گزار دے۔ اس موقع پر شاہِ ایران اور اس کی رعایا میں جو گفت وشنید ہوئی اسے ملاحظہ فرمائیں:

رعایا: ''آپ کیا چاہتے ہیں؟''۔

کسریٰ: میں شاہِ ترک خاقان یا شاہِ چین کے پاس جا کر انھیں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔

رعایا کو اپنے خود غرض اور مفاد پرست بادشاہ کی بات سن کر بڑا غصہ آیا اور انہوں نے اس وقت بادشاہ سے جو بات کہی وہ مسلم مجاہدین کی پاکیزگی و رواداری اور عدل وانصاف کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ رعایا نے اپنے بادشاہ کو مخاطب کر کے کہا:

«مَهْلاً، فَإِنَّ هَذَا رَأْيُ سُوءٍ، إِنَّكَ إِنَّمَا تَأْتِي قَوْمًا فِي مَمْلَكَتِهِمْ وَتَدَعُ أَرْضَكَ وَقَوْمَكَ؟ وَلَكِنِ ارْجِعْ بِنَا إِلَى هَؤُلاَءِ الْقَوْمِ فَنُصَالِحُهُمْ، فَإِنَّهُمْ أَوْفِيَاءُ وَأَهْلُ دِينٍ، وَهُمْ يَلُونَ بِلاَدَنَا، وَإِنَّ عَدُوًّا يَلِي بِلاَدَنَا أَحَبُّ إِلَيْنَا مِنْ عَدُوٍّ يَلِينَا فِي بِلاَدِهِ وَلاَ دِينَ لَهُمْ، وَلاَ نَدْرِي مَا وَفَاؤُهُمْ»

''رک جاؤ، تمہاری رائے انتہائی غلط ہے، تم تو خود ایک حکومت میں جا کر پناہ گزیں ہو جانا چاہتے ہو اور اپنے ملک اور قوم کو (حالات کے رحم وکرم پر) چھوڑ دینا

چاہتے ہو؟ بلکہ تم ہمارے ساتھ ان لوگوں (مسلمانوں) کے پاس چلو تاکہ ہم ان سے مصالحت کر لیں، کیونکہ یہ مسلمان وفادار اور دیندار ہیں۔ اور ہماری سرزمین سے وہی قریب بھی ہیں۔ ہمارے وہ دشمن جو ہماری سرزمین سے قریب ہیں، ان دشمنوں سے زیادہ اچھے ہیں جو ہماری سرزمین سے دور اپنے ملکوں میں ہیں، ان کے پاس کوئی دین بھی نہیں ہے۔ اور ہم ان کی وفاداری کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتے۔

مگر کسریٰ نے اپنی رعایا کی تجویز ماننے سے انکار کر دیا۔ اس وقت رعایا نے بھی اپنے بادشاہ کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے: تمھیں جہاں جانا ہے جاؤ، مگر اس ملک کے سارے خزانے چھوڑ جاؤ۔ ہم اپنے ملک کے خزانے کسی دوسرے ملک میں منتقل نہیں ہونے دیں گے۔ لیکن کسریٰ نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے کہا: ہم کسی بھی قیمت پر تمھیں نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ رعایا نے اسی وقت اپنے بادشاہ کو معزول کر دیا؛ جبکہ اس کے حاشیہ بردار اور وزراء اس کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔

اب یہ جھگڑا خانہ جنگی میں تبدیل ہو گیا اور بادشاہ کے حاشیہ برداروں اور رعایا میں جنگ ہونے لگی۔ رعایا نے بادشاہ کو شکست دے کر پورے خزانے اس سے چھین لیے اور اسے بے دخل کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے احنف بن قیس رحمہ اللہ کو یہ پوری داستان لکھ بھیجی۔ مسلمانوں نے خبر ملتے ہی کسریٰ کا پیچھا کیا اور مقامِ مرو پر اس سے قتال کیا۔ وہاں اس نے اپنا ساز وسامان چھوڑ دیا اور بھاگ کر سرزمینِ بخاریٰ میں فرغانہ نامی جگہ چلا گیا۔ اور وہیں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانے تک رہا۔

ادھر ایرانی قوم کا وفد احنف بن قیس رحمہ اللہ کی خدمت میں پہنچا اور مسلمانوں سے معاہدہ کرلیا۔ وفد اپنے ملک کے خزانے اور اموال احنف بن قیس رحمہ اللہ کے حوالے کر کے اپنے ملک میں واپس چلا گیا۔ مسلمانوں نے ان کے ساتھ کیے گئے عہد و پیمان کا پورا لحاظ کیا اور اب وہ اپنے ملک میں سکون وچین کے ساتھ خوشگوار زندگی گزارنے لگے ۔ انھیں جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ مسلمانوں کے زیرِ نگیں ان کی زندگی اپنے شاہوں کے زیرتسلط زندگی سے کہیں زیادہ بہتر اور خوشگوار ہے۔ انھیں کبھی احساس نہیں ہوا کہ وہ کسی دوسرے کے زیرنگیں ہیں۔ مسلمانوں کی وفاداری اور عدل وانصاف ان کے لیے ایک نعمتِ غیرمترقبہ سے کم نہیں تھا۔ جو ان کے لیے قابلِ فخر بھی تھا اور قابلِ رشک بھی!!

اسی لیے کہتے ہیں کہ اصل فضل وکرم ، شان وخوبی اور اعلیٰ ظرفی وہ ہے جس کی گواہی دشمن بھی دیں۔ عربی کے ایک شعر کا یہ ٹکڑا اس واقعہ کے مناسب حال ہے ۔

«وَالفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الأَعْدَاءُ»

'' فضیلت وخوبی تو وہی ہے جس کی گواہی دشمن بھی دیں''۔ (1)

(1) اس واقعے کے لیے دیکھیے کتاب: بطولات و مواقف فی الصبر والتضحیة (273-274)' جمع و ترتیب محمد حاتم الطبشی' دارالقلم دمشق۔

(((دامادِ رسول ﷺ کی وصیت)))

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بیٹوں کو اپنی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب وہ حاضر ہو گئے تو آپ نے انھیں ایک قیمتی وصیت کی جو کہ ہر مسلمان کے لیے اسوہ ہے۔ آپ کی وصیت درج ذیل الفاظ میں تھی:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہدایت اور حق دین دے کر اس دنیا میں مبعوث کیا تا کہ وہ اپنے دین اسلام کو دنیا کے سارے ادیان و مذاہب پر غالب کرے؛ گرچہ مشرکین کو ناگوار گزرے۔ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو سارے جہاں کا پروردگار ہے اور جس کا کوئی شریک وساجھی نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں''۔

''اس کے بعد میں اے حسن! تمھیں اور اپنے تمام بچوں اور بیویوں کو وصیت کرتا ہوں کہ تم لوگ اللہ رب العزت کا تقویٰ اختیار کرنا، اور تمہارا خاتمہ اسلام ہی پر ہونا چاہیے۔ تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنا، اختلاف وانتشار کا شکار مت ہونا، کیونکہ میں نے ابوالقاسم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اپنے خاندان اور گھرانے میں اصلاح کرنا، عام صلہ رحمی اور روزے سے افضل ہے''۔ اپنے رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کیا کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے حساب کتاب کو آسان فرما دے گا۔ اللہ اللہ! تم لوگ یتیموں کا خیال رکھنا، انھیں مشقت

میں مت ڈالنا، دیکھنا کہ وہ تمھاری موجودگی میں ضائع نہ ہونے پائیں۔ اللہ اللہ! تم لوگ اپنے پڑوسیوں کا پاس ولحاظ رکھنا، کیونکہ یہ تمھارے نبی ﷺ کی وصیت ہے۔ بلکہ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کو مسلسل وصیت فرماتے رہے، یہاں تک کہ آپ کو یقین ہو چلا تھا کہ وہ پڑوسی کو وارث بنا دیں گے۔ اللہ اللہ! قرآن پڑھتے رہنا اور اس پر عمل کرتے رہنا، کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ اس پر دوسرے لوگ عمل پیرا ہو کر تم سے سبقت کر جائیں۔ اللہ اللہ! نماز کا خیال رکھنا، کیونکہ یہ تمھارے دین کا ستون ہے۔ اللہ اللہ! بیت اللہ کو آباد رکھنا، اسے خالی مت چھوڑ دینا۔ کیونکہ اسے چھوڑ دینے کے بعد اس کے مثل کوئی دوسرا بیت اللہ نصیب نہیں ہو سکتا۔ اللہ اللہ! اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرنا۔ اللہ اللہ! زکاۃ کی ادائیگی میں پس وپیش مت کرنا، کیونکہ زکاۃ رب کے غصے کو بجھا دیتی ہے۔ اللہ اللہ! ذمیوں کے بارے میں اپنے نبی کی وصیت کا خیال رکھنا، تمھاری موجودگی میں کسی ذمی پر ہرگز ظلم نہ ہونے پائے۔ اللہ اللہ! اپنے نبی کے صحابۂ کرام کا احترام قائم رکھنا کیونکہ آپ ﷺ نے ان کا لحاظ رکھنے کی وصیت فرمائی ہے۔ اللہ اللہ! فقیروں اور مسکینوں کی دیکھ بھال کرنا اور انھیں بھی اپنی معیشت میں شریک رکھنا۔ اللہ اللہ! اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے حقوق کا خیال رکھنا۔ اللہ اللہ! نماز قائم کرنا۔ اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اور سرزنش سے ہرگز پریشان نہ ہونا، اللہ تعالیٰ تمھاری سرزنش کرنے والوں کے لیے تمھاری طرف سے کافی ہے۔ لوگوں سے ہمیشہ اچھی باتیں کہنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس کا حکم دیا ہے۔ لوگوں کو بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں کوتاہی سے کام مت لینا۔ ورنہ تمھارے شریر لوگ غالب آ جائیں گے اور پھر تم دعائیں مانگو گے مگر قبول نہ

ہوں گی۔ باہمی تعلقات اور خیرخواہی کا جذبہ رکھنا۔ ایک دوسرے کو پسِ پشت ڈالنے، قطع تعلقی اور فرقہ بندی سے گریز کرنا۔ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرنا اور گناہ اور برے کاموں میں کسی کا ہاتھ نہ بٹانا۔ اللہ تعالیٰ سے خوف کھانا، بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم اہلِ بیت کی حفاظت فرمائے اور تمھارے درمیان اپنے نبی کے طریقہ کو برقرار رکھے، میں تمھیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ‘‘۔

اس وصیت کے بعد امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سوائے کلمہ لا إلہ إلا اللہ کے کوئی دوسرا کلمہ اپنی زبان سے ادا نہیں کر سکے اور آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپ کو آپ کے دونوں صاحبزادوں حسن و حسین رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے غسل دیا(1)۔

(1) دیکھئے: تاریخ الطبری: 396/4.

مجھے دورہ پڑتا ہے!

ایک دن حجاج بن یوسف اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تفریح کے لیے نکلا، واپسی میں اپنے ہمراہیوں سے علیحدہ ہوگیا۔ سامنے دیکھا تو ایک بوڑھا شخص آ رہا تھا۔ حجاج نے اس کو روک لیا اور اس سے سوال و جواب شروع کیے۔

حجاج بن یوسف نے بوڑھے سے پوچھا: ''کہاں سے آ رہے ہو؟''

بوڑھا: ''فلاں گاؤں سے آ رہا ہوں۔''

حجاج بن یوسف: ''تمہارے حاکموں کا کیا حال ہے؟''

بوڑھا: '' حکام بہت برے لوگ ہیں، لوگوں پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں اور ان کے اموال کو ناحق ہڑپ کر جاتے ہیں۔''

حجاج بن یوسف: ''حجاج کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

بوڑھا: ''ارے! اس کے بارے میں کیا پوچھتے ہو، سرزمینِ عراق پر اس سے بڑا حکمراں اس سے قبل کوئی نہیں آیا ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کو غارت کرے اور اسے بھی غارت کرے جس نے اس کو والی بنایا ہے!''

حجاج بن یوسف: ''تجھے معلوم ہے میں کون ہوں؟''

بوڑھا: ''نہیں۔''

حجاج بن یوسف: ''میں ہی حجاج ہوں۔''

بوڑھا: ''میں آپ پر قربان! آپ کو معلوم ہے میں کون ہوں؟''

حجاج بن یوسف: ''مجھے معلوم نہیں۔''

بوڑھا: ''میں فلاں بن فلاں بنو عجل سے تعلق رکھتا ہوں، مجھے ہفتے میں دو مرتبہ

دورہ پڑتا ہے جس کے دوران میری زبان سے کیا نکلتا ہے، خود مجھے بھی معلوم نہیں ہوتا، اور آج میرے دورے کا دوسرا دن ہے۔“

حجاج بن یوسف نے اس کا برجستہ جواب سنا تو ہنس پڑا اور اسے انعام سے نوازا۔

(((لونڈی کی پکار پر معتصم کی یلغار)))

مشہور عباسی خلیفہ معتصم باللہ (43-833ء) کے دربار خلافت میں ایک شخص کھڑا ہوا۔ عرض کی: امیر المومنین میں عَمُّوریة [1] سے آرہا ہوں۔ میں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ ایک موٹے عیسائی نے ایک مسلمان لونڈی کے چہرے پر زناٹے دار تھپڑ رسید کیا۔ لونڈی نے بے بسی کے عالم میں آہ بھری اور بے اختیار اس کے منہ سے نکلا:

«وَا مُعْتَصِمَاهُ! »

''ہائے خلیفہ معتصم تم کہاں ہو!''

اس موٹے عیسائی نے لونڈی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

«وَمَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ الْمُعْتَصِمُ! يَجِيءُ عَلَى أَبْلَقٍ وَيَنْصُرُكِ؟!»

''معتصم باللہ اس پکار کا کیوں کر جواب دے سکتا ہے! کیا وہ چتکبرے گھوڑے پر سوار ہو کر تیرے پاس آئے گا اور تیری مدد کرے گا؟''

پھر اس نے لونڈی کے رخسار پر کھینچ کر ایک دوسرا تھپڑ رسید کر دیا جس سے وہ تلملا اُٹھی۔

یہ سن کر خلیفہ معتصم باللہ نے اس آدمی سے دریافت کیا: ''عموریہ کس سمت میں ہے؟''

اس آدمی نے عموریہ کی سمت اشارہ کر کے بتلایا کہ عموریہ اس طرف ہے۔

خلیفہ معتصم باللہ نے اپنا رُخ عموریہ کی سمت موڑا اور کہا:

«لَبَّيْكِ، أَيَّتُهَا الجَارِيَةُ! لَبَّيْكِ، هَذَا الْمُعْتَصِمُ بِاللهِ أَجَابَكِ»

''میں تیری آواز پر حاضر ہوں اے لونڈی، معتصم تیری پکار کا جواب دینے آ رہا ہے۔''

پھر خلیفہ نے عموریہ کے لیے بارہ ہزار چتکبرے گھوڑے تیار کرائے اور ایک لشکر جرار لے کر عموریہ پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ جب اس محاصرے کی مدت طول پکڑ گئی تو اس نے مشیروں سے مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے کہا: ''ہمارے خیال کے مطابق آپ عموریہ کو انگور اور انجیر پکنے کے زمانے ہی میں فتح کر سکتے ہیں۔'' چونکہ اس فصل کے پکنے کے لیے ایک لمبا وقت درکار تھا' اس لیے خلیفہ پر یہ مشورہ بڑا گراں گزرا۔

خلیفہ اسی رات اپنے خاص سپاہیوں کے ہمراہ چپکے چپکے لشکر کے معائنے کے لیے نکلا تا کہ مجاہدین کی باتیں سن سکے کہ اس بارے میں ان کی چہ میگوئیاں کس نتیجے پر پہنچنے والی ہیں۔ خلیفہ کا گزر ایک خیمے کے پاس سے ہوا جس میں ایک لوہار گھوڑوں کے لیے نعلیں تیار کر رہا تھا۔ بھٹی گرم تھی۔ وہ گرم گرم سرخ لوہے کی نعل نکالتا تو اس کے سامنے ایک گنجا اور بدصورت غلام بڑی تیزی سے ہتھوڑا چلاتا جاتا۔ لوہار بڑی مہارت سے نعل کو الٹا پلٹتا اور اسے پانی سے بھرے برتن میں ڈالتا جاتا۔

اچانک غلام نے بڑے زور سے ہتھوڑا مارا اور کہنے لگا:

«فِي رَأْسِ الْمُعْتَصِمِ»

''یہ معتصم کے سر پر۔''

لوہار نے غلام سے کہا: تم نے بڑا برا کلمہ کہا ہے۔ اپنی اوقات میں رہو۔ تمہیں اس بات کا کوئی حق نہیں کہ خلیفہ کے بارے میں ایسا کلمہ کہو۔

غلام کہنے لگا: ''تمہاری بات بالکل درست ہے مگر ہمارا خلیفہ بالکل عقل کا کورا

ہے۔ اس کے پاس اتنی فوج ہے۔ تمام تر قوت اور طاقت ہونے کے باوجود حملہ میں تاخیر کرنا کسی صورت مناسب نہیں۔ اللہ کی قسم! اگر خلیفہ مجھے یہ ذمہ داری سونپ دیتا تو میں کل کا دن عموریہ شہر میں گزارتا۔''

لوہار اور اس کے شاگرد کا یہ کلام سن کر خلیفہ معتصم باللہ کو بڑا تعجب ہوا۔ پھر اس نے چند سپاہیوں کو اس خیمے پر نظر رکھنے کا حکم دیا اور اپنے خیمے کی طرف واپس ہو گیا۔ صبح ہوئی تو ان سپاہیوں نے اس ہتھوڑا مارنے والے غلام کو خلیفہ معتصم باللہ کی خدمت میں حاضر کیا۔

خلیفہ نے پوچھا:

''رات جو باتیں میں نے سنی ہیں، ان باتوں کے کرنے کی تمہیں جرات کیسے ہوئی؟''

غلام نے جواب دیا: ''آپ نے جو کچھ سنا ہے، وہ سچ ہے۔ اگر آپ جنگ میں مجھے کمانڈر بنا دیں تو مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ عموریہ کو میرے ہاتھوں فتح کروا دے گا۔''

خلیفہ نے فرمایا: ''جاؤ میں نے فوج کی کمان تمہیں سونپ دی۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عموریہ کو اس غلام کے ہاتھوں فتح کرا دیا۔ پھر معتصم باللہ شہر کے اندر داخل ہوا۔ اب اس نے فوراً اس آدمی کو تلاش کیا جو لونڈی کے متعلق اس کے دربار تک شکایت اور پیغام لے گیا تھا اور اس سے فرمایا: جہاں تو نے اس لونڈی کو دیکھا تھا وہاں مجھے لے چلو۔ وہ آدمی خلیفہ کو وہاں لے گیا اور لونڈی کو اس کے گھر سے بلا کر خلیفہ کی خدمت میں حاضر کیا۔ اس وقت خلیفہ نے لونڈی سے کہا:

«يَا جَارِيَةُ! هَلْ أَجَابَكَ الْمُعْتَصِمُ؟»

''لڑکی! بتا معتصم تیری مدد کو پہنچا یا نہیں؟''

اس لڑکی نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔ اور اب تلاش اس موٹے عیسائی کی ہوئی جس نے اس لڑکی کو تھپڑ رسید کیا تھا۔ اس کو پکڑ کر لایا گیا اور اس لڑکی سے کہا گیا کہ آج وقت ہے تم اس سے اپنا بدلہ لے لو (2)۔



(1) تاریخی شہر عموریہ کے کھنڈر انقرہ (ترکی) کے جنوب مغرب میں ''اسرقلعہ'' کے نام سے مشہور ہیں۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نصیبین سے آکر عموریہ کے اسقف کے پاس مقیم رہے تھے۔ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید نے 666ء میں عموریہ کو اطاعت پر مجبور کیا مگر پھر عیسائیوں نے اسے چھین لیا۔ آخر کار عموریہ کو عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے سپہ سالار افشین نے 838ء میں فتح کیا۔ 931ء میں امیر طرسوس ثمل نے اسے نذر آتش کر دیا۔ (اٹلس سیرت نبوی (اردو) ص180 بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 2/14)

(2) دیکھئے: محاضرات الابرار: 63/2، قصص العرب: 449/3۔

الحروف الذهبية

چونکہ اسلامی معاشرت کی تعمیر اور کردار سازی میں نبی اکرم ﷺ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین، ائمۂ عظام، فقہائے کرام، سلف صالحین، نیک طینت خلفا و سلاطین، صلحائے امت، سپہ سالارانِ اسلام اور مجاہدین صف شکن کی سیرت اور کردار مسلمانانِ عالم کے لیے مشعل راہ ہیں۔ اس لیے امتِ مسلمہ کی نوخیز نسلوں کو اس مشعل سے اپنی زندگی کے راستوں کو منور کرنا از حد ضروری ہے۔ چنانچہ ہم نے اپنے سنہرے سلسلے کی اس چوتھی کڑی میں درخشندہ ستاروں کے دلچسپ اور سبق آموز واقعات دلکش پیرائے میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ISBN:9960-9706-5-5

